

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ اول

عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی پس منظر،
نامور مسلمانوں اور ممتاز اصحاب دعوت، دعوت کا حصول و ترقی
ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات و نتائج کا ذکر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

دکے ۲، ناظم آباد سنٹر، ناظم آباد کراچی ۷۵

تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ اول

عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ
نامور مصاحبین اور ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف
ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات و نتائج کا تذکرہ

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد منیشن۔ ناظم آباد کراچی ۱۵

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق نفل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انشائیہ نظامی و مجلس علماء دارالمصنفین عظیم گڑھ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی کھلم
- رکن مجلس عاملہ موتمن عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انشائیہ اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب _____ تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ اول)
تصنیف _____ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت _____ احمد برادرز پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت _____ ۴۳۶ صفحات

ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۴

اسٹاکٹ، مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضلہ ربیعہ ندوی

مجلس نشریات اسلام اے کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی

تاریخ دعوت و عزیمت

(حصہ اول)

عربی _____ کویت و پیرت
 انگریزی _____ لکھنؤ، کراچی
 اردو _____ لکھنؤ
 اردو _____ کراچی

فہرست

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی	۹	دیباچہ طبع دوم
۲۵	خلافت کے بعد ان کی زندگی	۱۱ - ۱۶	پیش لفظ
۲۷	ان کی انقلابی اصلاحات		مقدمہ
۲۸	اعمال و اخلاق کی طرف توجہ		اصلاح و تجدید کی ضرورت اور تاریخ اسلام میں ان کا تسلسل
۲۹	تدوین علوم اور احیائے سنن	۱۷ - ۳۰	
۳۰	چند خطوط و فرامین	۱۷	زندگی سحر اور تغیر پذیر ہے
۳۸	تبلیغ و اشاعت اسلام کی طرف توجہ	۱۸	امت اسلامیہ کا زمانہ سب سے زیادہ پر از تغیرات ہے
۳۹	ان کی اصلاحات کے اثرات اور ان کا رد عمل	۱۸	اسلام کے بقا اور تسلسل کے لئے غیبی انتظامات
۵۰	ان کی زندگی کا جوہر	۱۹	اسلام کے قلب و جگر پر حملے
۵۱	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات	۲۰	دوسرے مذاہب کی تاریخ میں تجدیدی شخصیتوں کی کمی
	دوسری صدی کی اصلاحی کوششیں اور حضرت حسن بصری	۲۶	مذہب کو زندہ اشخاص کی ضرورت
	۵۳ - ۶۸	۲۷	ہر نئے فتنے اور نئے خطرے کے لئے نئی شخصیت و طاقت
۵۳	امت میں اخلاقی انحطاط اور ایمانی ضعف	۲۸	تاریخ کے گم شدہ مآخذ
۵۴	تابعین کی دعوت ایمانی	۲۹	اسلام کی میراث
۵۵	حضرت حسن بصری		پہلی صدی کی اصلاحی کوششیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز
۵۵	حسن بصری کی شخصیت ان کی دایاں ملاحظتیں		۳۱ - ۵۲
۵۷	حسن بصری کے مواعظ	۳۱	عہد اموی میں جاہلی رجحانات و اثرات
۶۲	ان کی حق گوئی و مہربانی	۳۲	عہد اموی کی دینی شخصیتیں اور ان کا اخلاقی اثر
۶۳	اسلامی حکومت میں نفاق اور منافقین	۳۳	انقلاب حکومت کی ضرورت اس کی مشکلات

۹۶	واقعہ کی تفصیلات امام احمد کی زبان سے	۶۵	تفاق و منافقین کی نشاندہی
۹۹	بے نظیر عزیمت و استقامت	۶۷	حسن بصری کی وفات اور ان کی مقبولیت
۱۰۰	امام احمد کا کارنامہ اور اس کا صلہ	۶۷	انقلاب حکومت کی کوششیں
فقہ اعتراف اور ابو الحسن اشعری اور ان کے پیرو		خلافت عباسیہ اور دینی دعوت و تذکیر	
۱۱۸-۱۰۳		۷۲-۶۹	
۱۰۳	معتزلہ کا علمی اقتدار اور اس کے اثرات	۶۹	خلافت عباسیہ اور اس کے اثرات
۱۰۴	سنت کے وقار کے لئے ایک بلند شخصیت کی ضرورت	۷۰	بتداد کے داعی الی الشر
۱۰۵	امام ابو الحسن اشعری	تدوین حدیث وفقہ	
۱۰۶	امام ابو الحسن اشعری کا جذبہ تبلیغ و احقاق حق	۸۳-۷۳	
۱۰۶	ان کی ذہنی صلاحیتیں اور علمی کمالات	۷۳	امت کی دو فوری ضرورتیں
۱۰۸	ان کا مسلک اور ان کی خدمات	۷۵	تدوین حدیث
۱۱۳	ان کی تصنیفات	۷۵	محدثین کی بلند ہمتی اور جفاکشی
۱۱۴	عبادت و تقویٰ	۷۶	فن اسرار الزجالی
۱۱۴	وفات	۷۷	محدثین کی احتیاط و امانت
۱۱۴	امام ابو منصور ماتریدی	۷۸	قوت حافظہ اور استحضار
۱۱۶	اشعری حلقہ کے علماء اور ان کا علمی اثر	۷۹	مجالس درس میں سامعین کا ہجوم
علم کلام کا انحطاط، فلسفہ اور باطنیت کا فروغ		۷۹	صحابہ ستہ
اور		۸۰	تدوین فقہ
ایک نئے مسئلہ کی ضرورت		۸۱	ائمہ اربعہ اور ان کی خصوصیات
۱۱۹-۱۲۹		۸۲	ائمہ اربعہ کے شاگرد و جانشین
۱۱۹	علم کلام کا انحطاط و انحطاط	۸۲	تدوین فقہ کا فائدہ
۱۲۰	فلسفہ کا رواج	فقہ خلق قرآن اور امام احمد بن حنبل	
۱۲۱	فلسفہ یونان کے عرب ناقل و شارح	۸۴-۱۰۲	
۱۲۱	جماعت اہل انصاف اور اس کے رسائل	۸۴	فلسفہ انبیاء اور ذات و صفات کی بحثیں
۱۲۲	معتزلہ و فلاسفہ کا فرق	۸۵	معتزلہ کا عروج
۱۲۳	باطنیت کا فن	۸۶	امام احمد بن حنبل
۱۲۴	ظاہر و باطن کا مغالطہ	۹۲	فقہ خلق قرآن
۱۲۶	نبوت محمدی کے خلاف بغاوت	۹۶	امام احمد ابتلا و امتحان میں

امام غزالیؒ

۱۳۰-۱۹۶

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

۱۹۴-۲۲۲

۱۹۴	تعلیم و تکمیل	۱۳۰	تعلیم اور علمی عروج
۱۹۸	اصلاح و ارشاد اور جوع عام	۱۳۱	گیارہ سال کی عمر نور دی اور اس کے تجربات
۱۹۸	معاذ و اخلاق	۱۳۲	خلوت سے جلوت کی طرف
۲۰۱	مردہ دلوں کی سمائی	۱۳۱	امام غزالیؒ کا تجدیدی کام
۲۰۲	تعلیمی شاغل و خدمات	۱۳۱	فلسفہ پر عمل جراحی
۲۰۳	استقامت و تحقیق	۱۳۵	تہافت الفلاسفہ کا اثر
۲۰۴	تفویض و توحید	۱۳۵	باطنیت پر عمل
۲۰۵	خلق خدا پر شفقت	۱۳۶	زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ
۲۰۶	حضرت شیخ کا مہد اور ماحول	۱۳۶	احیاء علوم الدین
۲۰۸	مواعظ و خطبات	۱۳۸	تقید و احتساب
۲۰۸	توحید خالص اور غیر الشریک بے حقیقی	۱۳۹	علماء و اہل دین
۲۱۲	شگستہ دلوں کی تکمیل	۱۵۶	حکام و سلاطین
۲۱۳	دنیا کی صحیح حیثیت	۱۶۲	سلمانوں کے دوسرے طبقے
۲۱۵	خلفاء اور حکام وقت پر تنقید	۱۶۴	ایک اصلاحی و تربیتی کتاب
۲۱۶	دین کے لئے دل سوزی اور فکر مندی	۱۶۸	احیاء العلوم اور فلسفہ اخلاق
۲۱۸	بیعت و تربیت	۱۶۸	حب جاہ
۲۲۱	زمانہ پراثر	۱۷۷	محابہ نفس
۲۲۱	وفات	۱۸۲	احیاء کے ناقد
	علامہ ابن جوزیؒ	۱۸۲	امام غزالیؒ اور علم کلام
	۲۵۱-۲۲۵	۱۸۷	تدریس کے لئے دوبارہ امرار اور امام غزالیؒ کی سعادت
۲۲۵	ابتدائی حالات اور تحصیل علم	۱۸۹	بقیہ زندگی اور وفات
۲۲۶	کتابت حدیث میں انہماک	۱۹۰	امام غزالیؒ کی دو ممتاز خصوصیتیں
۲۲۶	ذوق مطالعہ	۱۹۲	امام غزالیؒ کا عالم اسقام پراثر
۲۲۷	تصنیف و تالیف اور تبحر علمی	۱۹۲	عمومی دعوت و تذکیر کی ضرورت و اصلاح عام اور بندہ کے الہی الہام
۲۲۷	تقویٰ اور ذوق عبادت	۱۹۵	داعی کی علمی صلاحیتیں

۲۶۶	فتح بیت المقدس	۲۲۹	ظاہری محاسن و اوصاف
۲۶۸	اسلامی اخلاق کا مظاہرہ	۲۲۹	بلند ہمتی اور جامعیت کا شوق
۲۶۹	صلیبی سیلاب	۲۳۲	محاسن و عطا اور تاثیر
۲۷۰	صلح اور سلطان کے کام کی تکمیل	۲۳۳	ان کی ناقذانہ تھانیف
۲۷۳	وفات	۲۳۳	کتاب الموضوعات
۲۷۴	درویش سیرت سلطان	۲۳۴	تلبیس ابلیس
۲۷۷	محاسن اخلاق	۲۳۴	مختلف طبقات پر تنقید
۲۷۹	مردانہ اوصاف	۲۳۹	صید الخاطر
۲۸۱	علم و فضیلت	۲۴۰	عام واقعات سے بڑے بڑے نتائج
۲۸۲	فاطمی حکومت کا زوال اور سلطان صلاح الدین	۲۴۲	واقعات زندگی اور نفس سے مکالمہ
	کا دوسرا کارنامہ	۲۴۶	سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت
	شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام	۲۴۷	صلحاء امت کی سیرت
	۲۸۷ - ۳۰۲	۲۴۷	تاریخ کی اہمیت
۲۸۷	علمی عظمت	۲۴۹	تاریخی تصنیفات
۲۸۹	سلاطین کو صلاح نیک اور اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی	۲۵۰	ادبیت و خطابت
۲۹۱	بادشاہ شام کے مقابلہ میں جرأت و استقامت	۲۵۱	وفات
۲۹۳	شیخ عز الدین مصر میں		
۲۹۳	شیخ کی حق گوئی و بیباکی		
۲۹۵	فرنگیوں سے جہاد	۲۵۲	نور الدین زنگی اور صلاح الدین الیوبی
۲۹۵	مصارف جہاد کے لئے شیخ کا انتظام	۲۵۴	۲۵۲ - ۲۸۶
۲۹۶	امراء سلطنت کا نیلام	۲۵۵	صلیبی حملے اور عالم اسلام کے لئے نیا خطرہ
۲۹۷	شیخ عز الدین اور سلاطین مصر	۲۵۶	اتابک حماد الدین زنگی
۲۹۸	سکرام اخلاق	۲۵۹	الملك العادل نور الدین زنگی
۲۹۹	امراء المعروف اور نہی من المنکر اور شیخ کا مسک	۲۶۱	نور الدین کے محامد و اوصاف
۳۰۱	شیخ کی تصنیفات	۲۶۲	شوق جہاد اور ایمان و یقین
۳۰۲	شیخ کی وفات	۲۶۳	سلطان صلاح الدین الیوبی
	فقہ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش ۳۰۳-۳۳۳	۲۶۴	زندگی میں تبدیلی
۳۰۳	۳ تاریخ حلی اور اس کے اسباب	۲۶۵	جہاد کا عشق
			حطین کی فیصلہ کن جنگ
			سلطان کی دینی حیثیت

۲۵۴	رفقار کے انتخاب کا سبب	۳۱۴	اسلام کے مشرقی ممالک تارویوں کی زد میں
۲۵۵	مولانا کی وفات	۳۱۴	ہندو کی تباہی
۲۵۷	اخلاق و خصوصیات	۳۲۲	تارویوں میں اسلام کی اشاعت
۲۵۷	ریاضت و مجاہدہ		مولانا جلال الدین رومیؒ
۲۵۸	ناز کی کیفیت		۳۰۰ - ۳۳۵
۲۵۹	زہد و قناعت	۳۳۵	علم کلام و عقلیت کا بحران
۲۵۹	فیاضی و ایثار	۳۳۷	صاحبِ دل حکم کی ضرورت
۲۵۹	بے نفسی اور فنائیت	۳۳۷	مختصر حالات
۲۶۰	کسبِ حال	۳۳۸	خاندان اور والدین
۲۶۰	اہلِ دنیا سے کیسوی	۳۳۸	مولانا کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم
۲۶۰	ثنوی معنوی اور اس کا علمی اور اصلاحی مقام و مقام	۳۳۹	والد کی بلخ سے ہجرت
۲۶۰	ثنوی معنوی	۳۴۰	مولانا قونیز میں
۲۶۲	عقلیت و ظاہر پرستی پر تنقید	۳۴۱	آپ کے تطبیعی سفر اور شاغل
۲۶۸	دعوتِ عشق	۳۴۲	انقلابِ حال
۲۷۳	جانِ دل	۳۴۳	شمس تبریز
۲۷۵	مقامِ انسانیت	۳۴۴	مولانا کی ملاقات اور تعمیرِ عظیم
۲۷۹	دعوتِ عمل	۳۴۶	شورشِ عام
۲۸۲	عقائد و علم کلام	۳۴۶	شمس کی غیبت
۲۸۳	وجود باری	۳۴۷	مولانا کی بقراری اور شمس کی واپسی
۲۸۶	نبوت اور انبیاء	۳۴۸	شمس کی دوبارہ غیبت
۲۸۹	معاد	۳۴۹	مولانا کی بیابانی
۲۹۲	جبر و اختیار	۳۵۱	سفر شام اور سکونِ خاطر
۲۹۳	علت و معلول	۳۵۱	شیخ صلاح الدین زرکوب
۲۹۷	ثنوی کا اثر	۳۵۳	چلی حسام الدین
۲۰۱	اشاریہ (انڈکس) از مجموعیات الدین ندوی	۳۵۴	ثنوی کی تحریک

دیباچہ طبع دوم

”تاریخ دعوت و عزیمت“ حصہ اول کے دوسرے ایڈیشن پر ناچیز مصنف کتاب الشرببارک و تعالیٰ کے حضور میں بہ ہزار زبان ثنا خواں اور پاس گزار ہے۔

اس حصہ کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت کئی سال کے وقفہ کے بعد آ رہی ہے، لیکن اس کی وجہ کتابوں کی نایابی، طباعت کی دشواریوں اور مصنف کی بڑھتی ہوئی مصروفیت کے سوا کچھ نہیں، ورنہ یہ کتاب برصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں میں جس طرح مقبول ہوئی، اور جس طرح اہل علم اور اہل قلوب نے اس پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا، اور اس کے پہلے ایڈیشن کے ختم میں جتنا طویل عرصہ گزر چکا ہے، اس سب کا قدرتی تقاضا تھا کہ اس وقت تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہوتے، لیکن اردو کتابوں کی طباعت میں اب جو دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں، اور جن کا اندازہ کچھ مصنفین ہی کو ہے، انہوں نے اس کتاب کی اشاعت دوم میں غیر معمولی تاخیر پیدا کر دی، اس کے لئے مصنف کتاب متأسف بھی ہے اور معذرت خواہ بھی۔

کتاب کے مضامین و مواد میں تعداد و عنوانات کے لحاظ سے کوئی بڑا اضافہ نہیں ہوا، لیکن جو کچھ ہوا وہ دقیق اور قابل لحاظ ہے، اور اس سے کتاب کی قیمت و افادیت میں ضرور اضافہ ہوتا ہے، ان میں دو اضافے ضرور قابل ذکر ہیں، ایک عنعان ”فتنہ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش“ کے تحت تاناری حملہ اور اس کے اسباب کے مضمون

(کا اضافہ کیا گیا ہے، اس میں (مصنف کی معلومات کی حد تک) اس وقت کے عالم اسلام کے اخلاقی، معاشرتی

دینی، روحانی اور سیاسی حالات کا پہلی مرتبہ جائزہ لیا گیا ہے، اور اس فتنہ عالم آشوب اور طوفان بلائیز کے باطنی اور غیبی اسباب کو قرآن مجید کی مشعل ہدایت لے کر اور الہی قانون مجازاۃ کی مدد سے معلوم کرنے اور ان کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مواد اور وقت دونوں کی کمی اور مصنف کی بعض سذوریوں کی بنا پر اس باب میں اضافہ اور ترقی کی بڑی گنجائش ہے، لیکن یہ ایک ابتدائی کوشش اور ایمانی فکر و نظر کا ایک نمونہ ہے، جس کو بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے، بایں ہمہ وہ اس موجودہ حالت میں بھی عبرت و بصیرت اور درس و مواعظت سے خالی نہیں، دوسرا اضافہ مقدمہ کتاب میں دوسرے مذاہب کی تاریخ میں تجدیدی شخصیتوں کی کمی کے زیر عنوان کیا گیا ہے جس میں مسیحیت، اور ہندومت کی اصلاح و تجدید کے بارے میں کچھ نئے معلومات کا اضافہ کیا گیا ہے، ان دو اضافوں کے علاوہ اس ایڈیشن میں صرف پہلے ایڈیشن کے اغلاط کی تصحیح اور قلیل التعداد جزوی ترمیمات ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف کی یہ سعی مقبول ہو، اس سلسلہ کی ترتیب میں جو مقاصد پیش نظر رہے ہیں اور جن کا تذکرہ پیش لفظ میں کیا گیا ہے، ان کی تکمیل ہو۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

۳ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ
۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء دو شنبہ

پیش لفظ

محرم ۱۴۴۲ھ میں لکھنؤ میں جماعت دعوت اصلاح و تبلیغ کی طرف سے انتظام کیا گیا کہ فقہاء کے سامنے ضروری عنوانات اور پہلوؤں پر تقریریں کی جائیں اور ان کی واقفیت اور ذہنی تربیت کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ ان تقریروں اور مضامین کا سلسلہ ایک ہفتہ جاری رہا، اس تربیتی ہفتہ میں ایک طویل اور مسلسل عنوان "اصلاح و تجدید کی تاریخ اور اس کی اہم شخصیتیں" تھا، یہ عنوان راقم سلوڈ کے حصہ میں آیا تھا، اور تقریباً ایک ہفتہ اس موضوع پر عرض کیا جاتا رہا، اس وقت صرف ایک مختصر یادداشت سامنے ہوتی تھی جس میں کچھ عنوانات اور اشارے ہوتے تھے، اجاب اس کا خلاصہ اپنے طور پر محفوظ کر لیتے تھے۔

بعد میں اشاعت کی نیت سے جب اس پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ یہ کام بڑی توجہ اور اطمینان سے کرنے کا ہے اور یہ ایک اہم تاریخی موضوع ہے جس پر (ہمارے محدود علم کے مطابق) کوئی مفصل اور مکمل چیز موجود نہیں، اور یہ تاریخ اسلام اور ادبیات اسلامیہ کا ایک بڑا خلا ہے جس کو جلد پر ہونا چاہئے، اس خلا کے موجود ہونے کی وجہ سے اچھے اچھے سنجیدہ حلقوں میں یہ خیال قائم ہو چکا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اصلاح و تجدید اور انقلاب حال کی کوشش مسلسل اور غیر منقطع طور پر نہیں پائی جاتی، بلکہ اس میں بڑے طویل طویل خلا ہیں، جو صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں، کئی کئی سو برس کے بعد کچھ شخصیتیں ابھرتی رہی ہیں، جنہوں نے حالات سے کشمکش کی اور جو فکری اور عملی حیثیت سے کوئی ممتاز مقام رکھتی ہیں، ورنہ عام طور پر متوسط درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں، جو فکری اور عملی

حیثیت سے عہد انحطاط کی عام سطح سے بلند نہیں تھے اور جن کے علمی و علمی کارناموں میں کوئی جدت اور ندرت نہیں پائی جاتی صرف چند گنی چنی شخصیتیں (جن کی تعداد ۷-۸ سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی) اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔

یہ بات دیکھنے میں بڑی معمولی معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے نتائج بڑے اہم اور دور رس ہیں، یہ اسلام کی اندرونی طاقت و صلاحیت سے ایک طرح کی بدگمانی اور بایوسی ہے جو ہر زمانہ میں ضرورت کے آدمی اور اہل دعوت و عزیمت کو پیدا کرتی رہی ہے اور جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب اور قوم میں نہیں ملتی، یہ ایک حساس کہتری اور ذہنی شکست خوردگی ہے جس کی کوئی علمی بنیاد نہیں۔

لیکن یہ نتیجہ بے سبب نہیں، بد قسمتی سے تاریخ اسلام کے وسیع ذخیرہ میں یا تو وہ کتابیں ملتی ہیں جن کو واقعات کی فہرست کہنا صحیح ہے اور جن کی مرکزی شخصیت بادشاہوں کی ذات ہے یا چند نمایاں شخصیتوں کی سوانح (تراجم و تذکرے) مگر اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مسلسل فکری اور اصلاحی تاریخ نہیں جن میں ان تمام شخصیتوں کی تحریکوں کا تعارف ہو جنہوں نے عالم اسلام پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اسلام کی بروقت حفاظت یا تجدید و تقویت کی خدمت انجام دی ہے، غلط رجحانات کی اصلاح اور فتنوں کا سد باب کیا ہے اور اسلام کے فکری اور علمی ذخیرہ میں کوئی قابل قدر اضافہ کیا ہے، درحقیقت اسلام کے سلسلہ دعوت و اصلاح میں خلا نہیں، تاریخ اسلام کی ترتیب و تالیف میں خلا ہے، اس خلا کا پرکرن وقت کا ایک ضروری کام اور ایک اہم دینی و علمی خدمت ہے۔

اس کام کی تکمیل سے نہ صرف اصلاح و دعوت کی تاریخ مرتب ہو جائے گی، بلکہ ضمناً مسلمانوں کی فکری و علمی انحطاط و ارتقار کی تاریخ بھی وجود میں آجائے گی۔

لیکن جب اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک مقالہ یا رسالہ کا مضمون نہیں ہے، یہ ایک اہم اور مفہم تصنیف کا موضوع ہے، اس کے لئے تاریخ کو دوبارہ پڑھنا ہوگا، اور اس کو ایک خاص انداز سے مرتب کرنا ہوگا، اس کے لئے صرف تاریخ عام کا جائزہ لینا کافی نہ ہوگا، بلکہ مذاہب و فرق، علوم و فنون کی تاریخ اور تراجم و تذکرے

کی کتابوں کو اس نظر سے دیکھنا ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ یہ مضمون جس سکون و اطمینان اور فرصت کا طالب ہے، وہ اس

پریشان اوقات کی زندگی میں بہت کیاب ہے، پھر بھی ضرورت کے احساس نے اس موضوع پر قلم اٹھانے پر مجبور کیا اور طبیعت کی افتاد سرسری طور پر گزرنے سے مانع ہوئی۔

ریات ناظرین کرام کے پیش نظر رہے کہ اس کتاب میں ہیں اصطلاحی تجدید سے بحث کرنا نہیں ہے، ان اشخاص کا تعین کرنا ہے، جو اس منصب کے اہل ہو سکتے ہیں، اور جن کی واحد ذات، ذہنی انقلاب برپا کر دیا، اور تجدید کے شرائط پورے کئے، یہاں ہیں اسلام کی تیرہ سو برس کی تاریخ میں اصلاح و انقلاب حال کی کوششوں کے تسلسل کو دکھانا ہے، اور ممتاز شخصیتوں اور حکموں کی نشان دہی کرنی ہے، جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء اور تجدید اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے کام میں حصہ لیا ہے، اور جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں اس وقت موجود ہے، اور مسلمان اس وقت ایک ممتاز امت کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، اس مضمون میں متعدد ایسے اشخاص کا تذکرہ آئے گا، جو انفرادی طور پر تو مجدد نہیں کہے جاسکتے، مگر دین کی تجدید اور اصلاح و انقلاب کے مجموعہ میں ان کا ضرور حصہ ہے، اور مسلمان ان کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے:-

(۱) کسی دعوت یا شخصیت کے حالات و مقاصد معلوم کرنے کے لئے عموماً خود اس کی تصنیفات، تحریریں اور اقوال سے مدد لی گئی ہے، اگر اس میں پوری کامیابی نہیں ہوئی، اور خلا رہ گیا، تو اس کے رفقاء و تلامذہ اور معاصرین کی تصنیفات و بیانات کو ترجیح دی گئی ہے، آخری صورت میں بعد کے مستند ماخذوں پر اعتماد کیا گیا ہے، اس بارے میں کسی تذبذب یا نزاع کی تخصیص نہیں، جہاں کوئی کام کی بات دیکھی گئی، اخذ کی گئی، اور اس کا حوالہ دے دیا گیا۔

(۲) شخصیتوں کی سیرت اور تذکرہ کے سلسلہ میں ان کے گرد و پیش، اس زمانہ کی علمی و فکری سطح، اور کام کے میدان کی وسعتوں کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ان شخصیتوں کی صحیح عظمت اور ان کی کامیابی کی مقدار کا جائزہ لیا جاسکے، اور اس دور اور ماحول کی کامیابی کے امکانات کا صحیح اندازہ کر کے ان کو تاریخ میں صحیح مقام دیا

جاسکے، کسی شخصیت کو اس کے ماحول سے نکال کر اپنے ماحول میں لاکر اپنے زمانہ کے پیمانوں اور تقاضوں اور اپنے

ذاتی رجحانات اور خواہشات کے معیار سے جانچنا پھر اس معیار کے لحاظ سے اس کی کوتاہیوں اور فرد گذشتوں کی کوئی نایاں کرنا ظاہری نگاہ میں ایک بڑا تنقیدی کارنامہ معلوم ہوتا ہے جس سے کتاب سطحی نظر لوگوں کی نگاہ میں وزنی اور وقیح بن جاتی ہے، لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بڑی نا انصافی اور کوتاہ نظری ہے، اس لئے کہ آدمی اپنے زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں اور اس عہد کے میدان عمل کے حدود کے لحاظ سے کامیاب و ناکامیاب کہا جاسکتا ہے، ورنہ ہر عظیم و عظیم شخصیت دوسرے زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے اور مورخ کے رجحانات اور خیالات کے پیمانہ سے سخت ناکام ثابت کی جاسکتی ہے اور نہ صرف اسلامی تاریخ، بلکہ انسانی تاریخ کی بھی کوئی شخصیت کامل اور معیاری قرار نہیں دی جاسکتی۔

(۳) کسی صاحب دعوت یا مصنف اور مفکر کی کتابوں کے چند مختصر اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی کہ اس سے اس کے مقاصد، اس کے علمی مرتبہ اور اس کے ذہن کا اندازہ صحیح طور پر نہیں ہو سکتا، اور قارئین اس کا لطیف صحبت اور شرف ملازمت حاصل نہیں کر سکتے، اس کتاب میں متنازعہ دعوت، مصلحین، معنفین اور اصحاب فکر کی تصنیفات و خطابات کے اتنے مختلف اور مبسوط اقتباسات دیئے گئے ہیں کہ پڑھنے والا محسوس کرے گا کہ اس کا کچھ وقت ان کی صحبت میں گزارا، اور اس کو اطمینان کے ساتھ دید و شنید کا موقع ملا ہے، اس کے لئے خود مؤلف کتاب نے اپنے وقت کا ایک معتدبہ حصہ ان حضرات کی تصنیفات و مواعظ اور ان کے علمی و فکری آثار کے ماحول میں گزارا اور کوشش کی ہے کہ ان کا تذکرہ اور تعارف کرانے کے زمانہ میں وہ اپنا وقت غالباً اسی ماحول میں گزارے اور ان اثرات و کیفیات کو اپنے اوپر طاری ہونے کا موقع دے، جو ان کے معاصرین اور نیشنوں پر طاری ہوتی تھیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ قارئین مختلف شخصیتوں کے بارے میں مؤلف کتاب کا قلبی رجحان صاف معلوم کر سکیں گے، اور ان کو زبان میں بھی تغیر اور صاحب ترجمہ کی زبان و ادب کا مناسب نظر آئے گی، یہ بات اگر کسی نقاد کی نگاہ میں قابل اعتراض اور کتاب کی کمزوری شمار کئے جانے کے قابل ہے، اور اس کے نزدیک مورخ کو اپنے قلم کی طرح "پوب خشک" اور ناقص لے ضمیر ہونا چاہئے تو مصنف اس کمزوری کا اعتراف کرتا ہے، اور اس کے لئے کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

(۴) تاریخی شخصیتوں کے صرف علمی کمالات، تحقیقات اور تصنیفات کے اقتباسات پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ

ان کی زندگی کے باطنی پہلو، تعلق مع اللہ اور اخلاقی خصوصیات کو بھی نمایاں کیا گیا ہے کہ اولاً تو یہ تقدیر میں اہل دعوت و اہل فکر کی مشترک خصوصیت ہے کہ وہ اپنے علمی کمالات اور عملی انہماک کے ساتھ عبادت و انابت الی اللہ کا ذوق خاص رکھتے تھے، اور ان کی کامیابی و مقبولیت میں اس کو خاص دخل ہے، اور اس کے تذکرہ کے بغیر ان کا تذکرہ نامکمل رہتا ہے، دوسرے اس ضخیم تصنیف اور تاریخ کے اس وسیع دفتر کے پڑھنے والے کا یہ حق اور اس کی محنت اور دقت کا یہ خاموش مطالبہ ہے کہ وہ اس سے صرف تاریخی معلومات ہی اخذ نہ کرے، بلکہ قلب و روح کی تازگی اور ذوق عمل کا حصہ بھی پائے۔

(۵) کسی شخصیت کے تبارک کے سلسلہ میں صرف اس کے فضائل و کمالات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اگر اس کے منصف و محتاط معاصرین یا صاحب نظر متاخرین نے اس پر یا اس کی تصنیفات و افکار پر تنقید کی ہے، تو اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے، اور اگر اس کا جواب دیا گیا ہے، اور اس کی طرف سے دفاع کیا گیا ہے، تو اس کو بھی پیش کر دیا گیا ہے، لیکن تاریخ کو ناقداً تالیف ثابت کرنے کے لئے بے ضرورت تنقید نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

یہ کتاب کی پہلی جلد ہے، پہلے خیال تھا کہ یہ جلد شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر تمام ہوگی، اس طرح اس حصہ میں پہلی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک کی تاریخ دعوت و عزیمت اور اصلاح و تجدید کی روداد آجاتی لیکن ابن تیمیہ کا تذکرہ (ان کے زمانہ کی اہمیت اور ان کے کام کی وسعت کی بنا پر) اتنا بسوط ہو گیا کہ اس کو کتاب کا ایک مستقل حصہ بنانا پڑا، جو اس سلسلہ کی دوسری جلد ہوگی، کتاب کا تیسرا حصہ (اور شاید چوتھا بھی) ہندوستان کے اہل دعوت و عزیمت کے ساتھ مخصوص ہوگا، جو کچھ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام میں اصلاح و تجدید کے علمبردار اور فکر و تحقیق کا منبع و سرچشمہ تھے۔

آخر میں مؤلف کو صاف اعتراف ہے کہ اس کتاب کے لئے جتنی طویل مدت تصنیف، جیسا سکون خاطر،

جتنا وسیع و عمیق مطالعہ اور جیسا وسیع اور متنوع علم درکار ہے، مصنف اس سے بہرہ مند نہیں، لیکن جو کچھ بھی

اس عرصہ اور ان حالات میں ہو سکا، اور جو ناظرین کے سامنے ہے، وہ مصنف کی پریشان خاطرگی، انتشار و ہستی اور

علی بے بضاعتی کے پیش نظر محض تائید الہی اور توفیق خداوندی ہے، وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ

اللّٰهِ۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم الشراکے بریلی

۳ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

مقدمہ

اصلاح و تجدید کی ضرورت اور تاریخ اسلام میں ان کا تسلسل

زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور کامل و مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا ہے اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا

نِعْمَتِي وَقَضَيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا

اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کی حیثیت

(المائدہ - ۳) سے اسلام کو تمہارے لئے پسند کر چکا۔

ایک طرف تو اللہ کا دین مکمل ہے، دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے اور اس کا

شباب ہر وقت قائم ہے۔

جاوداں پیہم دواں ہر دم جوان ہے زندگی

اس دواں دواں اور سداجواں زندگی کا ساتھ دینے اور اس کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخری طور پر

جس دین کو بھیجا ہے، اس کی بنیاد اگرچہ ابدی عقائد و حقائق پر ہے، مگر وہ زندگی سے پڑھے اور حرکت اس کی

رگ و پے میں بھری ہوئی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ہر حال میں دنیا کی رہنمائی کر سکے، اور

ہر منزل میں تغیر پذیر انسانیت کا ساتھ دے سکے، وہ کسی خاص عہد کی تہذیب یا کسی خاص دور کا فن تعمیر نہیں ہے، جو

اس دور کی یادگاروں کے اندر محفوظ ہو اور اپنی زندگی کھو چکا ہو، بلکہ ایک زندہ دین ہے جو علیم و حکیم صالح کی صنعت کا

ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (الانعام ۱۲) یہ ہے اندازہ غالب اور علم رکھنے والے کا۔

مُنْعَ احْتِطَاءِ الَّذِي اَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (النمل ۸۸) کارگیری اشرفی جس نے ہر چیز کو محکم کیا۔

اُمّتِ اسلامیہ کا زمانہ سب سے زیادہ پُر از تغیرات ہے

یہ دین چونکہ آخری اور عالمگیر دین ہے، اور یہ امتِ آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا، اور ایسی کشمکش کا اس کو مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری امت کو دنیا کی تاریخ میں پیش نہیں آئی، اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے، وہ سب سے زیادہ پُر از تغیرات اور پُر از انقلابات ہے، اور اس کے حالات میں جتنا تنوع ہے، وہ تاریخ کے کسی گذشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔

اسلام کے بقا اور تسلسل کے لئے غیبی انتظامات

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں، ایک تو یہ کہ اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں، جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا آسانی مقابلہ کر سکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، دوسرے اس نے اس کا ذمہ لیا ہے، اور اس وقت کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے، کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا، جو ان تعلیمات کو زندگی میں متعل کرتے رہیں گے، اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرم عمل رکھیں گے، اس دین میں ایسے اشخاص کے پیدا کرنے کی جو صلاحیت و طاقت ہے، اس کا اس سے پہلے کسی دین سے اظہار نہیں ہوا، اور یہ امت تاریخِ عالم میں

بلکہ انتظام خداوندی ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت و قوت کے آدمی کی ضرورت تھی اور زہر کو جس تریاق کی حاجت تھی وہ اس امت کو عطا ہوا۔

اسلام کے قلب و جگر پر حملے

مشرع ہی سے اسلام کے قلب و جگر اور اس کے اعصاب پر ایسے حملے ہوئے ہیں کہ دوسرا مذہب ان کی تاب نہیں لاسکتا، دنیا کے دوسرے مذاہب جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دنیا فتح کر لی تھی اس سے کم درجہ کے حملوں کو سہارہ سکے، اور انہوں نے اپنی ہستی کو گم کر دیا، لیکن اسلام نے اپنے ان سب حریفوں کو شکست دی اور اپنی اسی شکل میں قائم رہا، ایک طرف باطنیت اور اس کی شاخیں، اسلامی روح اور اس کے نظام عقائد کے لئے سخت خطرہ تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کو زندگی سے بے دخل کرنے کے لئے صلیبیوں کی پورش اور تاتاریوں کا حملہ بالکل کافی تھا، دنیا کا کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو وہ اس موقع پر اپنے سارے امتیازات کھو دیتا، اور ایک تاریخی داستان بن کر رہ جاتا، لیکن اسلام ان سب داخلی و خارجی حملوں کو برداشت کر لے گیا، اور اس نے نہ صرف اپنی ہستی قائم رکھی، بلکہ زندگی کے میدان میں نئی نئی فتوحات حاصل کیں، تحریقات، تاویلات، بدعات، عجیبی اثرات، مشرکانہ اعمال و رسوم، مادیت، نفس پرستی، تعیشات، الحاد و لادینیت اور عقلیت پرستی کا اسلام پر بار بار حملہ ہوا، اور کبھی کبھی محسوس ہونے لگا کہ شاید اسلام ان حملوں کی تاب نہ لاسکے، اور ان کے سامنے سپردال ہو، لیکن امت مسلمہ کے ضمیر نے صلح کرنے سے انکار کر دیا، اور اسلام کی روح نے شکست نہیں کھائی، ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے تحریقات و تاویلات کا پرہ چاک کر دیا، اور حقیقت اسلام اور دین خالص کو اجاگر کیا، بدعات اور عجیبی اثرات کے خلاف آواز بلند کی، سنت کی پمذور حمایت کی، عقائد باطلہ کی بے باکانہ تردید اور مشرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف علانیہ جہاد کیا، مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگائی، تعیشات اور اپنے زمانہ کے "مترفین" کی سخت مذمت کی، اور جاہر سلاطین کے سامنے

یہ شکر و تمندوں اور مستغنی آسودہ حال اور فخر ابال لوگوں کو قرآن مجید "مترفین" کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔

کھلا حق بلند کیا، عقلیت پرستی کا طلسم توڑا، اور اسلام میں نئی قوت و حرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا کر دی، یہ افراد داعی، علمی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اپنے زمانہ کے متاثر ترین افراد تھے اور طاقتور اور دلاویز شخصیتوں کے مالک تھے، جاہلیت اور ضلالت کی ہر نئی ظلمت کے لئے ان کے پاس کوئی نہ کوئی 'یدِ بضیاء' تھا جس سے انھوں نے تاریکی کا پردہ چاک کر دیا، اور حق روشن ہو گیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت اور بقا منظور ہے اور دنیا کی رہنمائی کا کام اسی دین اور اسی امت سے لینا ہے اور جو کام وہ پہلے تازہ نبوت اور انبیاء سے لینا تھا، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نابین اور امت کے مجتہدین و مصلحین سے لے گا۔

دوسرے مذاہب کی تاریخ میں تجدیدی شخصیتوں کی کمی

اس کے برخلاف دنیا کے دوسرے مذاہب میں ایسی ہستیوں کی نمایاں کمی نظر آتی ہے، جو ان مذاہب میں نئی روح اور ان کے ماننے والوں میں نئی زندگی پیدا کر دیں، ان کی تاریخ میں صدیوں اور ہزاروں برس کے ایسے خلا نظر آتے ہیں جن میں اس دین کا کوئی مجدد دکھائی نہیں دیتا، جو اس دین کو تحریفات و بدعات کے زخم سے نکلے، اس کی حقیقت واضح کرے، اصل دین اور حقیقتِ ایمان کی طرف پوری قوت سے دعوت دے، رسوم کے خلاف پُر زور صدائے احتجاج بلند کرے، مادیت و نفس پرستی کی تحریک و رجحانات کے خلاف جہاد کرنے کے لئے کمر بستہ ہو کر میدان میں آجائے، اور اپنے یقین، پستی، روحانیت اور قربانیوں سے اس مذہب کے پیروؤں میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دے۔

اس کی سب سے بڑی مثال مسیحیت ہے، وہ اپنے عہد کے آغاز یعنی پہلی صدی مسیحی کے نصف ہی میں ایسی تحریک کا شکار ہوئی، جس کی نظر اس دور کی تاریخ مذاہب میں کہیں نہیں ملتی، وہ ایک صاف اور سادہ توحیدی مذہب کے ایک ایسے مشرکانہ مذہب میں تبدیل ہو گئی، جس کو یونانی اور بودھ افکار و خیالات کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس کے سب سے بڑے داعی اور پیرو سینٹ پال (۱۰-۶۶۵ء) کے ہاتھوں ہوا، یہ تبدیلی دراصل ایک روح سے

دوسری روح، ایک شکل سے دوسری شکل اور ایک نظام سے دوسرے نظام کی طرف ایک ایسی جست یا پھلانگ کے مترادف ہے جس میں

پہلی شکل سے صرف نام اور بعض رسوم کا اشتراک باقی رہ گیا تھا، ایک مسیحی فاضل (ERUSET DE BUNSEN) اس تغیر و انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے، اس کی دعوت حضرت مسیح نے اپنے قول و عمل سے کبھی نہیں دی تھی اس وقت عیسائیوں اور یہودیوں و مسلمانوں کے درمیان جو نزاع قائم ہے اس کی ذمہ داری حضرت مسیح کے سر نہیں ہے بلکہ یہ سب اس یہودی عیسائی بے دین پال کا کوشش ہے، نیز صحف مقدسہ کی تفسیل و تفسیم کے طریقہ پر تشریح اور ان صحیفوں کو پیش گوئیوں اور مثالوں سے بھر دینے کا نتیجہ ہے، پال نے اسٹیفن (STEPHEN) کی تقلید میں جو مذہب یسائی (ESSENIO) کا داعی ہے حضرت مسیح کے ساتھ بہت سی بودھ رسوم و الہت کر دیں، آج انجیل میں جو متضاد کہانیاں اور واقعات ملتے ہیں، اور جو حضرت مسیح کو ان کے مرتبہ سے بہت فرور شکل میں پیش کرتے ہیں، وہ سب پال کے وضع کئے ہوئے ہیں حضرت مسیح نے نہیں، بلکہ پال اور ان کے بعد آنے والے پادریوں اور راہبوں نے اس سائے عقیدہ و نظام کو مرتب کیا ہے جس کو آرتھوڈوکس مسیحی دنیا نے اٹھارہ صدیوں سے اپنے عقیدہ کی اساس قرار دے رکھا ہے۔“

مسیحیت نے طویل صدیوں تک اور آج بھی پال کی اس روح اور اس کے ورثہ کو سینہ سے لگائے رکھا، اور اس پوری مدت میں مسیحی دنیا میں کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جو مسیحیت کے اس بیرونی مستعار اور غیر حقیقی نظام کے خلاف فلم بغاوت بلند کرے، اور اس نقطہ کی طرف واپسی کی کوشش کرے، جس نقطہ پر حضرت مسیح اور ان کے مخلص خلفاء اور تبعین چھوڑ کر گئے تھے، صدیوں پر صدیاں بیت گئیں، اور کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا، جو مسیحیت کے ان نئے اور بیرونی اجزاء کو طے کر سکے، آخر کار پندرہویں صدی مسیحی میں مارٹن لوتھر (M. LUTHER) جرمنی میں پیدا ہوا، اور اس نے بعض جوئی مسائل میں کچھ محدود قسم کی اصلاح کی، یہ کوئی جوہری یا عمومی اصلاح نہ تھی، اور نہ مسیحیت کے غلطانہ اور اس کے انحراف کے خلاف کوئی بغاوت، گویا مسیحیت کی تاریخ کی تقریباً پندرہ صدیاں انقلاب انگیز بنیادی اور کامیاب اصلاح مذہب کی تخریبوں سے خالی رہیں اور اس عرصہ میں کوئی کوشش بھی پورے طور پر بار آور اور نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی، مسیحی

فضلاً کہ بھی اس کا اعتراف ہے کہ اس طویل مدت میں کسی دنیا میں کوئی شخصیت یا تحریک رونما نہیں ہوئی، مسیحیت کی اصلاح یا تجدید میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار (J. BASSMULLINGER) لکھتا ہے :-

”اگر ہم اس کے اسباب تلاش کریں کہ سوہویں صدی سے قبل اصلاحِ مذہب (ریفارمیشن) کی کوششوں میں ہنوی کامیابی بھی کیوں نہ ہوئی تو بلا کسی دشواری کے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑا سبب قوموں وسطیٰ کے ذہن کی ماضی کی مثالوں کی غلامی تھی۔
دوسری جگہ لکھتا ہے :-

”پرچ کے اصلاح کی کوئی جامع تجویز رونے کا دلانے کی ان کی سلسل کوششوں ناکامی یورپ میں ایک کی ایک جانی بھی حقیقت ہے“

یہی مقالہ نگار آگے لکھتا ہے :-

”سوہویں صدی سے قبل اصلاحِ مذہب کی چند نہیں، متحدہ لفظ بعض بہت یادگار قسم کی کوششیں کی جا چکی تھیں، لیکن بلا استثناء ان سب کو کلیسا کی لعنت و ملامت کا شکار ہو جانا پڑا تھا“

اس کے بعد کوئی دوسرا شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو کلیسا کے خرافات و اوہام اور اس کی زبردستیوں کے خلاف اپنی آواز بلند کرنا، اور کم از کم اتنا ہی کرتا جتنا لو تھر نے (اپنے مخصوص دائرہ عمل اور کمزوری کے باوجود) کیا تھا۔ غرض اس طرح مسیحیت اس راستہ پر مسلسل چلتی رہی جس کو اس نے اپنے لئے انتخاب کیا تھا، یا زیادہ صحیح الفاظ میں اس کے سر تن چوپ دیا گیا تھا، کلیسا کا اثر کم پڑ گیا، اور بعد میں اس کا اقتدار بالکل ختم ہو گیا، یورپ میں مادیت کی حکومت قائم ہوئی، اور اس نے اس اصل مذہب کی جگہ لے لی، اور مغرب کے ہر مذہب کو اس نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا، اور مسیحیت میں کوئی ایسا انسان پیدا نہ ہو سکا، جو اس مادیت کا مقابلہ کرتا، اور اس کو اپنے صحیح مرکز پر واپس لاتا یا

ENC. BRITANNICA-ED. IX VOL. XX P. 920
ARTICLE BY J.B. MULLINGER.

۳۲ ایضاً ۳۲ ایضاً

عیسائیوں میں اپنے مذہب پر اعتماد کو بحال کرتا، ان سب میں وہ روحانی و اخلاقی قوت پیدا کرتا جو ان کو مادیت کے ان زبردست تھیسٹوں اور ایمان سوز ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رکھ سکے اور ان کو ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کر سکے، جو علم و اخلاق اور صحیح عیسائی عقائد پر قائم ہو اور جہاں نئے زمانہ کے سوالات 'عصر جدید کے مسائل' کا حل اس کی روشنی میں ممکن ہو، اس کے برعکس یہ ہوا کہ عیسائی مفکرین، مصنفین مسیحیت کے مستقبل سے خود بالواس ہو گئے، اور لادینی مادیت کے مقابلہ میں ان کے اندر احساس بہتری پیدا ہو گیا۔

یہی قصہ مشرق کے مذاہب کے ساتھ بھی پیش آیا، ہندو مذہب بھی اپنی اصل راہ سے بالکل ہٹ گیا، اس نے اپنی سادگی اور خالص کائنات سے براہ راست روحانی نسبت بالکل کھودی، اخلاقی قوت بھی مفقود ہو گئی، اور اپنی پیچیدگی کی وجہ سے وہ محض ایک دقیق اور غیر عملی فلسفہ بن کر رہ گیا، اور رفتہ رفتہ عقائد میں توحید خالص اور معاملات میں مساوات دونوں اہم چیزوں کا سرشتہ اس کے ہاتھ سے بالکل چھوٹ گیا، اور یہی وہ دو اہم بنیادیں تھیں جن پر کوئی ایسا مذہب قائم ہو سکتا ہے، جس کی جڑیں باطن میں مضبوط ہوں، اور شاخیں ظاہر میں پھیلی ہوئی ہوں۔

اپنی شد کے مصنفین نے بہت کوشش کی کہ اس فساد کا تدارک کریں، چنانچہ انھوں نے ان رسوم کو جو ہندو مذہب اور ہندو سماج پر پوری طرح چھا گئی تھیں، مسترد کر دیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے فلسفیانہ اور تصوراتی نظام کو پیش کیا، جو کثرت میں وحدت کے نظریہ پر قائم تھا، یہی تصویر ہندو مذہب کے علمی حلقوں میں توجہ و پسند کی گئی، اس لئے کہ ان کا رجحان شروع ہی سے وحدۃ الوجود ہمدوست کی طرف تھا، لیکن حوام نے جن کی فکری سطح پست تھی، اور جو عملی نظام اور عملی تعلیمات کے خواہشمند تھے، اس بات کو قبول نہ کیا، اور اس طرح ہندو مذہب رفتہ رفتہ اپنی قوت و تاثیر کھوتا رہا، اس کی طرف سے بے اعتمادی اور بے اطمینانی روز بروز بڑھنے لگی، ہندو سماج کی یہی بے اطمینانی اور بے چینی تھی، جس نے آگے چل کر بودھ کی شخصیت میں جنم لیا، یہ مرحلہ چھٹی صدی قبل مسیح میں سامنے آیا۔

بودھ نے ایک نیا فکر یا ایک نیا مذہب (اگر اس موقع پر لفظ مذہب کا استعمال درست ہو) پیش کیا جو ترک

کو نیا، تہذیب نفس، خواہشات سے مقابلہ، رحم دلی و ہمدردی، خدمت و عمل اور رسوم و عادات اور طبقاتی کشمکش

کی ترویج و مخالفت پر قائم تھا، جو ہندو سماج میں آخر زمانہ میں بہت نمایاں ہو گئی تھی، یہ فکر یا یہ مذہب بہت سرعت

کے ساتھ پھیلا اور ایشیا کے جنوبی اور شرقی حصہ پر جو بکر ہند اور بکر اکاہل کے درمیان واقع ہے، اس کا تسلط قائم ہو گیا۔

لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ زبردست مذہبی تحریک بھی اپنے راستے سے ہٹ گئی اور تحریف کا شکار ہو گئی، مورتیاں

اور رسوم وغیرہ جن کے خلاف اس مذہب نے علم بغاوت بلند کیا تھا، اس پر پھر سے حملہ آور ہوئے، یہاں تک کہ اس کے آخر

دو میں وہ بھی شرک اور مورتی پوجا کا مذہب بن کر رہ گیا، جو اپنے پیشرو ہندو مذہب کے مورتیوں کی اقسام اور ان کی

تعداد کے سوا کسی اور چیز میں مختلف اور بہتر نہ تھا، اس کی اخلاقیات کو بھی زوال ہوا، افکار و خیالات میں سچیدگی اور

بڑھ گئی، نئے نئے فرقے اور مذہبی گروہ قائم ہو گئے، پروفیسر ایسٹورٹو اپنی کتاب "ہندوستانی تمدن" میں لکھتے ہیں :-

"بودھ مت کے سایہ میں ایسی حکومت قائم ہوئی، جس میں اوتاروں کی بھرمار اور مورت پرستی کا دور دورہ دکھائی

دینے لگا، سنگھوں کی فصاید ل رہی تھی، اس میں بدعتیں اور جدتیں کے بعد دیگرے نظر آ رہی تھیں۔"

پینڈت جو اہر لال نہرو اپنی کتاب "تلاش ہند" (DISCOVERY OF INDIA) میں بودھ مت کے بگاڑ اور

تدریجی زوال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"برہمنیت نے بودھ کو اوتار بنایا، اور بودھ مت نے بھی یہی کیا، سنگھ بہت دو تہہ ہو گئے، اور ایک خاص جہت

کے مفاد کے مرکز بن کر رہ گئے، اور ان میں ضبط و قاعدہ بالکل نہیں رہا، عبادت کے طریقوں میں سکراد اور ام داخل

ہو گئے، اور ہندوستان میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بودھ مت کا تنزل شروع ہو گیا، اس جہد

میں اس کی جو مریضانہ کیفیت تھی، (MRS. RHYS DAYIS) نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

"ان مریضانہ خیالات کے گہرے سایہ میں اگر گوتم کی اخلاقی تعلیم نظر سے اوجھل ہو گئی، ایک نظریہ پیدا ہوا اور

اس نے فروغ پایا، اس کی جگہ دوسرے نے لی اور ہر ایک قدم پر ایک نیا نظریہ پیدا ہونے لگا، یہاں تک کہ ساری فصایں

لے بودھ مت کے لئے لفظ مذہب کے استعمال میں مجھے زبرد اس لئے ہے کہ اس میں خالق اور مبداء و معاد کے سلسلے میں کوئی عقیدہ یا نظریہ

نہیں ملتا، اور اکثر مصنفین و مؤرخین کی یہی رائے ہے، دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا لفظ بودھ (BUDDHA)۔

یہ ہندوستانی تمدن (اردو) ایسٹورٹو پایا۔

ذہن کی ان پُر فریب تخلیقوں سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا اور بالی مذہب کے سادہ اور بلند اخلاقی درس ان اہیاتی موشگافیوں کے انبار کے نیچے دب کر رہ گئے۔

مجموعی حیثیت سے بودھ مت اور برہمنیت دونوں میں گراوٹ پیدا ہو گئی اور ان میں اکثر بتذل رسم داخل ہو گئیں، دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا، اس وسیع بودھ دنیا میں اور اس کی حکمرانی کی اس طویل مدت میں کوئی ایسا مصلح سامنے نہ آیا، جو حقیقی بودھ مت کی طرف دعوت دے اور اس جدید اور منحرف مذہب کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے اور اس کا گذشتہ دور شباب اور اس کی گم شدہ سادگی اور صفائی پھر سے واپس لے آئے۔

عزمِ قدیم ہندو مذہب بودھ مت کے سامنے بالکل نیپ نہ سکا، یہاں تک کہ آٹھویں صدی عیسیٰ میں شکر آچاریہ نے بودھ مت کی مخالفت اور قدیم ہندو مذہب کی اشاعت کا علم بلند کیا، اور آخر کار اس کو اس ملک سے تقریباً باہر ہی کر دیا، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی حیثیت ہندوستان کے بہت سے مذاہب میں ایک قدیم زوہرِ زوال اور محدود مذہب کی رہ گئی، شکر آچاریہ نے اپنی ذہانت، مذہبی جرات اور جوشِ عمل سے یہ تو کیا کہ بودھ مت کو بالکل زندگی سے بے دخل کر دیا، لیکن وہ اس باب میں کامیاب نہ ہوئے (بلکہ شاید اس کا انہوں نے سرے سے ارادہ ہی نہیں کیا تھا) کہ قدیم ہندو مذہب کو اس کی پہلی اور حقیقی شکل پر واپس لے آئیں، اس میں توحید کا عقیدہ، خالق کائنات کے براہِ راست اتصال، بندہ اور خدا کے درمیان واسطوں کی نفی، اجتماعی انصاف اور طبقاتی مساوات کی رُوح پیدا کریں، چنانچہ آج تک یہ دونوں ہندوستانی مذاہب اپنی بدلی ہوئی ہئیت پر قائم ہیں اور دورانِ خطاط کی میراثِ رسوم و عادات اور صورتوں کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں، مذاہب و اخلاق کے انسائیکلو پیڈیا (ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS) کے مقالہ نگار (V. S. GHATE) جو الفسٹن کا ریمبئی میں سنسکرت کے پروفیسر تھے اور ہندوستان کے قدیم مذاہب و فلسفوں پر گہری نظر رکھتے ہیں، شکر آچاریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اس کا زندگی کا سب سے بڑا مقصد اس نظامِ مذہب اور فلسفہ کا زندہ کرنا تھا جس کی اونٹنیہ میں تعلیم دی گئی ہے

لکھنؤ لاش ہندس ۲۰۳، ۲۰۱ ۲۰۲ ایضاً ۲۰۳، ۲۰۱ ۲۰۲ شکر آچاریہ آٹھویں صدی کے نصفِ آخر میں گزرا ہے، ۲۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا

اس نے مطلق وحدۃ الوجود کے عقیدہ کو رائج کر دیا، اس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ وہ یہ بتائے کہ "اوپنشد" اور "ہگوت" گیتا

میں قانون پیش نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مکمل وحدۃ الوجود کی تعلیم ہے، شکر آچاریہ نے بت پرستی کی نہ مخالفت کی اور نہ حل

کیا، اس کے نزدیک بت ایک رمز اور منظر ہیں، شکر آچاریہ نے رسمیت سے (RITUAUSM) اور کرما کی مذمت کی،

لیکن مقبول عام دیوتاؤں کی پرستش کی طرف سے مدانت کی اپنے نشوونما کی ایک خاص منزل میں بت پرستی ہماری

فطرت کی ایک ضرورت ہے، جب مذہبی روح پختہ اور بالغ ہو جاتی ہے تو پھر بت پرستی کی ضرورت نہیں رہتی ہے، علامتوں

اور رموز کو ترک کر دینا چاہئے، جب مذہبی روح پختہ اور بالغ ہو جاتی ہے، شکر نے بتوں کی اجازت دی، بحیثیت ایک

علامت کے ان لوگوں کے لئے جو ایسے برہمنوں کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکے، جو صفات سے آزاد اور ناقابل تبدیل ہوں۔

بہر حال وہ تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں، جو شکر آچاریہ سے لے کر دیانند سرسوتی اور گاندھی جی تک کی گئیں،

اور جن کا مقصد اس مذہب کا اس کی ان صحیح بنیادوں پر اچھا رقا، جو نبوت کی دعوت انسان کی فطرت سلیم اور تغیر پذیر

عہد سب سے ساتھ ہم آہنگ ہو، ان دونوں مذاہب نے آخر کار مادیت و لادینیت کے سامنے بالکل سپردال دی ہے، اور

زندگی سے کنارہ کش ہو کر عبادت گاہوں اور تیرتھ گاہوں میں پناہ لی ہے، اور رسوم و عادات اور ظاہری اشکال میں

محمور ہو کر رہ گئے ہیں، ہندوستان میں اس وقت کوئی ایسی طاقتور دعوت نہیں جس کا نعرہ اور جس کا منشور یہ ہو، پھر

سے مذہب کی طرف آؤ، اس کے برعکس ایسی تحریکیں بہت بیدار اور طاقتور ہیں، جن کا نعرہ اور اصول یہ ہے کہ اپنی پرانی

تہذیب کو زندہ کرو، اور ہندوستان کی قدیم تاریخی زبان "سنسکرت" کو پھر سے ملک میں رائج کرو۔

مذہب کو زندہ اشخاص کی ضرورت

دراصل کوئی مذہب اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا، ان خصوصیات کو زیادہ دنوں تک برقرار نہیں

لے سکتا، لہذا مقالہ شکر آچاریہ باختصار انتخاب ملاحظہ ہو۔

ENC. OF RELIGION AND ETHICS - FOURTH EDITION, 1958

ARTICLE SANKARACHARYA.

رکھ سکتا، اور بدلتی ہوئی زندگی پر اثر نہیں ڈال سکتا، جب تک وقتاً فوقتاً اس میں ایسے اشخاص نہ پیدا ہوتے رہیں جو اپنے غیر معمولی عقین، روحانیت، بے غرضی و ایثار اور اپنی اعلیٰ داعی اور قلبی صلاحیتوں سے اس کے تن مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دیں، اور اس کے ماننے والوں میں نیا اعتماد اور جوش اور قوت عمل پیدا کر دیں، زندگی کے تقاضے ہر وقت جوان ہیں، مادیت کا درخت سدا بہار ہے، نفس پرستی کی تحریک اور اس کے مذہب کو حقیقتہً کسی تجدید کی ضرورت نہیں کہ اس کی ترغیبات اور اس کے محرکات قدم قدم پر موجود ہیں، پھر بھی اس کی تاریخ اس کے پُر جوش داعیوں اور کامیاب مجددوں سے کبھی خالی نہیں رہی، جنہوں نے اس کی جوانی کو قائم اور اس کی دعوت کو اس وقت تک زندہ رکھا ہے۔ ع

اگرچہ پیرے مومن جوان ہیں لات و منات

اس کا مقابل جب ایک نئی زندگی اور نئی طاقت کے ساتھ میدان میں نہیں آئے گا، اور وقتاً فوقتاً

اس کی تجدید نہیں ہوتی ہے گی، تازہ دم مادیت کے مقابلہ میں اس کا زندہ رہنا مشکل ہے۔

ہرنے، فتنہ اور نئے خطرے کے لئے نئی شخصیت و طاقت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کے اس طویل اور پُر آشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت

ایسی نہیں پائی جاتی، جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہو گئی، حقیقت اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، امت اسلام

کا ضمیر بالکل بے حس ہو گیا ہو اور تمام عالم اسلام پر اندھیرا چھا گیا ہو، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کے لئے کوئی

فتنہ نمودار ہوا، اس کی تخریب اور اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا، مادیت کا کوئی

سخت حملہ ہوا، کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آگئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا، اور اس کو

میدان سے ہٹا دیا، بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں، جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں، لیکن آج ان کا وجود صرف

کتابوں میں رہ گیا ہے، ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے، کتنے آدمی ہیں جو قدرت، جہیت، اعتراض، خلق قرآن

وحدۃ الوجود اور اکبر کے دین الہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں، حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے، ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں، اور اپنے زمانے کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے، لیکن بالآخر حقیقت اسلام نے ان پر فتح پائی، اور کچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور سرکاری مذہب علمی مباحث بن کر رہ گئے، جو صرف علم کلام اور تاریخ عقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں، دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد، تجدید و انقلاب کی کوشش اور دعوت و اصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنی اسلام کی تاریخ، اور ایسا ہی سلسلہ ہے، جیسی مسلمانوں کی زندگی۔

تاریخ کے گم شدہ مآخذ

لیکن اس کی ذمہ داری صرف مورخین پر عائد نہیں ہوتی، اس کے ذمہ دار وہ تمام لوگ ہیں، جو تاریخ کی اصطلاحی اور سرکاری حیثیت کے سوا کوئی اور حیثیت ماننے پر تیار نہیں، اور کسی ایسی کتاب کو لائق اعتبار نہیں سمجھتے جو کسی کتب خانہ میں تاریخ کی الماری کے اندر نہ ہو، یا فن تاریخ کے تحت درج نہ ہو، حالانکہ ایسی بہت سی کتابیں اپنے اندر تاریخ کا بہت قیمتی ذخیرہ رکھتی ہیں، اور ان کو بہت اہم مآخذ قرار دیا جاسکتا ہے، یہ وہ ادبی اور دینی کتابیں ہیں، جن میں ان داعیوں اور مصلحین امت نے اپنی دلی احساسات و کیفیات کو بے نقاب کیا ہے، اور اپنی زندگی کے اہم واقعات اور تجربے درج کئے ہیں، یہ وہ کتابیں ہیں، جن میں شاگردوں اور مریدوں نے اپنے اساتذہ و شیوخ کے نصائح و لفظوں اور حقائق و معارف قلم بند کئے ہیں، اور ان کی پڑاؤ اور بابرکت مجلسوں کی روئداد پیش کی ہے، یہ مکتوبات اور مواظبات کے وہ مجموعے ہیں، جن سے ان کے خیالات و افکار اور جذبات و کیفیات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، یا وہ کتابیں جو احتساب سوسائٹی پر تنقید اور بدعات و منکرات کے رد و ابطال میں لکھی گئی ہیں، اگر ہمارا مطالعہ اپنی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھ کر ان اہم اور گم شدہ تاریخی مآخذ تک وسیع ہو سکتا اور کوئی وسیع النظر نگاہ رس اور باہمت محقق اس موضوع پر جرم کرے، کام کر سکتا تو ایک مربوط و مکمل تاریخ اصلاح و تجدید پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتا، اور ہمیں صاف نظر آتا کہ

دعوت و عزیمت دونوں چیزیں اس امت کے ہر دور اور ہر مرحلے میں اس کا ساتھ دیتی رہیں اور انہوں نے کبھی اس کو ایس اور محروم نہیں کیا۔

اسلام کی میراث

یہ میراث جو ہمارے ہاتھ میں پہنچی (اور جس کو ہم میراث) کے معنی میں نہیں بول رہے ہیں، جو اہل مغرب کا مفہوم ہے، اس لئے کہ اسلام ایک زندہ جاوید دین ہے، ہم میراث سے وہ دولت اور ثروت مراد لیتے ہیں جو ہمارے اسلاف سے ہماری طرف منتقل ہوئی ہے، علم راسخ، محفوظ و مضبوط عقائد، طاقتور ایمان، سنتِ سنیت، اخلاقِ عالیہ، فقہ و شریعت اور شاندار اسلامی ادب کی ثروت، اس میراث میں ہر اس فرد کا پورا حصہ ہے، جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاجِ خلافت پر حکومت قائم کی، جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام کے خصائص مٹ گئے تھے، ان کو اجاگر کیا، امت میں ایمانی روح پیدا کی، اس لازوال ثروت میں ہر اس شخص کا اضافہ تسلیم کیا جائے گا، جس نے اس دین پر اس کے مآخذ اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو از سر نو استوار کیا، نو وارد فلسفوں کا ابطال کیا، اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی، اور اس... امت کو کسی نئے فتنے میں پڑنے سے باز رکھا، جس نے اس امت کے لئے اس کے دین اور مصادر دین کی حفاظت کی، حدیث و فقہ کی تدوین جدید کا کام انجام دیا، اجتہاد کا دروازہ کھولا، اور امت کو تشریح کا خزانہ عامہ اور زندگی و معاشرہ کا منظم قانون عطا کیا، جس نے معاشرہ میں احتساب کا فرم ادا کیا، اور اس کے انحراف اور کج روی پر کھل کر تنقید کی، اور صحیح و حقیقی اسلام کی بر ملا و آشکارا دعوت دی، جس نے شکوک و شبہات کے دور اور اضطراب عقائد کے زمانہ میں علمی طرز استدلال اختیار کر کے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی، اور ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، جس نے دعوت و تذکیر اور انذار و تبشیر میں انبیاء علیہم السلام کی نیابت کی، اور ایمان کی دلی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ جوالہ کی حرارت و حرکت بخشی، جس نے مادہ پرستی کے تند و تیز دھارے کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی تیزی و بلاخیزی کم کی، اور خدا کی مخلوق کو اس دھارے میں بہ جانے یا اس میں دب جانے

سے محفوظ رکھا جس نے اس امت کی سیاسی قوت کی حفاظت کی اور اس کو پے درپے خارجی حملوں کو سہارا لینے کی قوت عطا کی جس نے اپنی حکیمانہ دعوت اور اپنے دامِ محبت سے اس دشمن کو شکار کیا، جو زورِ شمشیر اور نوکِ خنجر سے بھی زیر نہ ہو سکا تھا، اور جس نے عالمِ اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک زیر و زبر کر کے رکھ دیا تھا جس نے اپنے طاقتور ایمان اور اپنی روحانی قوت سے ایسے دشمنوں کو خطیرہٴ اسلام میں داخل کیا اور محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا شرف بخشا جس نے اپنے طاقتور ادب اور دل گداز و لمیح اشعار سے ان ذہنوں کو اسیرِ دام کیا جو علمی حیثیت اور مذہبی فلسفوں سے مطمئن ہونے والے نہیں تھے، یہ پورا ایک سلسلہ ہے اور اس میں ہر شخصیت کا ایک خاص حصہ اور مرتبہ ہے، تاریخِ دراصل امانت کی ادائیگی اور حق شناسی اور اعترافِ حقیقت کا نام ہے ان میں ہر شخص اسلام کی کسی نہ کسی سرحد کا محافظ اور اسلام کے تزکیش کا ایک قیمتی تیر تھا، اگر ان لوگوں کی مخلصانہ کوششیں نہ ہوتیں، جن کو آج ہم تاریخ کی دور میں سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تو ہم تک یہ مجموعہ نہ پہنچ پاتا، جس میں ہمارے لئے 'عزت'، 'عبرت' اور 'محظنت' کا دامن فرسان موجود ہے، اور جس کی موجودگی میں ہم اقوامِ عالم کے سامنے بجا طور پر اپنا سر بلند رکھ سکتے ہیں۔

اس مسلک اور ان خطوط پر جو مصنف کے نزدیک مصفاۃ اور عادلانہ مسلک ہے اس نے آئندہ صحافت میں ان اہم شخصیتوں کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے، جنہوں نے دعوت و عزیمت اور اصلاح و تجدید کے میدان میں کوئی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ **وبیдахلله التوفیق**

پہلی صدی کی اصلاحی کوششیں

اور
عمر بن عبدالعزیز

عہد اموی میں جاہلی رجحانات و اثرات

خلافت راشدہ کے اختتام اور بنی امیہ کی حکومت کے استحکام نے (جو اسلامی سے زیادہ عربی تھی) تجدید و انقلاب کی فوری ضرورت پیدا کر دی، قدیم جاہلی رجحانات جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت و تربیت اور خلافت راشدہ کے اثر سے دب گئے تھے، نیم تربیت یافتہ مسلمانوں اور نئی عربی نسل میں ابھر آئے، حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا، کتاب سنت نہیں رہا، بلکہ عربی سیاست اور مصالحہ ملکی بن گیا، تفاخروں اور عربیت کی روح جس کو اسلام نے شہر بدر کر دیا تھا، اور جو بادیہ عرب میں پناہ گزین تھی، پھر واپس آگئی، قبائلی غرور و خاندانی جنبہ داری، اعزہ پروری جو خلافت راشدہ میں سخت عیب اور معصیت شمار ہوتی تھی، ہزاروں محاسن بن گئے، اعمال و اخلاق کے محرکات (جائے اجر و ثواب کے) جاہلی ناموری، مدح و تعریف اور تقویٰ ہو گئے،

لہٰذا اس سلسلہ میں جاہلیت کا جذبہ مسابقت اور شہرت و عزت پورے طور پر زندہ اور بیدار ہو گیا تھا، اس ذہنیت کا اندازہ اس دلچسپ واقعے سے ہو سکتا ہے جو ابو الفرج اصفہانی نے اغانی میں نقل کیا ہے کہ عہد اموی کے دو عرب سرداروں جو شب اور عکرمہ کے درمیان عرصے اس بات کا مقابلہ تھا کہ کس کے یہاں کھانا زیادہ تیار ہوتا ہے اور مہمان زیادہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں جو شب کا پورا اکثر بھاری رہتا، ایک عرصہ بعد عکرمہ نے اپنے حلیت کو زک مینے کے لئے یہ تدبیر کی کہ صد ہا بیدیاں آنے کی خریدیں اور اپنے قبیلہ میں تقسیم کر دیں کہ آگ کو بندھ لیا جائے اس گندھے ہوئے آنے کو اس نے ایک بڑے گڑھے میں بھر دیا اور اوپر سے گھانس ڈال دی اور اس کا انتظام کیا کہ جو شب کا گھوڑا اس گڑھے میں گر جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ گھوڑا گندھے ہوئے آنے کی اس خندق میں جا پڑا اور آٹے میں لت پت ہو گیا، اور دھوم مچ گئی کہ عکرمہ کے یہاں اس مقدار میں آگ لگا گندھتا ہے کہ گھوڑا اس میں گر گیا، لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے دیکھا تو گھوڑے کا سر اور گردن باہر تھی اور سارا جسم (باقی صفحہ پر)

بیت المال (جو مسلمانوں کے پیسے سے جمع ہوتا تھا) خلیفہ کی ذاتی ملکیت اور خاندانی جاگیر بن گیا تھا، پیشہ ور

شعرا، خوشامدی درباریوں اور آبرو باختہ مصائبین کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا، جس پر مسلمانوں کی دولت بیدار نہ رہی تھی اور ان کی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کی جاتی تھی، گانا سننے کا ذوق اور موسیقی کا انہماک حد کو پہنچ گیا تھا، حکومت کی غلط روی اور اہل حکومت کی بے دین زندگی سے پوری اسلامی سوسائٹی متاثر ہو رہی تھی، اور مترفین کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جس کے اخلاق قدیم مترفین سے ملتے جلتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ جیسے زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی ہے۔

عہد اموی کی دینی شخصیتیں اور ان کا اخلاقی اثر

بنی امیہ کے اس مادی اقتدار اور اس کے قدرتی اثرات کے باوجود اس عہد تک بن کا وقار اور اس کا اخلاقی اثر کسی حد تک مسلمانوں کی زندگی میں قائم تھا، یہ دینی وقار اور اخلاقی اثر ان اشخاص کی بدولت تھا، جو دینی و علمی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے اور اپنی ثلہیت، اخلاص، پاکیزہ نفسی اور علم و تفقہ میں مشہور و معروف تھے، حکومت و انتظام کے دائرہ سے باہر انہی حضرات کا اثر و اقتدار تھا، اس اثر اور قلبی احترام کی وجہ سے مسلمان بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں سے محفوظ تھے، اور مادیت کے سیلاب میں بالکل بہ جانے سے رکے ہوئے تھے، ان دینی شخصیتوں میں سب سے بڑا اثر اور محبوب شخصیت حضرت علی بن الحسین (زین العابدین علیہ وعلی آباءہ السلام) کی تھی، جو جہاد و تقویٰ اور زہد و تواضع میں اپنی نظیر نہیں

لباقی ص ۱۳۰ کا) ڈوبا ہوا تھا، رسیوں اور بیوں سے اس کو بڑی مشکل سے نکالا گیا، عام طور پر اس واقعہ کی شہرت ہوئی اور شہر کے اشارے کی اس طرح مکر نے اپنے حریف کے مقابلے میں فتح حاصل کر لی، اور اپنا تقویٰ تسلیم کر دیا (ازرنات، ثالث جلد ۱ ص ۱۳۹-۱۴۰) لے اسوی عہد کا مشہور صیالی شاعر (م ۹۵ء) خلیفہ عبد الملک بن مروان کی مجلس میں اس شان سے آنا کہ گئے میں سونے کی صلیب تھی، واڑھی کے بالوں سے شراب کے قطرے چمکتے، اور کوئی اس کو ٹوکنے والا نہ ہوتا (اغالی ج ۱ ص ۱۷۸) لے اس کا اعزاز اس واقعہ سے ہو گا کہ ایک مرتبہ عراق کا مشہور مغنی حنین اپنے ہم پیشہ لوگوں کی دعوت پر مدینہ منورہ آیا، اور ایک مکان میں اس نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا، سننے والوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ چھت بیٹھ گئی، اور غن حنین دب کر مر گیا۔

(اغالی ج ۲ ص ۱۲۲-۱۲۳)

رکتے تھے، مسلمانوں کو ان کے ساتھ جو تعلق تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں طواف کے لئے آیا، خدیجہ بیوم کی وجہ سے وہ حجر اسود تک نہیں پہنچ سکا، اور اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ جمع کچھ کم ہو تو وہ استلام کرے، اس درمیان میں حضرت علی بن الحسین آئے، ان کا آنا تھا کہ جمع کا بی کی طرح پھٹ گیا، اور انہوں نے بآسانی طواف و استلام کیا، وہ بدھ سے گزرتے، لوگ حیرانہ راستہ چھوڑ دیتے تھے، ہشام نے انجان بن کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ محمد اموی کے مشہور شاعر فرزدق نے برجستہ اشعار میں اس کے تجاہل عارفانہ کا بواب دیا، اور ان کا شایان شان تعارف کرایا۔

اسی طرح دوسرے فضلاء اہل بیت حضرت حسن المثنیٰ، اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ المحض نیز دوسرے فضلاء سے تابعین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروہ بن الزبیر مسلمانوں کے لئے دینی نمونہ (آئیڈیل) تھے، انہوں نے اپنی خودداری، حکومت سے بے تعلق، حق گوئی، اور بے باکی، علمی انہماک اور بے غرض خدمت دین سے اپنی اخلاقی برتری کا نقش قائم کر دیا تھا، حکومت کے بڑھتے ہوئے ہمہ گیر اثرات کے مقابلہ میں یہ اخلاقی اثر اگرچہ کافی نہ تھا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ وہ بے قیمت اور بے نتیجہ نہ تھا، اس سے مسلمانوں کی زندگی میں کسی حد تک اعتدال و توازن اور دین کا احترام قائم تھا، اور کبھی کبھی دین دنیاوی انہماک میں بھی اصلاح حال کا جذبہ ابھرتا تھا۔

انقلاب حکومت کی ضرورت، اس کی مشکلات

رفتہ رفتہ سیاسی انقلاب کے اثرات وسیع امد گہرے ہوتے چلے گئے، ان دینی شخصیتوں میں بھی کمی آنے لگی، جو اسلام

لے حجر اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ سے چھونا، ۱۲۰ھ قیصرہ اب بھی عربی ادب میں یادگار ہے، اس کا مطلع ہے۔

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطَائِفَهُ
وَالْبَيْتَ يَعْرِفُهُ وَالْحَيْلُ وَالْحَجْرَمُ

تحقیق کا خیال ہے کہ اس قیصرہ میں بہت سے اشعار بعد میں اضافہ ہوئے ہیں۔

مفصل حالات و تراجم کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ للذہبی، مخطوۃ الصفاۃ لابن الجوزی اور تاریخ ابن خلکان۔

کے اصلی اخلاق و اوصاف کی محافظ اور قرن اول کی یادگار تھیں، حکومت کا دائرہ اثر وسیع اور مستحکم ہو گیا، اب

اخلاقی و دینی انقلاب اس کے بغیر مشکل تھا کہ خود حکومت میں کوئی خوشگوار انقلاب ہو۔

اموی حکومت ایسی مستحکم فوجی بنیادوں پر قائم تھی کہ آسانی سے ہلائی نہیں جاسکتی تھی، اس وقت کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت ایسی نہ تھی، جو اس کو میدان جنگ میں شکست دے سکے، ماضی قریب میں دو بڑی کوششیں ایک بیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مخلصانہ و سرفروشانہ اقدام، دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیر کا دلیرانہ و منظم مقابلہ ناکام ہو چکا تھا، کسی فوجی انقلاب کی کامیابی کے قریبی امکانات و آثار نہ تھے، شخصی و موروثی حکومت نے اصلاح و تبدیلی کے دروازے بند کر دیئے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں کے لئے مسلمانوں کی قسمت پر ہرگز سچی ہے، اس وقت اسلام کو غالب ہونے اور حالات کو بدل دینے کے لئے ایک معجزہ کی ضرورت تھی، اور وہ معجزہ ظاہر ہوا۔

عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی

یہ معجزہ حضرت بیدنا عمر بن عبدالعزیز کی ذات ہے، جو خوبانی خاندان (مروان) کے پوتے اور ان کی ماں (ام عاصم) فاروق اعظم کی پوتی تھیں، فاروقیت اور امویت کا یہ سبب اسی لئے ہوا تھا، کہ بنی امیہ کے خاندان میں ایک خلیفہ ارشد پیدا ہو، جو حالات میں انقلاب برپا کرے۔

عمر بن عبدالعزیز ۶۸۳ء میں پیدا ہوئے، وہ خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کے چچا زاد بھائی تھے، اور اس کے پیشرو لید بن عبدالملک کے اور اس کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) تھے، ان کی جوانی اور امارت کو ان کی خلافت

لہذا اس رشتہ کا تاریخ یہ ہے کہ حضرت عمر نے منادی کر دئی تھی کہ دودھ میں پانی نہ ڈھالنا، اسے اس زمانہ میں ایک رات وہ گشت پر تھے کہ ایک گھر سے آواز آئی کہ کوئی عورت کہہ رہی ہے، بی بی صبح ہو رہی ہے، دودھ میں پانی ڈھالنے، لڑکی نے جواب دیا کہ ہاں آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے اس کی ممانعت کی ہے، عورت نے کہا کہ امیر المومنین اس وقت کہاں ہیں، ان کو کیا خبر، لڑکی نے جواب دیا کہ امیر المومنین کو خبر نہیں تو خدا تو دیکھ رہا ہے، حضرت نے اس گھر کو نظر میں رکھ لیا، اور اپنے صاحبزادہ عاصم سے کہا کہ تم اس لڑکی کو پیام دو، مجھے امید ہے کہ اس کے بطن سے ایسا جوان پیدا ہوگا جو اس کے

باب پر حکومت کرے گا، عاصم نے اس سے نکاح کر لیا، عمر بن عبدالعزیز اس کے نواسے ہیں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۱۶)

کے بعد کی زندگی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ ایک صاحب ذوق امیرانہ مزاج اور نفیس طبع نوجوان تھے، وہ جس رات سے گزرتے تھے، دیر تک اس کی بہک بتلاتی تھی کہ ادھر سے عمر گزے ہیں، ان کی چال مشہور اور نوجوانوں کا فیشن تھی، سوائے طبیعت کی سلامتی، حق پسندی اور فطری نیک مزاجی کے ان میں کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے ثابت ہو کہ وہ تاریخ اسلام میں اتنا اہم کام انجام دیتے والے ہیں۔

لیکن ان کی ذات سر تا پا اسلام کا اعجاز تھی، اور وہ جس طرح منصب خلافت پر آئے، وہ بھی خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھی، موروثی نظام حکومت میں ان کی خلافت کا کوئی موقع نہ تھا، اگر حالات اپنی طبعی رفتار سے چلتے رہتے، تو امارت سے زیادہ ان کا کوئی حصہ نہ تھا، مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا، سلیمان بن عبدالملک بیمار ہوا، اس کے بچے چھوٹے چھوٹے تھے، اس نے ان کو لابی لابی تباہیں پہنائیں اور ہتھیار باندھے کہ وہ کچھ بڑے معلوم ہوں، مگر وہ آنکھوں میں جنجے، اس نے بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھا، اور کہا کہ وہ بڑا خوش قسمت ہے، جس کے لڑکے بڑے بڑے ہوں، جناب بن حنیوہ نے جو اسی انتظار میں تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی کا مشورہ دیا، جو منظور ہوا، رجا کا یہ کارنامہ (جو دینی انقلاب کا ذریعہ بنا) بڑے بڑے مجاہدات اور سالہا سال کی عبادت پر بھاری ہے۔

خلافت کے بعد ان کی زندگی

عمر بن عبدالعزیز نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بلا تاخیر ان چند عمال حکومت کو معزول کیا، جو سخت ظالم اور ناخدا ترس تھے، ان کے سامنے شاہی تزک و احتشام اور جانشینی کا جو سامان پیش کیا گیا، اس کو بیت المال میں اخل کیا، اور اسی گھڑی سے ان کی سیرت کیس بدل گئی، اب وہ سلیمان کے جانشین نہ تھے، بلکہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے جانشین تھے، جواری اور باندیوں کو تحقیق کے بعد ان کے خاندانوں اور شہروں کو واپس کر دیا، مظالم کا تصفیہ کیا، اور اپنی مجلس کو جس نے کسریٰ و قصیر کے دربار کی حیثیت اختیار کر لی تھی، سنت اور خلافت راشدہ کے نمونہ پر سادہ اور مطابق سنت بنا دیا، اپنی جاگیر مسلمانوں کو واپس کر دی، بیوی کا زیور بیت المال میں داخل کیا، انہوں نے ایسی زاہدانہ

زندگی اختیار کی جن کی نظیر بادشاہوں میں تو کیا مل سکتی ہے، درویشوں اور فقراء میں بھی ملنی مشکل ہے، لباس میں ایسی کمی

کی کہ بعض اوقات کڑتا سوکھنے کے انتظار میں جمعہ میں تاخیر سے پہنچتا ہوتا، بنی امیہ جو ساری سلطنت کو اپنی جاگیر اور بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے، اب اپنا نپاٹا ملا حصہ پاتے، خود ان کے گھر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنی بچیوں سے ملنے گئے تو دیکھا جو بچی ان سے بات کرتی ہے، وہ منہ پر ہاتھ رکھ لیتی ہے، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان بچیوں نے آج صرف دال اور پیاز کھائی ہے، روک فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم انواع و اقسام کے کھانے کھاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جائے؟ یہ سن کر وہ بھی رو پڑیں، اس وقت جبکہ وہ روتے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کے حکمران تھے، ان کی ذاتی ملکیت کا یہ حال تھا کہ باوجود شوق کے حج کا خرچ ان کے پاس نہ تھا، نوکر سے جو ان کا سچا رفیق تھا، پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ دس بارہ دینار، کہا کہ اس میں حج کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد ایک بڑی خاندانی مالیت آئی تو خادم نے مبارک باد دی، اور کہا کہ حج کا سامان آگیا، فرمایا ہم نے اس مال سے بہت دنوں فائدہ اٹھایا ہے، اب یہ مسلمانوں کا حق ہے، یہ کہہ کر اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔

ان کے دو وقت کھانے کا حساب دو درہم یومیہ سے زیادہ نہ تھا، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر سرکاری شمع جل رہی ہوتی اور کوئی ان کی خیریت دریافت کرنے لگتا، یا ذاتی بات چیت شروع کر دیتا تو فوراً اس کو گل کر دیتے اور اپنی ذاتی شمع منگواتے، بیت المال کے باورچی خانہ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے بھی ان کو احتراز تھا، بیت المال کے خشک کوسو گھنا بھی گوارا نہ تھا۔ ان کی احتیاط تنہا اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ اپنے عمال حکومت کو بھی احتیاط کا سبق دیتے تھے، اور ان سے توقع کرتے تھے کہ وہ بھی حکومت کے معاملہ میں اسی قدر محتاط اور جزیس ہوں گے، والی مدینہ ابو بکر بن حزم نے سلیمان بن عبد الملک کو درخواست دی تھی کہ حسب دستور سابق ان کو سرکاری موم بتیاں اور قندیلیں ملنی چاہئیں، سلیمان کے انتقال کے بعد یہ پرچہ عمر بن عبد العزیز کے ملاحظہ میں آیا، آپ نے لکھا کہ ابو بکر مجھے یاد ہے کہ تم اس عہدے سے پہلے جائے کی اندھیری راتوں میں بے شمع و موم بتی کے نکلنے تھے، تمہاری وہ حالت اس حالت سے بہتر تھی، میرے خیال میں تمہارے گھر کی موم بتیاں

۱۰۰ سیرت عمر بن عبد العزیز (محمد بن عبد الحکم ص ۵۵) ۱۰۰ سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۰

اور قدیمیں کافی ہیں انہی سے تم کو کام لینا چاہئے، اسی طرح کی ایک درخواست پر جس میں سرکاری کام کے لئے کاغذ طلب کیا گیا تھا، لکھا کہ۔

• قلم باریک کر دو اور گٹھا ہو لکھو، اور ایک پرچہ میں بہت سی ضرورتیں لکھ دیا کرو، اس لئے کہ مسلمانوں کو ایسی لمبی چوڑی

بات کی ضرورت نہیں جس سے خواجہ ابیت المال پر بار پڑے۔^{۱۵}

ان کی انقلابی اصلاحات

اس زاہدانہ زندگی اور تقویٰ و احتیاط کے ماسوا انہوں نے حکومت کی روح ہی بدل دی، پہلا اور بنیادی انقلاب یہ تھا کہ انہوں نے حکومت کا نقطہ نظر بدلا اس وقت تک حکومت محاصل و خراج وصول کرنے اور صرف کرنے کا ایک انتظامی ادارہ تھا، جس کو جمہور کے اخلاق و عقائد، سیرت و تربیت اور ضلالت و ہدایت سے کچھ بحث نہ تھی، اسی نقطہ کے گرد اس کا سارا نظام گردش کرتا تھا، انہوں نے اپنے اس مشہور تاریخی فقرے سے کہ۔

• محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، تحصیلدار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔^{۱۶}

حکومت کا مزاج اور نقطہ نظر ہی تبدیل کر دیا، اور اس کو دنیاوی حکومت کے بجائے خلافت نبوت بنا دیا، ان کی ساری مدت خلافت اسی ایک جگہ کی عملی تفسیر تھی، انہوں نے ملکی مصالح و منافع کے مقابلہ میں ہمیشہ دین و اصول و اخلاق کو ترجیح دی اور دینی نفع کے مقابلہ میں حکومت کے مالی نقصان کی کبھی پروا نہیں کی، ان کے زمانہ خلافت میں اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندے (ذمی) بڑی تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جزیہ کی رقم جو حکومت کی آمدنی کا ایک اہم عنصر تھی، روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی اور حکومت کے مالی توازن پر اس کا زبردست اثر پڑ رہا تھا، اہلکاران سلطنت نے ان کو اس خطرہ کی طرف توجہ دلائی اور تشویش کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا کہ یہ تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کا عین مقصد ہے، ایک دوسرے عہدہ دار کو لکھا کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور (جزیہ کی

^{۱۵} سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۶۳۳ ۱۶ ایضاً ص ۶۳۳ ۱۷ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۲۵۵

ذہنیت تھی، نہ اہمیت نہ اس کا منصب سمجھا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو دینی مشورے دے، ان کے اخلاق و رجحانات کی نگرانی کرے، اور وعظ و نصیحت کا منصب اختیار کرے، یہ کام علماء و محدثین کا سمجھا جاتا تھا، عمر بن عبدالعزیز نے اس دونی کو مٹایا اور اپنے کو حقیقی معنی میں خلیفہ ثابت کیا، انہوں نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی محال حکومت اور امراء اجناد (فوجی افسروں) کو طویل طویل خطا اور فرماں لکھے، جو انتظامی سے زیادہ دینی و اخلاقی ہیں، اور ان میں حکومت کی روح سے زیادہ مشورہ و نصیحت کی روح ہے، ایک خط میں انہوں نے سابق اسلامی زندگی (عہد نبوت و خلافت) اور اس وقت کی معاشرت کا نقشہ کھینچا ہے، اور اسلامی نظام مالیات اور طرز حکومت کی تشریح کی ہے، ان خطوط میں وہ امر اور اجناد (فوجی افسروں) کو وقت پر نمازیں پڑھنے، اور ان کے اہتمام اور علم کی نشر و اشاعت کی تاکید کرتے ہیں، عمال کو تقویٰ و اتباع شریعت کی وصیت فرماتے ہیں، اپنے اپنے علاقہ اور حلقہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کی ترغیب دیتے ہیں، اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کے ظہور کا مقصد بتلاتے ہیں، ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اہتمام کی تاکید کرتے ہیں، اور بتلاتے ہیں کہ اس فریضہ کے ترک ہو جانے کے کیا نقصانات ہیں، اور اس کا کیا وبال پڑتا ہے؟ عمال سلطنت کو سزا و عقوبت میں اعتدال و احتیاط سے کام لینے کی تاکید فرماتے ہیں، اور اسلام کے قانون تعزیرات کی تشریح کرتے ہیں، پھر سلطنت کی عمومی شہری خرابیوں اور بد اخلاقیوں کی طرف توجہ کرتے ہیں، توجہ گری اور جوازہ میں عورتوں کے ساتھ جانے کو بند کرتے ہیں، پردہ کی تاکید کرتے ہیں، قبائلی عصبیت کی مذمت اور اس کی ممانعت کرتے ہیں، نمینڈ کے استعمال میں بڑی بے احتیاطی شروع ہو گئی تھی، اور لوگ اس کے ذریعہ نشہ اور شراب تک پہنچ گئے تھے، جس سے مختلف قسم کی بد اخلاقیوں پیدا ہو رہی تھیں، اس کی تکرید و تشریح کرتے ہیں۔

تدوین علوم اور اجبارے سنن

اس کے ساتھ انہوں نے دینی علوم کی تدوین اور سنتوں کی اجبار کی طرف بھی توجہ کی، ابو بکر بن حزم جو ایک

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز (ابن جریر) ص ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱

بڑے عالم تھے، ان کو حدیث کی تدوین کی طرف توجہ دلائی اور لکھا:۔

انظر ما كان من حدیث رسول الله

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو کچھ حدیثیں تم کو ملیں

صلی اللہ علیہ وسلم فالتبہ فاتی خفت

ان کو تحریری شکل میں لے آؤ اس کو مجھے اندیشہ ہے کہ

دروس العلم و ذهاب العلماء۔

علماء رخصت ہو جائیں گے اور علم مٹ جائے گا۔

انہوں نے تعین کے ساتھ عمرہ بنت عبد الرحمن انصاریہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کے ذخیرہ روایات کی

طرف توجہ دلائی کہ جلد اس کو قلم بند کر لیا جائے، پھر صرف ابو بکر بن حزم ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ عمال سلطنت اور شاہیر

علماء کو بالعموم اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا، اور گشتی فرمان جاری کیا کہ:۔

انظر والی حدیث رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث ڈھونڈ ڈھونڈ کر

علیہ وسلم) فاجمعوا لہ

جمع کرو۔

اسی کے ساتھ علماء کے وظائف مقرر کیے کہ وہ کیسوی اور انہماک کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم کا کام کر سکیں۔

وہ خود بڑے عالم تھے، انہوں نے بنفس نفیس فرائض و سنن کی تشریح کی طرف توجہ کی، خلافت کے ابتدائی

دنوں میں ایک گشتی فرمان جاری کیا، جس میں فرماتے ہیں کہ:۔

اسلام کے کچھ حدود و قوانین و سنن ہیں جو ان پر عمل کرے گا، اس کے ایمان تکمیل ہوگی اور جو عمل نہیں کرے گا،

اس کا ایمان نامکمل رہ جائے گا، اگر زندگی نے وفا کی تو میں تمہیں اس کی تعلیم دوں گا، اور تمہیں ان پر چلاؤں گا، اگر

اس سے پہلے میرا وقت آگیا، تو میں تمہارے درمیان رہنے پر کچھ ایسا دیکھوں بھی نہیں ہوں؟

چند خطوط و فرامین

میدنا عمر بن عبد العزیز کے قالب میں جو خالص اسلامی ذہن اور اسلامی روح کا فرما تھی، (اور جو بالقرآن کے

لہ تا یا ایہ اصہبان (ابو نعیم) ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱

نظام سلطنت میں جلوہ گر ہوئی) اس کا صحیح اندازہ ان کے خطوط اور سرکاری فرامین سے ہوتا ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً

سلطنت کے کارپردازوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو لکھے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا خالص اسلامی ذہن و دماغ بخشا تھا جس پر جاہلیت کی کوئی پرچھائیں اور شاہانِ بنی امیہ کے اخلاق و افکار کا کوئی سایہ بھی نہیں پڑا تھا یہاں چند خطوط پیش کئے جاتے ہیں۔

ان کو ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ بعض قبائلی سردار اور عہدہ داروں کے "نو دولت" جاہلیت کی رسم حلیت و مخالفت کو زندہ کر رہے ہیں اور جنگ و مقابلہ کے موقع پر یا بنی خلائق یا المصنور قلاں قبیلہ کی دہائی ہے، ہاں لے اہلِ مصر اپنے حلیت کی مدد کرو) کا جاہلی نعرہ لگانے لگے ہیں، یہ اسلام کے رشتہ، اخوت اور نظامِ اجتماعی کے متوازی ایک جاہلی نظام اور جاہلی رسم کا احیاء تھا، اور بہت سے فتنوں کا پیش خیمہ سابق فرمانروا شاید اس کو بعض ملکی مصالح سے شہ دیتے یا کم از کم اہمیت نہ دیتے، لیکن عمر بن عبدالعزیز نے اس خطرہ کو محسوس کیا، اور اس کے بارے میں مستقل فرمان صادر کیا، اپنے ایک بڑے عہدہ دار ضحاک ابن عبدالرحمن کو لکھتے ہیں:-

”محمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کر بیشک اللہ تعالیٰ اس اسلام کے علاوہ جس کو وہ اپنے لئے اور اپنے بندگانِ خاص

کے لئے پسند فرمایا ہے، کسی دین کو قبول نہیں فرماتا، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی اس کتاب سے عزت بخشی اور اس کے

ذلیعہ اسلام اور غیر اسلام میں تفریق کر دی ہے، ارشاد فرمایا:-

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ مِنْ ضَلٰلٰتٍ

سَبِيلَ السَّلٰمِ وَمَنْ يُضِلِّمْ فَمَا لَهُ مِنْ اَتْلُمٰتٍ اِلٰى

النُّوْرِ يٰٓاٰخِذِيْ بِذِيْقِيْ هُمْ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ان کو راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

(الاحقاف - ۱۶، ۱۵)

زنگہ جاہلیت میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا اور ایک شخص دوسرے شخص کا حلیت بن جانا تھا، پھر وہ جاہلیت اس کی پاسداری کرتا تھا، اور حق و باطل میں اس کا ساتھ دیتا تھا۔

بعض آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خود مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يُبَدُّ وَفِي لَا يَشْرِكُونَ فِي شَيْءٍ (نور ۵۵)

تم میں جو لوگ ایمان لادیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا، اور ان کے خوفوں کے بعد اس کو بدل دیا جائے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مسلمانوں سے اپنے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کر دیا ہے اہل اسلام! یاد رکھو تم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دیا، اسی اسلام کے صدقہ میں دیا ہے جس کی بدولت تم اپنے دشمنوں پر فتح پاتے ہو اور جس کی وجہ سے تم قیامت کے دن گواہ بنو گے، تمہارے لئے دنیا و آخرت میں اس کے علاوہ نہ نجات ہے اور نہ کوئی حجت نہ کوئی بچاؤ ہے اور نہ کوئی حفاظت کا سامان اور طاقت جب اللہ تعالیٰ تم کو وہ بہترین دن نصیب کرے گا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے تو موت کے بعد اللہ کے ثواب کی امید ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

بَلَدَ الدُّنْيَا الْآخِرَةُ جَعَلَهَا لِلَّذِينَ لَا يُبِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (سورة القصص ۸۴)

یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ برباد بننا چاہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک عمل والے ہوں گے۔

میں تم لوگوں کو اس قرآن اور اس پر عمل نہ کرنے کے نتائج بد سے ڈراتا ہوں اس لئے کہ اس پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں جو واقعات پیش آئے ہیں امت میں جو خوریزی، جو خانہ دیرانی، جو پراگندگی اور انتشار برپا ہوا، وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے پس جس چیز سے اللہ نے تم کو اپنی کتاب میں منع کیا ہے اس سے رک جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحید سے

زیادہ کوئی چیز خوف اور احتیاط کی مستحق نہیں ہے.....
 جس چیز نے مجھے اس خط کے لکھنے پر مجبور کیا ہے، وہ یہ بات ہے، جو دیہات کے باشندوں کے متعلق مجھ سے
 ذکر کی گئی، اور ان لوگوں کی بابت جو نئے نئے حاکم اور عہدہ دار بنے ہیں، یہ سچے اجداد اور جاہل قوم کے لوگ
 ہیں، احکام الہی کا ان کو علم نہیں، وہ اللہ کے سامنے سخت دھوکہ میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ کا لنگ ساتھ جو سالہ
 رہا ہے، اس کو وہ بھول گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی انھوں نے ناشکری اور ناقدری کی ہے،
 جس تک پہنچنے کی ان میں صلاحیت نہیں تھی، مجھے بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ جنگ میں معز اور یمن
 والوں کا سہارا لیتے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ان کے حامی اور ولی ہیں، بھان
 د بچو، ایسے قدرنا شکر گزار اور کافر نعمت ہیں، ان کو ہلاکت، ذلت و خواری کا کیسا شوق ہے، وہ دیکھے
 نہیں کہ انھوں نے اپنے لئے کون سا مقام پسند کیا، کس امن و امان سے اپنے کو محروم کیا، اور کس گروہ سے اپنا
 تعلق پیدا کیا، اب مجھے معلوم ہوا کہ شعی اپنے ارادوں ہی سے شعی ہوتا ہے، اور حنیم بیکار نہیں پیدا کی گئی ہے،
 کیا ان لوگوں نے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نہیں سنا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ
 الْمَوَدَّةِ بَيْنَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ
 الْمَوَدَّةِ بَيْنَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ
 الْمَوَدَّةِ بَيْنَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ

(المجادات ۱۰)

مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں
 کے درمیان صلح کرادیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے
 رہا کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

کیا انھوں نے یہ آیت کبھی نہیں سنی؟۔
 الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَقَمْتُ عَلَيْكُمْ
 نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا
 الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَقَمْتُ عَلَيْكُمْ
 نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

(المائدہ ۳)

آج کے دن تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور
 میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اسلام
 کو تمہارا دین بخنے کے لئے پسند کر لیا۔

مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ زمانہ جاہلیت کے طرز کی مخالفت کی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مشروط حمایت کے وعدہ سے منع فرمایا ہے اور ارشاد ہے "لا حلف فی الاسلام" (یعنی اسلام میں غلط دوستیاں اور حجتہ بندی نہیں ہے) جاہلیت میں ہر طائفہ دوسرے طائفہ سے اس کی توقع رکھتا تھا کہ وہ اس کے معاہدہ اور رشتہ محالفت کا حق ادا کرے گا، اور اس کو پورا کرے گا، خواہ وہ بالکل ظالمانہ اور فاجرانہ ہو، اور اس میں مرتکب اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہو.....

میں ڈراتا ہوں ہر اس شخص کو جو میرا یہ خط لے، اور جس کو یہ خط پہنچے اس بات سے کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی قلعہ کو اختیار کرے، اور اللہ اور رسول اور مومنین کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا دوست بنائے، بڑے شد و مد سے اور بار بار اس سے آگاہ اور متنبہ کرتا ہوں، اور میں ان لوگوں پر اس ذات کو گواہ بنا رہا ہوں جس کی قدرت اور تصرف میں تمام جان دار ہیں، اور جو ہر شخص کی شہرگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے۔

انہوں نے اپنے ایک فوجی افسر کو جنگ پر روانہ ہونے کے وقت جو ہدایت نامہ لکھا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ذہن قرآن کے سانچے میں کس طرح ڈھل گیا تھا، اور ان کا نقطہ نظر اور طریق فکر دنیا دار بادشاہوں اور سیاسی حکمرانوں سے کس قدر مختلف تھا۔

منصور بن غالب کے نام ایک فرمان میں لکھتے ہیں۔

"اللہ کے بندے امیر المومنین عمر کا یہ ہدایت نامہ منصور بن غالب کے نام جب کہ امیر المومنین نے ان کو اہل حرب اور ان اہل صلح سے جو مقابلہ میں آئیں، جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہے، امیر المومنین نے ان کو حکم دیا ہے کہ ہر حال میں تقویٰ اختیار کریں، کیونکہ اللہ کا تقویٰ بہترین سامان موثر ترین تدبیر اور حقیقی طاقت ہے، امیر المومنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں، کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے بھی زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہے، ہم اپنے دشمنوں سے جنگ

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز (ابن عبدالحکم) ص ۱۰۴، ۱۰۵۔ ترجمہ مولوی ابوالعرفان صاحب ندوی۔

کرتے ہیں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم ان پر غالب آجاتے ہیں، کیونکہ اگر یہ بات نہیں ہے تو ان کے دراصل ہم کو مقابلہ کی قوت نہیں ہے، کیونکہ نہ تو ہماری تعداد ان کی تعداد کے برابر ہے اور نہ ہمارا سامان ان کے سامان کے برابر ہے اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے، یاد رکھو! اگر ہم ان پر اپنے حق کی وجہ سے فتح نہ پاسکیں گے تو اپنی قوت کی وجہ سے بھی ان پر غالب نہ پاسکیں گے اور اپنے گناہوں سے زیادہ کسی کی دشمنی سے چوکانا ہوں، جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کریں، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم پر کچھ محافظ مقرر کئے گئے ہیں جو تمہارے سفر و حضر کے احوال کو جانتے ہیں، پس ان سے شرم کرو، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور ان کو اللہ کی نافرمانی کر کے ایذا نہ پہنچاؤ، خصوصاً ایسی حالت میں کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم راہ خدا میں نکلے ہوئے ہو، اور یہ مت سمجھو کہ ہماری دشمنی ہم سے گئے گزے ہیں، اس لئے گو ہم گناہ گار ہیں، لیکن وہ ہم پر غالب نہیں آسکتے، کیونکہ بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان سے بدتر لوگوں کو مسلط کر دیا گیا ہے، پس اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کے مقابلہ میں مدد چاہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے تم اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد چاہتے ہو، میں بھی اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں۔ اور امیر المؤمنین منصور بن غالب کو حکم دیتے ہیں کہ سفر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں، اور اپنے ساتھیوں کو ایسی قطع مسافت پر مجبور نہ کریں، جو مشقت میں مبتلا کر دے، اور سفر میں کسی ایسی منزلی پر پڑاؤ سے گریز نہ کریں، جس سے ان کو آرام ملتا ہو، یہاں تک کہ ان کا دشمنوں کے اس حالت میں ماننا ہو کہ سفر کے مکان نے ان کی قوتوں کو گھٹانہ دیا ہو، وہ ایسے دشمن کے پاس جا رہے ہیں جو اپنے گھروں میں ہیں، ان کا سامان اور سواریاں سستائی ہوئی ہیں، پس اگر سفر میں اپنے اور اپنی سواریوں کے ساتھ نرمی کا سلا نہ کریں گے، تو ان کے دشمنوں کو ان پر زیادہ قوت حاصل ہوگی، کیونکہ دشمن اپنے گھروں میں ہیں، جہاں ان کے آدمی اور سواریاں آرام کئے ہوئے ہیں، اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

اور امیر المؤمنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ ہر جمعہ ایک رات اور دن سفر نہ کریں اور آرام کریں جس میں خود کو اور جانوروں کو آرام پہنچائیں اور اپنے سامان اور ہتھیاروں کی مرمت کریں اور امیر المؤمنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ اپنا قیام صلح کی بستیوں سے الگ رکھیں امن و امان والی بستیوں میں ان کے ساتھیوں میں سے کوئی نہ جائے نہ ان کے بازاروں میں نہ ان کی مجلسوں میں ہاں وہ شخص جاسکتا ہے جس کو اپنے دین اور امانت پر پورا بھروسہ ہو اور نہ ان بستی والوں پر ظلم کریں اور نہ وہاں سے اپنے لئے گناہ جمع کریں اور نہ ان کو کچھ اذیت پہنچائیں سوائے اس کے کہ شرعی مطالبہ یا واجب حق ہو کیونکہ ان کا حق اور ان کی ذمہ داری ہے جس کے پورا کرنے کا تم کو اسی طرح ذمہ دار بنایا گیا ہے جس طرح کہ وہ لوگ حقوق و ذمہ کی پابندی کے مکلف ہیں پس جب تک کہ وہ لوگ اپنے حقوق کی ادائیگی پر ثابت قدم رہیں تم لوگ بھی ان کے حقوق ادا کرتے رہو اور صلح والوں پر ظلم نہ کرو کہ جنگ والے ملکوں پر ظلمت حاصل کرو، قسم اللہ کی تمہیں ان لوگوں کے مال میں سے اتنا حصہ پہلے ہی دے دیا گیا ہے کہ اب مزید کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت ہم نے تمہارے سامان میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی ہے اور نہ تمہاری قوت میں کوئی ضعف رہنے دیا ہے اور تمہارے لئے سامان اچھی طرح جمع ہو گیا ہے تمہیں ایک منتخب فوج دی گئی ہے اور شرک والے ملکوں کی طرف تم کو مشغول کر کے صلح والوں کی طرف سے تمہاری توجہ ہٹالی ہے اور ایک مجاہد کے لئے جتنا بندوبست کر سکتا تھا اس سے بہتر تمہارے لئے کر دیا ہم نے تمہارے لئے قوت کی بہم رسانی میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور اللہ ہی پر بھروسہ ہے "وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" اور امیر المؤمنین کی ہدایت ہے کہ ان کے جاسوس عرب اور اہل ملک میں سے وہ لوگ ہوں جن کے اخلاص اور صدق پران کو الطینان ہو کیوں کہ دروغ گوئی اطلاع نفع نہیں پہنچاتی، اگرچہ اس کی کوئی بات صحیح بھی ہو، فریب دہندہ دراصل تمہارے دشمن کا جاسوس ہے، تمہارا جاسوس نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

۱۔ جزیرہ و خراج وغیرہ ۲۔ سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۳-۸۴ ترجمہ مولوی ابوالعرفان صاحب ندوی۔

ایک عمومی خط میں عمال سلطنت کو تحریر فرماتے ہیں:-

”اتابعد بیشک یہ ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد فرمائی ہے، اگر میں نے اس کو قبول کیا ہے کہ اس سے میرا مقصد کھانا، لباس، سواری یا شادیاں یا جمع اموال ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے پہلے ہی یہ چیزیں اتنی دے رکھی تھیں، جو شکل سے لوگوں کو ملا کرتی ہیں، لیکن میں نے اس ذمہ داری کو بہت ڈرتے ڈرتے قبول کیا ہے، مجھے اس کا بخوبی احساس ہے کہ عظیم الشان ذمہ داری ہے، اس کی باز پرس بڑی سخت ہے، جس وقت فریق اور مدعی قیامت کے دن جمع ہوں گے، تو اس کے معاملہ میں بڑی سخت جرح ہوگی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور نظر انداز فرمائے، اور رحم فرمائے تو الگ بات ہے۔

میں نے تم کو حکومت کا جو کام سپرد کیا ہے، اور جو اختیارات تفویض کئے ہیں، ان میں سے تم کو احتیاطاً اللہ خدا کے خوف کی ہدایت کرتا ہوں، ذمہ داریوں کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کے ادا کر کے اہل اس کے نواہی سے اجتناب کی تاکید کرتا ہوں، جو باتیں اس کے خلاف ہوں، ان کی طرف بالکل توجہ کی ضرورت نہیں، تمہاری نظر اپنے اوپر اور اپنے عمل پر ہے، اور ان چیزوں کی طرف ہو جو تمہارے رب تک پہنچائیں، اور جو تم اپنے اور اپنی رعیت کے درمیان کرتے ہو، وہ تمہارے پیش نظر ہے، اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ حفظ و نجات اسی میں منحصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤ، اس لحاظ سے موجود کے لئے وہی چیز تیار رکھو، جو خدا کے ہاں کام آنے والی ہو اور دوسروں کے واقعات میں تم نے ایسی عبرتیں دیکھی ہیں، جن کے برابر بہار و عطا و نصیحت مؤثر نہیں ہو سکتی۔ **قَالَ سَلَامٌ**

تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صرف مسلمانوں کی اصلاح اور ملک میں اسلامی شریعت کا تازہ

لے لیتے عمر بن عبدالعزیز ۹۲-۹۳ ترجمہ مولوی ابوالعرفان صاحب مدنی۔

اور دولت کی وہ فراوانی ہوئی کہ زکوٰۃ قبول کرنے والا ڈھونڈھے سے نہیں ملتا تھا۔

یہی بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز نے افریقہ میں زکوٰۃ کی تحصیل وصول پر مقرر کیا، میں نے زکوٰۃ وصول کی، جب میں نے اس کے مستحق تلاش کئے، جن کو وہ رقم دی جائے تو مجھے ایک بھی محتاج نہیں ملا، اور ایک شخص بھی ایسا دستیاب نہیں ہوا، جس کو زکوٰۃ دی جاسکے، عمر بن عبدالعزیز نے سب کو غنی بنا دیا، آخر میں نے کچھ غلام خرید کر آزاد کئے، اور ان کے حقوق کا مالک مسلمانوں کو بنا دیا۔

ایک دوسرے قریشی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کی مختصر مدت خلافت میں یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ بڑی بڑی رقمیں زکوٰۃ کی لے کر آتے تھے کہ جس کو مناسب سمجھا جائے دے دیا جائے، لیکن مجبوراً واپس کرنی پڑتی تھیں کہ کوئی لینے والا نہیں ملتا، عمر کے زمانہ میں سب مسلمان غنی ہو گئے، اور زکوٰۃ کا کوئی مستحق نہیں رہا۔

ان ظاہری برکات کے علاوہ (جو صحیح اسلامی حکومت کا ثانوی نتیجہ ہیں) بڑا انقلاب یہ ہوا کہ لوگوں کے رجحانات بدلنے لگے، اور قوم کے مزاج و مذاق میں تبدیلی ہونے لگی، ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ہم جب لید کے زمانہ میں جمع ہوتے تھے، تو عمارتوں اور طرز تعمیر کی بات چیت کرتے تھے، اس لئے کہ لید کا یہی اصل ذوق تھا، اور اس کا تمام اہل ملک پر اثر پڑ رہا تھا، سلیمان کھانوں اور عورتوں کا بڑا شائق تھا، اس کے زمانہ میں مجلسوں کا موضوع بھی یہی تھا، لیکن عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں نوافل و طاعات ذکر و تذکرہ گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا، جہاں چار آدمی جمع ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ رات کو تمہارا کیا پڑھنے کا معمول ہے، تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے، تم قرآن کب ختم کرو گے، اور کب ختم کیا تھا، مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو۔

ان کی زندگی کا جوہر

عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کا جوہر اور ان کی تمام سرگرمیوں اور جدوجہد کی روح اور قوت محرکہ

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۹ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۸ ۳۔ تاریخ طبری واقعات ص ۵۹۶

ان کا تو ایمان آخرت کا یقین اور جنت کا شوق ہے انھوں نے جو کچھ کیا، خدا کے خوف اور اس کی رضا کے شوق میں کیا، اور یہی وہ طاقت تھی جو اپنے وقت کے اس سب سے بڑے طاقتور حکمران کو روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کی ترغیبات اور وسائل کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھتی تھی، ان کو کوئی اگر اس طرز عمل کے خلاف نصیحت کرتا اور تمتع و لطف اندوزی کی ترغیب دیتا، تو ہمیشہ یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے۔

إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ

اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک

توبہ عظیمہ (الانعام ۱۵) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

انھوں نے ایک موقع پر اپنے خادم سے کہا تھا، اور یہ ان کی صحیح تعریف تھی کہ اللہ نے مجھے بڑی حوصلہ مند طبیعت دی ہے، جو مرتبہ بھی مجھے حاصل ہوا میں نے اس سے بلند تر مرتبہ کی تمنا کی، اور اب میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ کوئی مرتبہ باقی نہیں رہا، اب میری حوصلہ مند طبیعت جنت کی مشاق و تمنیٰ ہے، ان کی رقت و خشیت کا یہ حال تھا کہ ایک شخص سے انھوں نے نصیحت کی فرمائش کی اس نے کہا کہ اگر خدا نے تم کو جہنم میں ڈال دیا، اور ساری دنیا جنت میں چلی گئی تو تمہیں کیا فائدہ ہوا، اور اگر ساری دنیا جہنم میں چلی گئی، اور تمہیں اللہ نے جنت نصیب کی، تو تمہارا کیا نقصان ہوا، یہ سن کر وہ اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو انگلیٹھی رکھی تھی، وہ بچھ گئی، یزید بن حوشب کہتے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت و دوزخ صرف عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کی وفات

اگر اللہ کو منظور ہوتا اور عمر بن عبدالعزیز کو اپنے کسی پیش رو کی مدت خلافت مل جاتی تو پوری اسلامی مملکت میں گہرا اور دیرپا انقلاب ہو جاتا اور مسلمانوں کی تاریخ ہی دوسری ہوتی، لیکن بنی امیہ جن کو اپنے

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۸ ایضاً ص ۱۵۸ صفحہ الصفوة ابن جوزی ج ۳ ص ۱۵۶

اس فرد خاندان کی خلافت میں سب سے بڑی قربانی کرنی پڑی تھی، اور جو اپنی بے تکلف مجلسوں میں حضرت عمرؓ کے گھرانے میں رشتہ کرنے پر بہت پھپھکتے رہتے تھے، زیادہ دن تک اس مجاہدہ کو برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے جلد ان سے خلاصی حاصل کر کے مسلمانوں کو اس عطیہ خداوندی سے محروم کر دیا، سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ کل دو سال پانچ مہینے خلافت کر کے ۱۰۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے، اس بات کے آثار و قرائن موجود ہیں کہ ان کے خاندان نے ان کو زہر دیا۔



لے ابن سعد، ابن اثیر، ابن جوزی۔

دوسری صدی کی اصلاحی کوششیں

اور

حضرت حسن بصریؒ

امت میں اخلاقی انحطاط اور ایمانی ضعف

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد حکومت کا دھارا اسی طرح بہنے لگا، جیسا کہ ان سے پہلے بہتا تھا، جاہلیت نے اپنے نیچے مضبوطی کے ساتھ گاڑ لئے، ان کے جانشین نے (جس کو سلیمان ان کے بعد خلیفہ بنا گیا تھا) اور اس کے جانشینوں نے اس ناپست دیدہ وقفہ "کی تلافی کی پوری کوشش کی، اور حکومت کو اسی چول پرے آئے جس پر وہ سلیمان کے زمانہ تک تھی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ شخصی و موردی حکومت کے تسلسل اور دولت و کامیابی کی فراوانی سے اسلامی معاشرہ میں "نفاق" کے جراثیم اور "مترقبین سابقین" (گذشتہ امتوں کے دولت مندوں اور عیش پسندوں) کے اخلاق و اعمال پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے، سوسائٹی میں تعیش کا عمومی رجحان پیدا ہو گیا تھا ایمان و عمل صالح کی زندگی جو اس امت کا قیمتی سرمایہ اس کی قوت کار از اور نبوت کا ایک بیش قیمت ترکہ تھا اس وقت خطرہ میں تھی، اندیشہ تھا کہ یہ امت اخلاقی حیثیت سے دیوالیہ اور روحانی حیثیت سے کھوکھلی نہ ہو جائے، قلوب میں سردی و افسردگی، ایمان میں کمزوری اور تعلق بالشر میں اضمحلال بڑی شدت و سرعت سے پیدا ہونا چلا آ رہا تھا، اور یہ بڑی تشویش کی بات تھی، حکومت اس جوہر کی حفاظت اور پرورش سے نہ صرف غافل و بے تعلق تھی، بلکہ اس کا وجود اور اس کے ناپندے اس مقصد کے لئے حقیقی خطرہ

بنے ہوئے تھے اور اپنی ذاتی سیرت و کردار سے وہ اس اخلاقی انحطاط کے محرک داعی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت میں ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق اور انابت و عبودیت کی جو کیفیت پیدا کی تھیں اور جو ایک نبی ہی پیدا کر سکتا ہے وہ رو بہ نازل تھیں یہ وہ کمی تھی جو حکومت کے رقبہ کی توسیع اور بڑی سے بڑی فتوحات سے پوری نہیں کی جاسکتی تھی اور جو ایک مرتبہ زائل ہونے کے بعد (پھیلی امتوں کی تاریخ اس کی شاہد ہے) بڑی مشکل سے واپس لائی جاسکتی ہیں۔

اگر اس سرمایہ کی حفاظت نہ کی جاتی اور زمانہ کے اثرات اور اخلاقی و سیاسی عوامل کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو یہ امت بھی سابقہ امتوں کی طرح ایک نفس پرور آخرت فراموش مادہ پرست قوم بن کر رہ جاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری ایام میں سب سے زیادہ خطرہ اسی بات کا تھا کہ یہ دنیا مسلمانوں کو ہضم نہ کرنے اور وہ اگلی امتوں کی طرح اس کے دھکے میں پڑ کر ضائع نہ ہو جائیں اپنے وفات سے چند دن پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں صاف صاف کہا تھا۔

ما الفقر اخشى عليكم ولكن اخشى

مجھے تمہارے بائے میں فقر و افلاس کا خطرہ نہیں

عليكم ان تبسط الدنيا عليكم كما

مجھے جو کچھ خطرہ ہے وہ اس بات کا کہ دنیا کی تم پر اپنی

بسطت علی من كان قبلكم

کشائش و فراخی ہو جیسی تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی

فتنا فوها كما تبتنا فوها ففتلكم

تمہی اور تم بھی اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ شروع

کر دو اور تم کو بھی وہ اسی طرح ہلاک کرے جیسے

كما اهلكتهم۔

انگلوں کو ہلاک کیا۔

تابعین کی دعوتِ ایمانی

یہ خطرہ جس کا زبان نبوت نے اظہار کیا تھا، جلد پیش آگیا، لیکن اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے

اللہ کے کچھ مخلص اور سرفروش بندے میدان میں آئے، جنہوں نے اپنی قوتِ ایمانی سوزدروں، صحبت و تربیت و عطا
 نصیحت اور دعوت و تلقین سے لاکھوں آدمیوں کو مادیت کے اس طوفان میں تنکے کی طرح بہنے سے بچایا، اور
 خود اس سیلاب کی رفتار کو سست کر دیا، انہوں نے امت کے ایمانی ور روحانی تسلسل کو قائم رکھا، جو اس کے
 نسلی و سیاسی تسلسل سے زیادہ ضروری تھا، اور اس کی زندگی میں وہ خلا نہیں آنے دیا، جس میں محض ایک بے سیرت
 بے روح، اور بے تلقین قوم بن کر رہ جائے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے فضلاً زنا بعین کی ایک سربراہ آوردہ جماعت
 تھی جن میں سعید بن جبیر، محمد بن سیرین اور شعبی خاص طور سے ممتاز تھے۔

حسن بصریؒ

لیکن اس خطرہ کے اصل حریف اور ایمانی دعوت کے علمبردار حضرت حسن بصریؒ ہیں، جو ۲۱ھ میں پیدا
 ہوئے ان کے والد بسیار مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام تھے اور خود انہوں نے ام المومنین
 ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

حسن بصریؒ کی شخصیت ان کی داعیانہ صلاحیتیں

حضرت حسن بصریؒ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام صلاحیتیں جمع فرمادی تھیں، جو اس دور کے مخصوص حالات
 میں دین کا وقار بڑھانے اور دینی دعوت کو موثر بنانے کے لئے درکار ہیں، ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت،
 دل آویزی اور کوشش تھی، ایک طرف وہ دین میں پورا تبحر اور گہری بصیرت رکھتے تھے، بلند پایہ مفسر اور مستند محدث
 تھے، جس کے بغیر اس وقت کوئی اصلاحی کوشش انجام نہیں پاسکتی تھی، صحابہ کرام کا انہوں نے اچھا خاصا
 زمانہ پایا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے غور سے اس کا مطالعہ کیا تھا، مسلمانوں کی زندگی اور اسلامی معاشرہ
 میں جو تغیرات پیش آئے تھے، ان پر گہری نظر رکھتے تھے، اپنے زمانہ کی سوسائٹی، ہر طبقہ کی زندگی اور معاشرہ

سے وہ پورے طور پر باخبر تھے اور اس کی خصوصیات اور اس کی بیماریوں سے ایک تجربہ کار طبیب کی طرح واقف تھے۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ اور شیریں زبان تھے، وہ جب گفتگو کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے، جب آخرت کا بیان کرتے تھے، یا صحابہ کرام کے دور کی تصویر کھینچتے تھے تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں، حجاج بن یوسف کا سا زبان آور اور قادر الکلام اس اخیر دور میں نہیں گذرا، لوگ حسن بصری اور حجاج کو فصاحت میں ہم پایہ سمجھتے تھے، مشہور امام لغت و نحو ابو عمرو بن العلاء کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری اور حجاج بن یوسف سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا، اور حسن حجاج سے زیادہ فصیح تھے۔ وسعت علم کا یہ حال تھا کہ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ میں دس برس تک حسن بصری کے پاس آتا جاتا رہا، ہر روز ان سے کوئی ایسی بات سنتا تھا جو اس سے پہلے نہیں سنی، ایک شخص نے ان کی اس جامعیت کو اس طرح بیان کیا:۔

کان من در اسی النجوم علما و تقویٰ	وہ اپنے علم و تقویٰ، زہد و ورع و استغناء و عالی ہمتی
وزہد او ورع او عفة و رقة، و فقہا	طافت، تقہ اور علم کے اعتبار سے ایک رخشاں
ومعرفة یجمع مجلہ ضر و یامن الناس	ستارہ تھے ان کی مجلس میں قسم قسم کے لوگ جمع ہوتے
هذا یأخذ عنہ الحدیث، و هذا یلقن	تھے اور ہر ایک فیض پاتا تھا، ایک شخص حدیث
منہ التاویل و هذا یسمع منہ الجلال	حاصل کر رہے، ایک تفسیر میں استفادہ کر رہے، ایک
والحرام، و هذا یحکی لہ الفتیاء و هذا	فقہ کا درس لے رہا ہے اور ایک فتویٰ پوچھ رہا ہے
یتعلم الحکم و القضاء، و هذا یسمع الوعظ	کوئی مقدمات فیصل کرنے اور قضا کے قواعد سیکھ رہا
و هو فی جمیع ذلک کالبحر العجاج تدفقا	ہے، کوئی وعظ سن رہا ہے اور وہ ایک بحر زخار میں جو
و کالسراج الوہاج تالفا و لا تنسی مواقفا	موجیں لے رہا ہے اور ایک روشن چراغ میں جو مجلس کو
و مشاہدہ فی الامر بالمعروف و النہی	پرنور کر رہا ہے پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

۱۰۰ دائرۃ المعارف لبتانیج، ص ۲۲۲ ۱۰۱ ایضاً۔

عن المنكر عند الامراء واشباه الامراء
سلسلہ میں ان کے کارنامے اور حکام و امراء کے بڑے
پوری فصاحت اور پرشکوہ الفاظ میں اظہار حق کے
بالکلام الفصل واللفظ الجزل۔^۱

واقعات بھلانے کی چیز نہیں۔

اس سب کے علاوہ اور اس سب سے بڑھ کر ان کی تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ محض صاحبِ قال اور صاحبِ کمال نہ تھے، بلکہ صاحبِ دل اور صاحبِ حال بھی تھے، وہ جو کچھ کہتے تھے ان کے دل سے نکلتا تھا، اس لئے دل پر اثر کرتا تھا، جس وقت وہ تقریر کرتے تھے، سراپا درد و اثر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ بصرہ میں کوفہ میں بڑے بڑے صاحبِ علم اور صاحبِ درس تھے، مگر ان کے حلقہٴ درس میں مقناطیس کی کشش تھی، ان کے مواعظ و بیانات کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو کلام نبوت سے بڑی مناسبت تھی۔

امام غزالی نے احوال العلوم میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری کا کلام انبیاء علیہم السلام کے طرز کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے، ایسی مناسبت دوسرے واعظین کے کلام میں نہیں دیکھی گئی، اسی طرح ان کا طرز زندگی صحابہ کرام کے طرز زندگی سے بہت مشابہ تھا۔^۲

ان کی ان خصوصیات و جامعیت کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کی شخصیت سے مسحور تھے، اور ان کو امتِ محمدی کے ممتاز ترین افراد میں شمار کرتے تھے، تیسری صدی کے ایک غیر مسلم فلسفی (ثابت بن قرہ) کا مقولہ ہے کہ امتِ محمدیہ کی جن چند ممتاز ترین شخصیتوں پر دوسری امتوں کو رشک آنا چاہئے ان میں حسن بصری بھی ہیں کہ معتاد ہمیشہ سے عالم اسلام کا مرکز ہے، وہاں ہر فن کے صاحبِ کمال آتے رہتے ہیں، لیکن اہل مکہ بھی حسن بصری کا علم دیکھ کر ان کی تقریریں سن کر ششدر رہ گئے کہ ہم نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔^۳

حسن بصری کے مواعظ

حسن بصری کے مواعظ دور صحابہ کی قوت و سادگی کا نمونہ ہیں، ان میں زیادہ تر دنیا کی بے ثباتی،

^۱ اہل البیان التوحیدی اس کو ثابت بن قرہ سے نقل کیا ہے، احوال علوم الدین ج ۱ ص ۱۶۳، دائرة المعارف للبتانی ج ۲ ص ۲۲۳

زندگی کی بے وفائی، اور آخرت کی اہمیت کا مضمون، ایمان و عمل کی تلقین، تقویٰ اور خشیتِ الہی کی تعلیم، طولِ اہل اور فریبِ نفس کی مذمت ملتی ہے، اور اس دور میں جس پر مادیت اور غفلت کا سخت حملہ ہوا تھا، اور عوام اور بہت سے خواص دولت اور عیش و عشرت کے سیلاب میں خست و خاشاک کی طرح بہے چلے جا رہے تھے، انہی مصلحت کی ضرورت تھی، انھوں نے چونکہ صحابہ کرام کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اور ان کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا، اب حکومت امویہ کا شباب دیکھ رہے تھے، اس لئے وہ اپنے مواعظ میں اکثر بڑے درد و جوش کے ساتھ صحابہ کرام کی ایمانی کیفیات اور ان کی اخلاقی و عملی خصوصیات بیان کرنے لگتے ہیں، اور جب وہ ان دونوں زمانوں کا مقابلہ کرتے ہیں، اور اس عظیم انقلاب کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں، جو ان کو دیکھتے دیکھتے ایمان و عمل اور اخلاق و عادات میں رونما ہوا تھا، تو ان کا درد اور جوش بہت بڑھ جاتا ہے، اور ان کے مواعظ تیر و نشتر بن جاتے ہیں، اور ان کے مواعظ اپنی دل آویزی اور دل نشینی کے علاوہ اس دور کی فصیح و بلیغ زبان اور اعلیٰ ادب کا نمونہ ہیں، ایک موقع پر اہل زمانہ پر تبصرہ، صحابہ کرام کا تذکرہ اور اسلامی اخلاق کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ہے افسوس لوگوں کو امیدوں اور خیالی منصوبوں	ھیہات ہیہات اهلك الناس لامانی
غارت کیا، زبانی باتیں ہیں کل کا نام نشان نہیں، علم	قول بلا عمل، ومعرفة بغیر صبر و ایمان
مگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے، صبر نہیں، ایمان؟	بلا یقین، مالی اسی، رجالاً و لا اسی
مگر یقین سے خالی آدمی بہت نظر آتے ہیں، مگر مائدہ آیا	عقولاً و اسمع حیثاً و لا اسی انیساً
آنے جانیا لوگوں کا شور ہے مگر ایک بندہ خدا پر نظر	دخل القوم و ادله ثم خرجوا و عرفوا
نہیں آتا جس سے دل لگے، لوگ داخل ہوئے اور پھر	ثم انكروا و حرموا ثم استحلوا، انما دین
نکل گئے، انھوں نے سب کچھ جان لیا پھر کر گئے، انھوں نے	احدکم بعتة علی لسانہ اذا سئل المؤمن
پہلے حرام کیا، پھر اسی کو حلال کر لیا، تمہارا دین کیا ہے؟	انت بیوم الحساب، قال نعم، کذب
زبان کا ایک چٹخانہ، اگر پوچھا جاتا ہے کیا تم روزِ حشر	وما لك یوم الدین، ان من اخلاق

المؤمنین قوتاً فی دین وایماناً فی یقین
 وعلماً فی حلم وعلماً بعلم وکیفاً فی
 رفق وتماماً فی فاقہ وصدقاً فی غنی
 وشفقاً فی نفقہ ورحمۃً لجمہود وعتاباً
 فی الحقوق وانشافاً فی استقامۃ لا یجیب
 علی من یبغض ولا یاتم فی مساعدۃ من
 یحب ولا یمز ولا یغز ولا یمز ولا یلغو
 ولا یلہو ولا یلعب ولا یشی بالنمیمۃ
 ولا یتبع مالیس لہ ولا یجد الحق الذی
 علیہ ولا یتجاوز فی العذر ولا یشمت
 بالفجیعة ان حلت بغيرہ ولا یسر
 بالمعصیۃ اذا نزلت بسوائہ المؤمن
 فی الصلوٰۃ خاشع والی الركوع صارع
 قولہ شفاء وصبورۃ تقی و سکوتہ فکرۃ
 ونظرۃ عبرۃ یمخالط العلماء لیعلم
 ویکت بینہم لیسلم ویتکلم لیختم
 ان احسن استبشر وان اساء استغفر
 وان عتب استعجب وان سفہ علیہ
 حلم وان ظلم صبر وان جبر علیہ

پر یقین رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہاں قسم
 ہے روز جزا کے مالک کی غلط کیا، مومن کی شان تو
 یہ ہے کہ وہ قوی فی الدین ہو، صاحب ایمان یقین
 ہو، اس کے علم کے لئے علم اور اس کے حلم کے لئے علم پائے
 زینت ہو، عقلمند ہو، لیکن نرم خواہ اس کی خوش پوشی
 اور ضبط اس کے فقر و افلاس کی پردہ داری کرے
 دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے
 پائے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں
 رحیم و کریم، حقوق کی ادائیگی میں کشادہ دست و فراخ دل
 انصاف میں سرگرم و ثابت قدم، کسی سے نفرت ہو تو اس کے
 حق میں زیادتی نہ ہونے پائے، کسی سے محبت ہو تو اس کی
 مدد میں حد شریعت سے نہ بڑھنے پائے، نہ عیب چینی کرتا ہو،
 نہ طنز و اشارہ نہ طعن و تشنیع، نہ لایعنی سے اس کو کچھ کام
 ہونے ہو و لعیب دیکھی، پختہ خوری نہیں کرتا، جو اس کا حق
 نہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتا، جو اس پر واجب آتا ہے
 اس کا انکار نہیں کرتا، معذرت میں حد نہیں بڑھاتا
 دوسرے کی مصیبت میں خوش نہیں ہوتا، دوسرے کی
 مصیبت سے اس کو مسرت نہیں ہوتی، مومن کو نماز
 میں خشوع اور نمازوں کا ذوق ہوتا ہے اس کا کلام

لوگوں کو خود اپنی (صلاحیت) کی حالت کو نہیں بدلی دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا بخویر کرتا ہے تو پھر اس کے بدلنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور کوئی خدا کے سوال کا مددگار نہیں رہتا۔

عدل ولا يتعوذ بغير الله ولا يستعين
 إلا بالله وقوراً في الملاء، شكوراً في الخلاء
 قانع بالرزق، حامداً على الرخاء، صابر
 على البلاء ان جلس مع الغافلين كتب
 من الذاكرين وان جلس مع الذاكرين
 كتب من المتغربين، هكذا كان
 اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم،
 الاوّل فالاول حتى اعتقوا بالله عزوجل
 وهكذا كان المسلمون من سلفكم الصالح
 وانما غيركم لما غيرتم ان الله لا يغير
 ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم واذا
 اراد الله بقوم سوء فلا مرد له وما لهم
 من دونهم من قال:

م تہا کے ساتھ اپنا سال بدل دیا۔ ان شاء اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم واذا اراد اللہ بقوم سوء فلا مرد له وما لهم من دونہم من قال: (اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (بھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک

شفا کا پیام اس کا جبر تقویٰ اس کا سکوت سراسر
 خود و فکر اس کی نظر سراپا دس و عبرت علماء کی صحبت
 اختیار کرتا ہے علم کی خاطر خاموش رہتا ہے تو اس لئے گناہوں
 اور گزشت کے کفو نہ ہے بولتا تو اس لئے کچھ (ثواب) کے
 اور فائدہ حاصل کرے نیکی کے اس کو خوشی ہوتی ہے غلطی
 ہو جاتی ہے تو استغفار کرتا ہے شکایت کرتا ہے اور اس کے
 دل میں کسی کی طرف سے رنج آتا ہے تو معافی طلب کر لیتا ہے اس
 کوئی جہالت کرتا ہے تو وہ عقل اور عقل سے کام لیتا ہے ظلم
 کیا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے کوئی اس حق میں نا انصافی
 کے تو وہ انصاف کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی
 کی پناہ نہیں لیتا، اور اس کے سوا کسی کو نہیں چاہتا، حج
 میں باوقار تہائی میں شکر گزار، ذوق پر قانع، آرام و عیش
 کے زمانہ میں شاکر، مصیبت آمد آنا انہیں کی گھڑیوں میں صابر
 غافلوں میں ذاکر، ذاکروں میں ہو تو استغفار میں شائق،
 یہی شان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے درجوں اور
 مرتبہ کے مطابق جب تک نیامیں ہے اسی شان کے ہے اور جب
 دنیا کے لئے تو اسی آن بان کے لئے مسلمانوں کو اتہا ہے سلف صالحوں کا
 پیونہ تھا جب تم نے اللہ کے ساتھ اپنا سال بدل دیا تو اللہ نے بھی

ایک دوسرے موقع پر صحابہ کرام کو یاد کرتے ہوئے اور سورۃ الفرقان کی ان آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جن میں مومنین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں فرمایا:-

ات المؤمنین لما جاءتهم هذه الدعوات
من الله صدقوا بها وافضوا يقينها الى
قلوبهم خشعت لله قلوبهم وابدانهم
وابصارهم كنت والله اذرايتهم
رأيت قوما كانوا من اعيان الله
ما كانوا باهل جمل ولا باطل ولكنهم
جاءهم امر من الله فصدقوا به ففتحهم
الله في القران احسن نعت قال وعباد
الرخيين الذين يمشون على الارض من
هونا والهون في كلام العرب اللين و
السيئة والوقار فاذا خاطبهم الجاهلون
قالوا اسلاما حلما عالا مجهلون وان
جهل عليهم جلسوا بما يحبون
عباد الله نهاسهم بما يسمعون
ثم ذكر ليهم خير ليل فقال والذين
يبيتون لربهم سجدا وقياما ينتصبون
الله على اقدامهم ويفترشون وجوههم

مومنین (اولین) کے کان میں جب خدا کی یہ پکار
پہنچی تو انھوں نے اسی وقت اس کی تصدیق کی اور
اس پر لبیک کہا، اس کا یقین ان دلوں کی گہرائی میں
اگر گیا ان کے دل ان کے بدن اور ان کی نگاہیں خدا کی
عظمت اور ہیبت میں جھک گئیں، بخدا میں جب ان کو
دیکھتا تو مٹا سلوم ہوتا کہ دین حقائق اور غیب کلمات
گو یا ان کی آنکھوں کی بھی حقیقتیں ہیں ان کو بحث و بحث
اور فضول باتوں کے کچھ کام نہ تھا، ان کو تو خدا سے ایک چیز
پہنچی اور انھوں نے ان کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید
میں ان کا بہترین سراپا کھینچا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ
چلتے ہیں آیت میں ہونا کا لفظ آیا ہے ہون
کے معنی کلام عرب میں نرمی و سکینہ اور وقار کے ہیں پھر
فرمایا اور جب ان کے بے سمجھ لوگ باکریں تو کہتے ہیں سلام
ہے یعنی وہ ضابط و حلیم ہیں جہالت پر نہیں اترتے اور
اگر کوئی دوسرا جہالت پر اترے تو ان کے علم و وقار میں
فرق نہیں آتا، یہ لوگ اللہ کے بندوں کے ساتھ کام کیا

تَجِدُ الرَّبِّهِمْ تَجْرِي دُمُوعُهُمْ عَلَيَّ

خَدُودَهُمْ فَرَقَانِ عَرَبِيَّةً لَا مَرْمَا

مَهْرٍ وَالْيَلْمُ وَلَا مَرْمَا خَشَعُوا نَهَارَهُمْ

قَالَ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

غَرَامًا ۗ وَكُلُّ شَيْءٍ يَصِيبُ ابْنَ آدَمَ ثُمَّ

يَنْزِلُ عَنْهُ فُلَيْسَ بَغَرَامٍ، إِنَّمَا الْغَرَامُ

الَّذِي لَمْ يَدَامتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ

مَدَقَ الْقَوْمِ وَإِلَهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

فَعْمَلُوا وَإِنَّمَا تَتَمَنُونَ، فَأَيُّكُمْ وَهَذَا

الْإِمَامِيُّ رَحِمَكُمُ اللَّهُ فَإِنَّ اللَّهَ لَمُحِيطٌ

عِبَادًا بِأَمْنِيَّتِهِمْ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ

بات سننے کے لئے دن گزارتے تھے پھر ان کی بڑی اچھی

راتیں گزرتی تھیں جن کی اللہ تعالیٰ خود تعریف کرتا ہے اور

وہ لوگ اپنے رب کے سامنے سجدے میں اور کھڑے ہو کر رات

گزارتے ہیں واقعی یہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے

چہروں کو خاک پر رکھ دیتے اور سجدے میں ٹپ جاتے، ان کے

رخساروں پر آنسوؤں کا تار بندھ جاتا، اللہ کا نون کا

آنکھوں کو اشکار رکھتا، آخر کوئی تو بات تھی جس کے لئے

وہ راتیں آنکھوں میں کاشتیتے، کوئی تو بات تھی جس کا

دن میں ہے ہے رہتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ لوگ کہتے

ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب دور کرنے چیک

اس کا عذاب بڑا آواز اور بلا ہے جان آیت میں فرما

كَانَ ظَنَّا أَنَّهُ بِرَحْمَتِ رَبِّنَا لِنُرْسِلَهُ

اس کو رب غرام نہیں کہتے غرام وہ مصیبت جو قیامت

مکان انسان کے سر سے نکلے قسم ہے اس خدا کے جس کو کوئی

موجود نہیں، اللہ کے بندے (اپنے قول اور اپنے دین میں)

پچھے اور کچھے ثابت ہوئے اور جو انھوں نے زبان سے کہا تھا

اس پر عمل کیا، لیکن افسوس تم صرف تناؤں میں مشغول ہو

لوگو! ان خالی تناؤں سے باز آؤ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

نہجی کی بند سے کہ بعض اس کی تائید پر نیا آواز سے کہ کوئی چیز نہیں صاف فرمائی

۱۰ نیام اللیل صلا (حدیث محمد بن نصر مروزی تلمیذ امام احمد بن حنبل)

اس تقریر کے آخر میں فرمایا، (اور اکثر موعظ کے بعد فرماتے) کہ اس وعظ و نصیحت میں تو کوئی کمی نہیں، لیکن دلوں میں زندگی بھی تو ہو۔

ان کی حق گوئی و بیباکی

ان کے کمالات، فصاحت و بلاغت، تہذیبی اور تقریر و تاثیر ہی تک محدود نہ تھے، بلکہ وہ اپنے زمانہ میں حق گوئی و بیباکی، اخلاقی جرأت و شجاعت میں بھی ممتاز تھے، انھوں نے خلیفہ وقت یزید بن عبد الملک پر بلا تنقید کی، ایک موقع پر سردس کی شخص نے سوال کیا کہ اس زمانہ کے فتن (یزید ابن المہلب اور ابن الاشعث کی شورش) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہ اس کا ساتھ دو، نہ اس کا ساتھ دو، ایک شامی نے کہا، اور نہ امیر المومنین کا یہ سن کر آپ کو غصہ آگیا، پھر ہاتھ اٹھا کر کہا ہاں نہ امیر المومنین کا، ہاں نہ امیر المومنین کا، حجاج کی تلوار اور سفاکی شہور ہے مگر حسن کی زبان اس کے زمانہ میں بھی اظہار حق سے باز نہ آئی، اور اس کے متعلق بھی انھوں نے اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔

اسلامی حکومت میں "تفاق" اور منافقین

اسلام کے سیاسی وادی اثر و اقتدار سے اسلامی مملکت میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اسلام کو قبول تو کر لیا تھا، مگر اس کے اخلاق و معاملات اور قلب و دماغ پوری طرح اسلام سے متاثر نہیں ہو سکے تھے اور ان میں حقیقی ایمان اور اذخار فی التسلیم کافۃ (اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) کی شان پیدا نہیں ہوئی تھی، خود مسلمانوں کی نئی نسل میں (جس کی پوری اسلامی تربیت نہیں ہو سکی تھی) بکثرت ایسے افراد تھے جو جاہلی اثرات سے پاک نہیں ہوئے تھے اور اسلام سے ان کو گہرا تعلق اور زندگی میں احکام الہی کے سامنے

انقیاد و تسلیم کی خواہش نہیں پیدا ہوئی تھی، ان میں خاصی تعداد میں (بالخصوص حکومت کے طبقہ اور امرا و اعیان) ایسے لوگ تھے جن میں قدیم منافقین کے اخلاق و اعمال اور ان کے ذہن و مزاج کا پرتو نظر آتا تھا، یہی لوگ بالعموم زندگی پر حاوی تھے، درباروں میں حکومت میں کلیدی جگہوں پر فوج میں بازاروں میں انہی کا غلبہ تھا، انہی کا طرز زندگی سوسائٹی میں فیشن کی حیثیت رکھتا تھا۔

بعض حضرات کا یہ خیال تھا کہ نفاق ایک وقتی و مقامی بیماری تھی جو بعد رسالت میں مدینہ طیبہ کے مخصوص حالات کی بنا پر پیدا ہو گئی تھی، اسلام کے غلبہ اور کفر کی مغلوبیت کے بعد وہ ختم ہو گئی، اس لئے کہ دونوں کی کشمکش جاتی رہی، اور صرف اسلام باقی رہ گیا، اس لئے قدرتی طور پر کسی ایسے گروہ کے پیدا ہونے کا موقع نہیں رہا جو ان دونوں کے درمیان متردد و متذبذب رہے، اور کسی ایک کا وفادار اور نخلص رفیق نہ بن سکے، اب یا تو کھلا ہو کفر ہے یا علانیہ اسلام، ان دونوں کے درمیان متذبذب کی کوئی وجہ نہیں، تفسیر و تاریخ میں اس خیال کے اثرات ملتے ہیں۔ ان حضرات نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ نفاق فطرت انسانی کی ایک کمزوری اور بیماری ہے، جو اسی کی طرح پرانی اور عام ہے، اس بیماری کے پیدا ہونے کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ اسلام و کفر کی دو طاقتیں میدان میں ضرور ہوں، اور ان میں کشمکش جاری ہو، خالص اسلام کے غلبہ اور اقتدار کی حالت میں بھی ایسا گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو کسی وجہ سے اسلام کو مضہم نہیں کر پاتا، اور وہ اس کے دل و دماغ میں گھر نہیں کر سکتا، لیکن اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کا انکار اور اس سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرے یا اس کے مصالح اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ان فوائد سے دست بردار ہو جائے جو اسلام کے انتساب سے اس کو کسی اسلامی سلطنت یا مسلمان سوسائٹی میں حاصل ہیں، اس لئے وہ ساری عمر اس دو عملی اور متذبذب کی حالت میں رہتا ہے، اس کی نفسی کیفیات اس کے اعمال و اخلاق، اس کی اخلاقی کمزوری، اس کی مصلحت شناسی، موقع پرستی، زندگی سے تمتع و لطف اندوزی کا جذبہ، دنیاوی انہماک، آخرت فراموشی، اہل اقتدار کے سامنے روباہ مزاجی اور کمزوریوں و غریبوں پر دست درازی، منافقین اولین کی پادشاہ کرتی ہے۔

”نفاق“ و منافقین کی نشاندہی

حضرت حسن بصریؒ کی یہ بہت بڑی دینی ذہانت تھی کہ انھوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ نفاق موجود اور زندہ ہے اور منافقین نہ صرف موجود ہیں بلکہ زندگی پر اثر انداز اور سلطنت میں دخل ہیں، اور انہی سے شہروں کی چھل پھل ہے، کسی نے ان سے کہا کہ اس زمانہ میں بھی ”نفاق“ پایا جاتا ہے؟ فرمایا۔

لوخرجوا من ارضة البصرة لا متوحشتم
اگر منافقین بصرہ کی گلیوں سے نکل جائیں تو تمہارا
شہر میں جی لگنا مشکل ہو جائے۔
فیہا۔

یعنی شہر کی آبادی میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کو اسلام سے برائے نام تعلق ہے، اور اسلام نے ان کے دل میں گھر نہیں کیا ہے، یا وہ اپنے اعمال و اخلاق کے لحاظ سے اسلامی سیرت کے آراستہ نہیں ایک دوسرے کے موقع پر انھوں نے فرمایا۔

يا سبحان الله ما لقيت هذه الامة من
خدا کی شان ہے اس امت پر کیسے کیسے منافق
منافق قہرھا و امتا اثر علیہا۔
غالب آگے ہیں جو پورے درجہ کے خود غرض ہیں۔

لے تاخرین میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ نفاق ہر زمانہ میں موجود اور زندہ ہے اور منافقین کا وجود کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ان کے نزدیک نفاق کی قسمیں ہیں: نفاق اعتقادی اور نفاق عمل و اخلاق، نفاق اعتقادی کا قطع علم زائد رسالت کے بعد قطعاً و کجی کا وجہ ہے، لیکن نفاق عمل اور نفاق اخلاق، کثیر الوقوع ہے، وہ اپنے زمانہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس وقت نفاق بکثرت موجود ہے، تو زائد اکثر میں یاد دلاتے ہیں: اگر خواہی کہ از منافقان نمونہ بسینی روئے مجلس امرامد معاجان ایشان را بسیں کہ مرضی ایشان را بر مرضی شایع ترجیحی دہند اور انصاف بیچ فرق نیست در میان آنانکہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے واسطہ شدید نفاق در زمانہ و در میان آنانکہ احوال پیدا شدہ اند بطریق یقین حکم شایع معلوم کردہ اند بعد از ان براشاہدات آن اقدام می نمایند و علیٰ ہذا القیاس جماعت از معقویان کہ شکوک و شبہات بسیار بخاطر دارند معادرتانیا فیما ساختہ اند نمونہ آن کردہ اند (ص ۱۲ مطبع محمدی)

۱۲ صفت النفاق و ذم المنافقین، مولفہ محدث ابو بکر فریابی ص ۱۲ ۱۳ ایضاً ص ۱۴

یعنی حکومت میں وہ عنصر موجود ہے جو اسلام اور مسلمانوں کا نخلص نہیں اور جس کو صرف اپنے اغراض اور منافع سے ڈپٹی ہے۔
 حسن بصری کی دعوت و اصلاح کی طاقت و تاثیر میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ انھوں نے زندگی کا ایک سرا
 پکڑ لیا، اور سوسائٹی کی اصل بیماری کی طرف توجہ کی، ان کے زمانہ میں بہت سے واعظ اور داعی تھے، لیکن اس زمانہ کے
 معاشرہ نے کسی کے وجود اور کسی کی دعوت کو اس طرح محسوس نہیں کیا، جس طرح حسن بصری کے وجود اور ان کی دعوت کو
 محسوس کیا، اس لئے کہ ان کی تقریروں اور ان کے درسوں کا اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر زبرد پڑتی تھی، وہ نفاق کی حقیقت
 بیان کرتے تھے اور نفاق ایک مرض تھا، جو اس سوسائٹی میں پھیل رہا تھا، وہ منافقین کے اوصاف و اخلاق بیان
 کرتے تھے، اوزیہ اوصاف و اخلاق بہت سے لوگوں میں پائے جاتے تھے، جو حکومت، فوج اور تجارت میں پیش
 تھے، اور زندگی میں نمایاں تھے، وہ آخرت فراموشی اور دنیا طلبی کے بحران کی مذمت کرتے تھے، اور بکثرت لوگ اس
 وبا کا شکار تھے، وہ موت اور آخرت کی تصویر کھینچتے تھے اور ان حقیقتوں کو مستحضر کرتے تھے، اور مترفین و غافلین کا
 ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جس کی زندگی ان چیزوں کے بھلائے رکھنے میں تھی۔

غرض ان کی دعوت ان کے مواعظ، اور ان کے اصلاحی درس اس زمانہ کی خواہشات و اغراض سے اس طرح
 متضاد تھے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کے لئے ان سے غیر متعلق رہنا مشکل ہو گیا تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ بکثرت لوگ
 ان کی تقریروں اور مجلسوں سے چوٹ کھا کر کھلی زندگی سے تائب ہوتے تھے، اور نئی زندگی اختیار کرتے تھے،
 وہ اپنی تقریروں اور مجلسوں سے دین و ایمان کی دعوت بھی دیتے تھے، اور اپنی صحبت و عمل سے نفوس کی
 تربیت اور تزکیہ بھی کرتے تھے، ساٹھ سال کی طویل مدت انھوں نے اس دعوت و اصلاح میں گزاری، کوئی
 اندازہ نہیں کر سکتا کہ کتنے نفوس کو ان کی وجہ سے حلاوت ایمان اور حقیقت اسلام نصیب ہوئی، عوام بن
 حوشب کہتے ہیں کہ حسن نے ساٹھ برس تک اپنی قوم میں وہ کام کیا، جو انبیاء کرام (ختم نبوت سے پہلے) اپنی
 امتوں میں کرتے تھے۔

حسن بصری کی وفات اور ان کی مقبولیت

اس خلوص، دینی انہماک اور علمی و روحانی کمالات کا یہ اثر تھا کہ سارا بصرہ ان کا گرویدہ تھا۔ اللہ
 میں ان کا جب انتقال ہوا تو سارے شہر نے ان کے جنازہ کی مشالیت کی اور بصرہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ
 پوری آبادی کے قبرستان چلے جانے کی وجہ سے اس دن شہر کی جامع مسجد میں عصر کی نماز نہیں ہو سکی تھی۔
 حسن بصری کے بعد ان کے روحانی و علمی جانشینوں نے اور اپنے اپنے زمانہ کے داعیوں نے "دعوت الی اللہ"
 دعوتِ آخرت اور دعوتِ ایمان و عمل کے تسلسل کو جاری رکھا اور درمیان میں کوئی خلا واقع نہیں ہونے دیا،
 حسن بصری کی وفات کے بائیس برس بعد خلافتِ امویہ کا خاتمہ اور خلافتِ عباسیہ کا آغاز ہوا، اور دمشق کے بجائے
 بغداد دارِ خلافت اور پورے مشرق کا مرکزِ توجہ بن گیا۔

انقلابِ حکومت کی کوششیں

ان اصلاحی کوششوں اور دعوت و تذکیر کے تسلسل کے ساتھ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اس کی کوششیں
 بھی جاری رہی کہ خلافت کو اس کے صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اس اجارہ داری کو ختم کر دیا جائے جو امویوں
 اور ان کے بعد عباسیوں نے قائم رکھی تھی، خلافتِ غلطی سے ایسی قومی اور نسلی بنیادوں پر قائم ہو گئی تھی کہ اس کے مقابلہ
 میں کوئی آواز اور کوئی تحریک یا اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتی تھی، جب تک کہ اس کو شرافتِ نسب اور علوِ خاندان کی سند
 حاصل نہ ہو اور اس کی پشت پر خاندانی طاقت و حمایت نہ ہو اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے خلافتِ اموی اور
 خلافتِ عباسی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، ان کا تعلق اہل بیت تھا کہ ان کی کامیابی کا زیادہ امکان تھا، لیکن وہ امرت کے
 دینی رجحان کے نمائندے بھی تھے، اور ان کو مسلمانوں کی دینی عنصر اور اصلاح پسند جماعتوں کی ہمدردی اور تائید حاصل تھی۔

۱۔ بصرہ اس وقت عراق کا سب سے بڑا شہر تھا، اور خلافت کے پای تخت دمشق کے بعد اسلامی مملکت میں دوسرے درجے کا شہر شمار ہوتا تھا۔
 ۲۔ ابن خلکان (حسن بصری)

واقعہ کر بلا کے بعد بھی خاندان نبوت کے متعدد افراد نے انقلاب کی کوشش کی سیدنا حسین (علیہ علی السلام) کے بعد ان کے پوتے زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبد الملک کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا، اور ۱۲۲ھ میں شہید و مصلوب ہوئے، امام ابو حنیفہ نے ان کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے، اور حاضر نہ ہو سکے پر حضرت کی ان کے بعد بنی حسن میں سے حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ (بن عبد اللہ المحض ابن الحسن المثنی بن سیدنا حسن بن علی) نے مدینہ طیبہ اور ان کے مشورہ سے ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا، امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ ان کی تائید و حمایت میں تھے، امام ابو حنیفہ نے برطان کی تائید کی، اور کچھ رقم بھی ان کی خدمت میں بھیجی، منصور کے فوجی افسر حسن بن قحطبہ کو ابراہیم کا مقابلہ کرنے سے باز رکھا، اور اس نے خلیفہ سے معذرت کر دی، اول الذکر رمضان ۱۲۵ھ میں مدینہ طیبہ میں اور آخر الذکر ذوالقعدہ ۱۲۵ھ میں کوفہ میں شہید ہوئے، بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کے استحکام اور وسیع انتظامات کی وجہ سے اگرچہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں، لیکن انہوں نے امت میں غلط اقتدار کے خلاف جدوجہد اور اعلان حق کی ایک نظر قائم کر دی، اگرچہ عملاً وہ کامیاب نہیں ہو سکے، لیکن ان کی کوششوں کا یہ ذہنی اثر قربانی اور جدوجہد کا یہ تسلسل کچھ کم قیمتی نہیں، اسلامی تاریخ کی آبرو انہی جوان مردوں سے قائم ہے، جنہوں نے غلط اقتدار اور مادی ترغیبات کے سامنے سپر نہیں ڈالی، اور صحیح مقصد کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیا۔

”مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ“

لے مناقب ابی حنیفہ بزاری ج ۱ ص ۵۵

۱۲۵ھ امام مالک نے اہل مدینہ کو محمد ذوالنفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا، اگرچہ وہ منصور کا بیعت کر چکے ہوں (تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴) ۱۲۵ھ مورخین کا خیال ہے کہ ابو حنیفہ کے خلاف منصور نے جو سخت کارروائی کی اس کی وجہ ان کا عہدہ قضا سے انکار تھا، بلکہ دراصل محمد و ابراہیم کی حمایت تھی جس کا منصور کو علم تھا، اس باب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو امام ابو حنیفہ

کی سیاسی زندگی، از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔

خِلاَفَتِ عِبَّاسِيَّةٍ اَوْ رَدِيئِي دَعْوَتُ وَ تَذَكِيرُ

خِلاَفَتِ عِبَّاسِيَّةٍ اَوْ رَسِ كَ اَثْرَاتِ

خِلاَفَتِ عِبَّاسِيَّةٍ، خِلاَفَتِ اُمَوِيَّةِ كِي پُورِي پُورِي جَانَشِيں تَهِي، وَهِي دُنْيَا دَارِي كِي رُوح، وَهِي شَخْصِي وَ مَوْرُو ثِي سُلْطَنَتِ كَا نِظَامِ وَ اَمِينُ اَوْ رُو هِي اِس كِي خَرَابِيَاں اَوْ رُبْرَے تَنَاجُ، وَهِي بَيْتِ الْمَالِ مِيں اَزَادَانَه تَقْرُوفِ، وَهِي عَيْشِ وَ عَشْرَتِ كِي گَرَمِ بَا زَارِي، فَرْقِ اِثْنَا تَهَا كَه اُمَوِيُوں كِي سُلْطَنَتِ مِيں اَوْ رَانِ كَے زَمَانَه كِي سَوْنِي مِيں عَرَبِي رُوحِ كَا رُفْرَا تَهِي، اِس كِي خَرَابِيَاں، اَوْ رِبَے اَعْتَدَالِيَاں بَهِي اِسِي نَوْعِ كِي تَهِيں، جَبَّاسِي سُلْطَنَتِ كَے جِسْمِ مِيں عَجِي رُوحِ دَاخِلِ هُو گِي تَهِي، اَوْ عَجِي قَوْمُوں اَوْ رَتَهَنْدِيُوں كَے اَمْرَاضِ وَ عِيُوْبِ اِيْنِه سَا تَه لَانِي تَهِي، سُلْطَنَتِ كَا رَقْبَه اِثْنَا وِصَلِ هُو گِيَا تَهَا كَه هَارُونِ رَشِيْدَ نَے اِيكِ مَرْتَبَه اِبْرَے كَے اِيكِ مُكْرَے كُو دِيكِه كَر بُرَے اَطْمِيْنَانِ سَے كَهَا۔

امطری حیث شئت فیاتینی جہاں تیرے جی میں آئے جا کر برس جاتی رہی پیداوار

خراجہ۔ کا خراج بہر حال میرے ہی پاس آئے گا۔

ابن خلدون کے اندازہ کے مطابق سلطنتِ عباسیہ کی سالانہ آمدنی ہارون رشید کے زمانہ میں سا ہزار پانچ سو قنطار (سات کروڑ ڈیڑھ لاکھ دینار سے زیادہ تھی، یعنی اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ ۳۱۵) سالانہ سے زائد، جو اس زمانہ کے اعتبار سے بہت بڑی مالیت تھی، امون کے زمانہ میں

۱۵۱

کافی اضافہ ہوا، اس کثیر آمدنی میں سب سے بڑی سلطنت کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے ساری دنیا کا سامان عیش و عشرت اور ساری دنیا کے اہل کمال، صنایع و معنی، غلام، باندیاں، مصاحب و شاعر اور خوش باش و خوش فکر سمیت کئی ہزاروں لوگوں کی فراوانی عجمیوں کے اختلاط سے تمدن کی ساری خرابیاں اور تمدن زندگی کی ساری بے اعتدالیاں دارالسلام یا مرکز اسلام میں شروع ہو گئی تھیں، دولت کی بہتات، مال کی بے وقعتی اور اس وقت کے تمدن و عیش کا اندازہ کرنے کے لئے تاریخ میں مامون کی شادی کا حال پڑھ لینا کافی ہے، مورخ لکھتا ہے:-

”مامون مع خاندان شاہی و ارکان دولت و کل فوج و تمام افسران ملکی و خدام، حسن بن بہل (وزیر اعظم جس کی لڑکی سے مامون کی شادی ہو رہی تھی) کا ہمان ہوا، اور برابر انیس دن تک اس عظیم الشان بارات کی ایسی فیاضانہ حوصلہ سے ہمانداری کی گئی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی نے بھی چند روز کے لئے امیرانہ زندگی بسر کر لی، خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر شک و عنبر کی ہزاروں گولیاں تیار کی گئیں، جن پر کاغذ لپٹے ہوئے تھے، اور ہر کاغذ پر نقدا لوندی، غلام، املاک، خلعت، اسب خاصہ، جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی، تیار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا، جس کے حصے میں جو گولی آئے، اس میں جو کچھ لکھا ہوا اسی وقت وکیل الخزن سے ولادیا جائے، عام آدمیوں پر شک و عنبر کی گولیاں اور درہم و دینار تیار کئے گئے، مامون کے لئے ایک نہایت مکلف فرش بچایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا، اور گوہر و یاقوت سے مرصع تھا، مامون جب اس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اس کے قدم پر تیار کئے گئے، جو ذریں فرش پر بکھر کر نہایت دل آویز ساں دکھاتے تھے پتھر“

بغداد کے داعی الی اللہ

لیکن اسی پر عیش و عشرت بغداد میں کچھ نفوس قدسیہ تھے، جو دعوت الی اللہ، تزکیہ النفوس، علوم دینیہ

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب بحیوان (جاہظ) ج ۳ ص ۹۱، وج ۵ ص ۱۱۵ و مجلدات الاغانی۔

۲۷ مامون رسولنا شبلی نعمانی مرحوم ص ۱۵۴، بحوالہ ابن خلدون، ابوالقادر، ابن الاثیر، ابن خلکان۔

کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلم میں بہترین منہمک تھے، انھوں نے شہر کے ہنگاموں اور زندگی کی ساری دیکھیوں سے اپنے کو علیحدہ کر لیا تھا، اور اس امت کی روح اور تعلق باشر کے سرمایہ اور اسلامی زندگی کے سرچشمہ (قرآن و حدیث) کی حفاظت میں مصروف تھے، حکومت ان کو کسی قیمت پر خرید نہیں سکی، اور دنیا کی کوئی ترغیب ان کو اپنے کام سے ہٹا نہیں سکی، مادیت کے اس پر تلام سمندر میں وہ انسانی جزیرے تھے، جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے، انھوں نے بغداد میں مادی و پر عشرت زندگی کے پہلو بہ پہلو ایک خالص ایمانی اور روحانی زندگی قائم کر رکھی تھی، جو اپنی طاقت اور وسعت میں مادی و سیاسی زندگی سے کم نہ تھی، اگر خلفاء اور امراء و وزراء کا قبضہ جسموں پر تھا تو ان کی حکومت لوگوں کے دلوں اور مانگوں پر تھی، اور جہاں کہیں ان دونوں میں مقابلہ پیش آتا تو اکثر اوقات انہی کا غلبہ ثابت ہوتا، سلطان وقت ہارون رشید اپنے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ رقبہ میں مقیم تھا کہ شہور امام حدیث اور مرد صالح حضرت عبدالشہین مبارک کی آمد ہوئی، شہر کی ساری آبادی ان کے استقبال کے لئے نکل پڑی، خلیفہ تنہا رہ گیا، ازدحام کا یہ حال تھا کہ جوتیاں ٹوٹ گئیں، ہارون کی ایک کنیز بالاخانہ سے دیکھ رہی تھی، پوچھا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خراسان کے ایک عالم آئے ہیں، جن کا نام عبدالشہین مبارک ہے، اس نے کہا کہ یہ ہے بادشاہی نہ کہ ہارون کی بادشاہی کہ بغیر پولیس اور اہل کاروں کے جمع ہی نہیں ہوتے۔

یہ ایمانی اور علمی زندگی بغداد میں صاف نمایاں تھی، بغداد جس طرح عیش و عشرت اور مال و دولت کا گہوارہ تھا، اور اس کے طالب دنیا کے گوشہ گوشہ سے سمت کر یہاں جمع ہو گئے تھے، اسی طرح علم و عمل، صلاح و تقویٰ اور دعوت و اصلاح کا بھی سب سے بڑا مرکز تھا، جہاں اس فن کے امام اور اس فن کے طالب پورے عالم اسلام سے آکر جمع ہو گئے تھے، طبقات و تراجم کی کتابیں دیکھنے سے تو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ بغداد میں صلحاء و علماء کے علاوہ اور کوئی بستا ہی نہ تھا، اور قال اللہ و قال الرسول کے سوا کوئی صدا بلند نہیں ہوتی تھی، یہ دینی رونق اور عین مرکز حکومت میں دین و اصلاح کی یہ دعوت انہی مجاہد بندوں کے دم سے تھی، جنہوں نے اسی کام کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیا تھا، اس سلسلہ میں سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، جنید بغدادی

معروف کرخی، اور بشرحانی کا نام اور کام سب سے زیادہ نمایاں اور روشن ہے، ان حضرات کے اعمال و اخلاق، سچی خدا ترسی، بے لوث زاہدانہ زندگی، مخلوق سے استغناء، ایشیا رو بے نفسی، بے ترغیب خدمت خلق، اور ایسا ہی کیفیات غیر مسلم آبادی تک پر اثر ڈالتی تھیں، ان کی ذات سے اسلام کا اخلاقی وقار قائم تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ ان کی تقریریں سن کر اور ان کے اعمال و اخلاق دیکھ کر بہ کثرت یہودی، عیسائی، مجوسی اور صابئی مسلمان ہوتے تھے۔



۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) اور حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) اور تاریخ ابن خلکان۔

تدوین حدیث و فقہ

امت کی دو فوری ضرورتیں

امت کی روح اور اس کے اخلاق کی حفاظت کے ساتھ (جس کا سلسلہ برابر جاری تھا) امت کی اجتماعی زندگی و معاشرت اور معاملات و سیاست کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی اور اس بات کی ضمانت کی کہ وہ آئندہ بھی اسلام کے اصول و فرائض کے مطابق ہوں گے اس وقت دو بڑے عظیم (ایشیا و افریقہ) اور بڑے اہم یورپ کا ایک حصہ (اسپین) اسلام کی نگرانی و ولایت میں تھے اسلام کی سلطنت روئے زمین کی سب سے بڑی وسیع اور سب سے طویل و عریض سلطنت تھی جو دنیا کے تمدن ترین ممالک پر مشتمل تھی نئے حالات و مسائل سے مسلمانوں کا سابقہ تھا تجارت و زراعت جزیرہ و خراج محکومین، مفتوحہ ممالک کے نئے نئے مسائل درپیش تھے قدیم عادات و رواج کا بہت بڑا ذخیرہ اور نئی نئی ضروریات تھیں جو مسلمانوں کی قوت فیصلہ اور اسلامی احکام کی منتظر تھیں ان میں سے نہ کسی ضرورت کو ٹالا جاسکتا تھا نہ سرسری طور پر ان سے گذرا جاسکتا تھا حکومت مفصل و مکمل آئین و قانون سلطنت کی طالب تھی حکومت کی انتظامی مشین کو روکا نہیں جاسکتا تھا اگر قانون اسلامی کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو وہ رومی یا ایرانی قانون کو اختیار کرنے پر مجبور تھی جس کا نتیجہ وہ ہوتا جو اس وقت کی نام نہاد اسلامی سلطنتوں کا ہوا ہے علماء کی ذرا سی غفلت اور محافظین سنت کی دماغی کاہلی اور راحت پسندی اس امت کو ہزاروں برس کے لئے اسلامی معاشرت اور اس کے اجتماعی قوانین کی برکت محروم کر دیتی تھی

ع یک محظ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد

اس وقت دو مسئلوں کی طرف قوری توجہ کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ حدیث و سنت کے سرمایہ کو محفوظ و مدون کر لیا جائے، جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں میں تھا یہ نئے مسائل کے استنباط کا بہت بڑا ذریعہ اور فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا ماخذ تھا، اسی کے ساتھ وہ امت کے اسلامی مزاج اور زندگی کے اسلامی سانچے کی حفاظت کا بھی ذریعہ تھا، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ مفصل اور مستند سیرت ہے، وہ زمانہ نبوت کے تیس برسوں کا ایک طرح کا روزنامہ ہے، جو کسی پیغمبر کی امت کو حاصل نہیں اس کا ضائع ہو جانا بہت بڑا علمی و دینی سانحہ تھا، علاوہ بریں اس میں امت کی اخلاقی اصلاح، اعتدال، صحیح روحانیت زہد و تقویٰ اور تغیر و انقلاب پر ابھارنے والی زبردست طاقت ہے، جس کے اثر سے ہر زمانہ میں اہل دعوت و اہل عربیت پیدا ہوتے رہیں گے اور ہر زمانہ کی مسلمان سوسائٹی کا شرعی و اخلاقی احتساب ہو سکے گا، اور ہر زمانہ اور ہر طبقہ کی بدعات کا مقابلہ کیا جاسکے گا۔

دوسری ضرورت فقہ کی تدوین اور استنباط و اجتہاد کی تھی، قرآن و حدیث میں اگرچہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اصول و کلیات موجود ہیں، اور ان سے باہر کہیں جانے کی ضرورت نہیں، مگر زندگی متغیر ہے اور انسان کے حالات و ضروریات غیر محدود اور بے حد متنوع، ان اصول و کلیات کے زندگی کے ان تغیرات و تنوعات پر حاوی بنانے کے لئے اور ہر نئی حالت اور نئی ضرورت کے لئے ان کی ترقی و تشریح کے لئے اجتہاد و استنباط کی ضرورت تھی۔

۱۔ حدیث کے صحیح و تدوین کا کام محدث تابعین سے شروع ہو چکا تھا، اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو توجہ دینی کامیابی گزر چکا ہے، دوسری صدی میں حدیث کے مختلف مجموعے تیار ہو چکے تھے جن میں سے ابن شہاب زہری (م ۱۸۰) اور ابن جریر (م ۲۵۰) ابن اسحاق (م ۱۵۱) سید ابن ابی عروبہ مدنی (م ۱۵۶) عمر بن یزید (م ۱۵۳) ربیع بن صبیح (م ۱۶۰) وغیرہ کے مجموعے خاص طور پر مشہور ہیں، لیکن ضرورت تھی کہ اس کو زیادہ علمی و ترقی یافتہ شکل پر انجام دیا جائے۔

تذوین حدیث

پہلی ضرورت کے لئے قدرتی طور پر یہ انتظام ہوا کہ ظہور اسلام کے لئے اس ملک اور قوم کا انتخاب ہوا جو اپنی راست گفتاری، امانت اور قوت حفظ میں دنیا میں ممتاز تھی، صحابہ کرامؓ نے جو کچھ دیکھا جو کچھ سنا، اس کو محفوظ کر لیا، اور بے کم و کاست دوسری نسل کو پہنچا دیا، دوسری قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کے بت تراشے اور ان کی تصویریں بنائیں، اسلام میں بت تراشی اور صورت گری حرام ہے، مگر صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و عادات کا ایسا جتنا جاگتا مرتق پیش کر دیا، جس کی موجودگی میں کسی تصویر کی ضرورت نہیں، اور جو تصویر کے تمام مفاسد سے پاک ہے۔

محدثین کی بلند ہمتی اور جفاکشی

پھر ان روایات کی حفاظت و اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے صدہا کی تعداد میں ایسے بلند و صلہ، تازہ دم، پر جوش طالب علم بھیجا کر دیئے، جو قوت حافظہ و ذکاوت میں بے نظیر تھے، ان کا سیلاب عجم کے ملکوں سے اٹھ آیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حدیث کا ایسا عشق بھر دیا کہ ان کے لئے چین سے بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا، ان کو ہر جگہ سے اس علم کو حاصل کرنے اور اپنے سینہ اور سفینہ میں محفوظ کرنے کی دھن تھی، علوم کی تاریخ اور پیغمبروں کی استوں میں اس عشق اور دھن اور پھر اس احتیاط و امانت کی مثال نہیں ملتی، انھوں نے ان احادیث کو جمع کرنے اور ان روایات کو ان کے راویوں سے سننے کے لئے اسلامی دنیا کا کونہ کونہ چھان ڈالا، اس بادیہ پیمالی کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے ۱۴۱ برس کے سن میں سیاحت شروع کر دی تھی، بخارا سے لے کر مصر تک سارے ممالک انھوں نے گھنگال ڈالے، امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ میں نے تین ہزار فرسخ (نو ہزار میل) سے زیادہ مسافرت پیادہ پاٹے کی، پھر میں نے سیلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا، محدث اندلس ابن حیوان نے حدیث اندلس، عراق، حجاز،

اور یمن کے شیوخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ کی، گویا پنجہ سے لے کر سونز تک سارا بزرگ عالم افریقہ اور بحر احمر
 لے گیا، بہتے محدثین کا سفر نامہ تین تین بزرگوں ایشیا، افریقہ، یورپ (اسپین) پر مشتمل ہے، اس وقت کی تمدن و
 معروف دنیا کے مغرب بعید (اندلس) سے مشرق بعید (خراسان) تک سفر کرنا اور شہر شہر ہر نا تو معمولی بات تھی۔

فن اسما الرجال

ان مخلصین نے صرف حدیث و روایات کے جمع و تدوین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ درمیانی واسطوں کی بھی
 تحقیق کی، اور ان تمام راویوں کے نام و نشان و تاریخ زندگی اور اخلاق و عادات کو محفوظ کر دیا، جن کے
 توسط سے یہ روایات ان کو پہنچی تھیں، اس طرح جس ذات گرامی کے متعلق "وَسَفَعْنَا لَكَ ذِكْرًا" کا
 وعدہ اور اطلاع تھی، اس کی بدولت لاکھوں اشخاص کی زندگی روشنی میں آگئی، ان ہزاروں لاکھوں انسانوں
 کی اہمیت کی وجہ سے صرف یہ تھی کہ وہ اس ہستی کے اقوال و اعمال و احوال میں سے کسی جز کے راوی اور اس سلسلہ
 روایت کے ایک ناقل تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث و روایات کی تدوین کے ساتھ ساتھ ایک نیا علم "اسما
 الرجال" کا وجود میں آ گیا، یہ علم محدثین کی عالی ہستی، علمی شغف، تحقیقی ذوق اور احساس ذمہ داری کی روشن
 مثال ہے، اس امت کا ایک قابل فخر کارنامہ ہے، ڈاکٹر اسپرنگ نے "الاصابة في علم الرجال" (صافظ ابن حجر)
 کے انگریزی مقدمہ میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ۔

• کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح "اسما

الرجال" کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم

ہو سکتا ہو!

۱۔ یہ شالین علمائے ملت "مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم" سے اخذ ہوا، تفصیل کے لئے لاکھوں کتابوں کے مطالعہ سے

۲۔ مطبوعہ ملکہ ۱۸۵۳ء، ۱۸۶۳ء، ۱۸۷۳ء، ۱۸۸۳ء، ۱۸۹۳ء، ۱۹۰۳ء، ۱۹۱۳ء، ۱۹۲۳ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۴۳ء، ۱۹۵۳ء، ۱۹۶۳ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۹۳ء، ۲۰۰۳ء، ۲۰۱۳ء، ۲۰۲۳ء، ۲۰۳۳ء، ۲۰۴۳ء، ۲۰۵۳ء، ۲۰۶۳ء، ۲۰۷۳ء، ۲۰۸۳ء، ۲۰۹۳ء، ۲۱۰۳ء، ۲۱۱۳ء، ۲۱۲۳ء، ۲۱۳۳ء، ۲۱۴۳ء، ۲۱۵۳ء، ۲۱۶۳ء، ۲۱۷۳ء، ۲۱۸۳ء، ۲۱۹۳ء، ۲۲۰۳ء، ۲۲۱۳ء، ۲۲۲۳ء، ۲۲۳۳ء، ۲۲۴۳ء، ۲۲۵۳ء، ۲۲۶۳ء، ۲۲۷۳ء، ۲۲۸۳ء، ۲۲۹۳ء، ۲۳۰۳ء، ۲۳۱۳ء، ۲۳۲۳ء، ۲۳۳۳ء، ۲۳۴۳ء، ۲۳۵۳ء، ۲۳۶۳ء، ۲۳۷۳ء، ۲۳۸۳ء، ۲۳۹۳ء، ۲۴۰۳ء، ۲۴۱۳ء، ۲۴۲۳ء، ۲۴۳۳ء، ۲۴۴۳ء، ۲۴۵۳ء، ۲۴۶۳ء، ۲۴۷۳ء، ۲۴۸۳ء، ۲۴۹۳ء، ۲۵۰۳ء، ۲۵۱۳ء، ۲۵۲۳ء، ۲۵۳۳ء، ۲۵۴۳ء، ۲۵۵۳ء، ۲۵۶۳ء، ۲۵۷۳ء، ۲۵۸۳ء، ۲۵۹۳ء، ۲۶۰۳ء، ۲۶۱۳ء، ۲۶۲۳ء، ۲۶۳۳ء، ۲۶۴۳ء، ۲۶۵۳ء، ۲۶۶۳ء، ۲۶۷۳ء، ۲۶۸۳ء، ۲۶۹۳ء، ۲۷۰۳ء، ۲۷۱۳ء، ۲۷۲۳ء، ۲۷۳۳ء، ۲۷۴۳ء، ۲۷۵۳ء، ۲۷۶۳ء، ۲۷۷۳ء، ۲۷۸۳ء، ۲۷۹۳ء، ۲۸۰۳ء، ۲۸۱۳ء، ۲۸۲۳ء، ۲۸۳۳ء، ۲۸۴۳ء، ۲۸۵۳ء، ۲۸۶۳ء، ۲۸۷۳ء، ۲۸۸۳ء، ۲۸۹۳ء، ۲۹۰۳ء، ۲۹۱۳ء، ۲۹۲۳ء، ۲۹۳۳ء، ۲۹۴۳ء، ۲۹۵۳ء، ۲۹۶۳ء، ۲۹۷۳ء، ۲۹۸۳ء، ۲۹۹۳ء، ۳۰۰۳ء، ۳۰۱۳ء، ۳۰۲۳ء، ۳۰۳۳ء، ۳۰۴۳ء، ۳۰۵۳ء، ۳۰۶۳ء، ۳۰۷۳ء، ۳۰۸۳ء، ۳۰۹۳ء، ۳۱۰۳ء، ۳۱۱۳ء، ۳۱۲۳ء، ۳۱۳۳ء، ۳۱۴۳ء، ۳۱۵۳ء، ۳۱۶۳ء، ۳۱۷۳ء، ۳۱۸۳ء، ۳۱۹۳ء، ۳۲۰۳ء، ۳۲۱۳ء، ۳۲۲۳ء، ۳۲۳۳ء، ۳۲۴۳ء، ۳۲۵۳ء، ۳۲۶۳ء، ۳۲۷۳ء، ۳۲۸۳ء، ۳۲۹۳ء، ۳۳۰۳ء، ۳۳۱۳ء، ۳۳۲۳ء، ۳۳۳۳ء، ۳۳۴۳ء، ۳۳۵۳ء، ۳۳۶۳ء، ۳۳۷۳ء، ۳۳۸۳ء، ۳۳۹۳ء، ۳۴۰۳ء، ۳۴۱۳ء، ۳۴۲۳ء، ۳۴۳۳ء، ۳۴۴۳ء، ۳۴۵۳ء، ۳۴۶۳ء، ۳۴۷۳ء، ۳۴۸۳ء، ۳۴۹۳ء، ۳۵۰۳ء، ۳۵۱۳ء، ۳۵۲۳ء، ۳۵۳۳ء، ۳۵۴۳ء، ۳۵۵۳ء، ۳۵۶۳ء، ۳۵۷۳ء، ۳۵۸۳ء، ۳۵۹۳ء، ۳۶۰۳ء، ۳۶۱۳ء، ۳۶۲۳ء، ۳۶۳۳ء، ۳۶۴۳ء، ۳۶۵۳ء، ۳۶۶۳ء، ۳۶۷۳ء، ۳۶۸۳ء، ۳۶۹۳ء، ۳۷۰۳ء، ۳۷۱۳ء، ۳۷۲۳ء، ۳۷۳۳ء، ۳۷۴۳ء، ۳۷۵۳ء، ۳۷۶۳ء، ۳۷۷۳ء، ۳۷۸۳ء، ۳۷۹۳ء، ۳۸۰۳ء، ۳۸۱۳ء، ۳۸۲۳ء، ۳۸۳۳ء، ۳۸۴۳ء، ۳۸۵۳ء، ۳۸۶۳ء، ۳۸۷۳ء، ۳۸۸۳ء، ۳۸۹۳ء، ۳۹۰۳ء، ۳۹۱۳ء، ۳۹۲۳ء، ۳۹۳۳ء، ۳۹۴۳ء، ۳۹۵۳ء، ۳۹۶۳ء، ۳۹۷۳ء، ۳۹۸۳ء، ۳۹۹۳ء، ۴۰۰۳ء، ۴۰۱۳ء، ۴۰۲۳ء، ۴۰۳۳ء، ۴۰۴۳ء، ۴۰۵۳ء، ۴۰۶۳ء، ۴۰۷۳ء، ۴۰۸۳ء، ۴۰۹۳ء، ۴۱۰۳ء، ۴۱۱۳ء، ۴۱۲۳ء، ۴۱۳۳ء، ۴۱۴۳ء، ۴۱۵۳ء، ۴۱۶۳ء، ۴۱۷۳ء، ۴۱۸۳ء، ۴۱۹۳ء، ۴۲۰۳ء، ۴۲۱۳ء، ۴۲۲۳ء، ۴۲۳۳ء، ۴۲۴۳ء، ۴۲۵۳ء، ۴۲۶۳ء، ۴۲۷۳ء، ۴۲۸۳ء، ۴۲۹۳ء، ۴۳۰۳ء، ۴۳۱۳ء، ۴۳۲۳ء، ۴۳۳۳ء، ۴۳۴۳ء، ۴۳۵۳ء، ۴۳۶۳ء، ۴۳۷۳ء، ۴۳۸۳ء، ۴۳۹۳ء، ۴۴۰۳ء، ۴۴۱۳ء، ۴۴۲۳ء، ۴۴۳۳ء، ۴۴۴۳ء، ۴۴۵۳ء، ۴۴۶۳ء، ۴۴۷۳ء، ۴۴۸۳ء، ۴۴۹۳ء، ۴۵۰۳ء، ۴۵۱۳ء، ۴۵۲۳ء، ۴۵۳۳ء، ۴۵۴۳ء، ۴۵۵۳ء، ۴۵۶۳ء، ۴۵۷۳ء، ۴۵۸۳ء، ۴۵۹۳ء، ۴۶۰۳ء، ۴۶۱۳ء، ۴۶۲۳ء، ۴۶۳۳ء، ۴۶۴۳ء، ۴۶۵۳ء، ۴۶۶۳ء، ۴۶۷۳ء، ۴۶۸۳ء، ۴۶۹۳ء، ۴۷۰۳ء، ۴۷۱۳ء، ۴۷۲۳ء، ۴۷۳۳ء، ۴۷۴۳ء، ۴۷۵۳ء، ۴۷۶۳ء، ۴۷۷۳ء، ۴۷۸۳ء، ۴۷۹۳ء، ۴۸۰۳ء، ۴۸۱۳ء، ۴۸۲۳ء، ۴۸۳۳ء، ۴۸۴۳ء، ۴۸۵۳ء، ۴۸۶۳ء، ۴۸۷۳ء، ۴۸۸۳ء، ۴۸۹۳ء، ۴۹۰۳ء، ۴۹۱۳ء، ۴۹۲۳ء، ۴۹۳۳ء، ۴۹۴۳ء، ۴۹۵۳ء، ۴۹۶۳ء، ۴۹۷۳ء، ۴۹۸۳ء، ۴۹۹۳ء، ۵۰۰۳ء، ۵۰۱۳ء، ۵۰۲۳ء، ۵۰۳۳ء، ۵۰۴۳ء، ۵۰۵۳ء، ۵۰۶۳ء، ۵۰۷۳ء، ۵۰۸۳ء، ۵۰۹۳ء، ۵۱۰۳ء، ۵۱۱۳ء، ۵۱۲۳ء، ۵۱۳۳ء، ۵۱۴۳ء، ۵۱۵۳ء، ۵۱۶۳ء، ۵۱۷۳ء، ۵۱۸۳ء، ۵۱۹۳ء، ۵۲۰۳ء، ۵۲۱۳ء، ۵۲۲۳ء، ۵۲۳۳ء، ۵۲۴۳ء، ۵۲۵۳ء، ۵۲۶۳ء، ۵۲۷۳ء، ۵۲۸۳ء، ۵۲۹۳ء، ۵۳۰۳ء، ۵۳۱۳ء، ۵۳۲۳ء، ۵۳۳۳ء، ۵۳۴۳ء، ۵۳۵۳ء، ۵۳۶۳ء، ۵۳۷۳ء، ۵۳۸۳ء، ۵۳۹۳ء، ۵۴۰۳ء، ۵۴۱۳ء، ۵۴۲۳ء، ۵۴۳۳ء، ۵۴۴۳ء، ۵۴۵۳ء، ۵۴۶۳ء، ۵۴۷۳ء، ۵۴۸۳ء، ۵۴۹۳ء، ۵۵۰۳ء، ۵۵۱۳ء، ۵۵۲۳ء، ۵۵۳۳ء، ۵۵۴۳ء، ۵۵۵۳ء، ۵۵۶۳ء، ۵۵۷۳ء، ۵۵۸۳ء، ۵۵۹۳ء، ۵۶۰۳ء، ۵۶۱۳ء، ۵۶۲۳ء، ۵۶۳۳ء، ۵۶۴۳ء، ۵۶۵۳ء، ۵۶۶۳ء، ۵۶۷۳ء، ۵۶۸۳ء، ۵۶۹۳ء، ۵۷۰۳ء، ۵۷۱۳ء، ۵۷۲۳ء، ۵۷۳۳ء، ۵۷۴۳ء، ۵۷۵۳ء، ۵۷۶۳ء، ۵۷۷۳ء، ۵۷۸۳ء، ۵۷۹۳ء، ۵۸۰۳ء، ۵۸۱۳ء، ۵۸۲۳ء، ۵۸۳۳ء، ۵۸۴۳ء، ۵۸۵۳ء، ۵۸۶۳ء، ۵۸۷۳ء، ۵۸۸۳ء، ۵۸۹۳ء، ۵۹۰۳ء، ۵۹۱۳ء، ۵۹۲۳ء، ۵۹۳۳ء، ۵۹۴۳ء، ۵۹۵۳ء، ۵۹۶۳ء، ۵۹۷۳ء، ۵۹۸۳ء، ۵۹۹۳ء، ۶۰۰۳ء، ۶۰۱۳ء، ۶۰۲۳ء، ۶۰۳۳ء، ۶۰۴۳ء، ۶۰۵۳ء، ۶۰۶۳ء، ۶۰۷۳ء، ۶۰۸۳ء، ۶۰۹۳ء، ۶۱۰۳ء، ۶۱۱۳ء، ۶۱۲۳ء، ۶۱۳۳ء، ۶۱۴۳ء، ۶۱۵۳ء، ۶۱۶۳ء، ۶۱۷۳ء، ۶۱۸۳ء، ۶۱۹۳ء، ۶۲۰۳ء، ۶۲۱۳ء، ۶۲۲۳ء، ۶۲۳۳ء، ۶۲۴۳ء، ۶۲۵۳ء، ۶۲۶۳ء، ۶۲۷۳ء، ۶۲۸۳ء، ۶۲۹۳ء، ۶۳۰۳ء، ۶۳۱۳ء، ۶۳۲۳ء، ۶۳۳۳ء، ۶۳۴۳ء، ۶۳۵۳ء، ۶۳۶۳ء، ۶۳۷۳ء، ۶۳۸۳ء، ۶۳۹۳ء، ۶۴۰۳ء، ۶۴۱۳ء، ۶۴۲۳ء، ۶۴۳۳ء، ۶۴۴۳ء، ۶۴۵۳ء، ۶۴۶۳ء، ۶۴۷۳ء، ۶۴۸۳ء، ۶۴۹۳ء، ۶۵۰۳ء، ۶۵۱۳ء، ۶۵۲۳ء، ۶۵۳۳ء، ۶۵۴۳ء، ۶۵۵۳ء، ۶۵۶۳ء، ۶۵۷۳ء، ۶۵۸۳ء، ۶۵۹۳ء، ۶۶۰۳ء، ۶۶۱۳ء، ۶۶۲۳ء، ۶۶۳۳ء، ۶۶۴۳ء، ۶۶۵۳ء، ۶۶۶۳ء، ۶۶۷۳ء، ۶۶۸۳ء، ۶۶۹۳ء، ۶۷۰۳ء، ۶۷۱۳ء، ۶۷۲۳ء، ۶۷۳۳ء، ۶۷۴۳ء، ۶۷۵۳ء، ۶۷۶۳ء، ۶۷۷۳ء، ۶۷۸۳ء، ۶۷۹۳ء، ۶۸۰۳ء، ۶۸۱۳ء، ۶۸۲۳ء، ۶۸۳۳ء، ۶۸۴۳ء، ۶۸۵۳ء، ۶۸۶۳ء، ۶۸۷۳ء، ۶۸۸۳ء، ۶۸۹۳ء، ۶۹۰۳ء، ۶۹۱۳ء، ۶۹۲۳ء، ۶۹۳۳ء، ۶۹۴۳ء، ۶۹۵۳ء، ۶۹۶۳ء، ۶۹۷۳ء، ۶۹۸۳ء، ۶۹۹۳ء، ۷۰۰۳ء، ۷۰۱۳ء، ۷۰۲۳ء، ۷۰۳۳ء، ۷۰۴۳ء، ۷۰۵۳ء، ۷۰۶۳ء، ۷۰۷۳ء، ۷۰۸۳ء، ۷۰۹۳ء، ۷۱۰۳ء، ۷۱۱۳ء، ۷۱۲۳ء، ۷۱۳۳ء، ۷۱۴۳ء، ۷۱۵۳ء، ۷۱۶۳ء، ۷۱۷۳ء، ۷۱۸۳ء، ۷۱۹۳ء، ۷۲۰۳ء، ۷۲۱۳ء، ۷۲۲۳ء، ۷۲۳۳ء، ۷۲۴۳ء، ۷۲۵۳ء، ۷۲۶۳ء، ۷۲۷۳ء، ۷۲۸۳ء، ۷۲۹۳ء، ۷۳۰۳ء، ۷۳۱۳ء، ۷۳۲۳ء، ۷۳۳۳ء، ۷۳۴۳ء، ۷۳۵۳ء، ۷۳۶۳ء، ۷۳۷۳ء، ۷۳۸۳ء، ۷۳۹۳ء، ۷۴۰۳ء، ۷۴۱۳ء، ۷۴۲۳ء، ۷۴۳۳ء، ۷۴۴۳ء، ۷۴۵۳ء، ۷۴۶۳ء، ۷۴۷۳ء، ۷۴۸۳ء، ۷۴۹۳ء، ۷۵۰۳ء، ۷۵۱۳ء، ۷۵۲۳ء، ۷۵۳۳ء، ۷۵۴۳ء، ۷۵۵۳ء، ۷۵۶۳ء، ۷۵۷۳ء، ۷۵۸۳ء، ۷۵۹۳ء، ۷۶۰۳ء، ۷۶۱۳ء، ۷۶۲۳ء، ۷۶۳۳ء، ۷۶۴۳ء، ۷۶۵۳ء، ۷۶۶۳ء، ۷۶۷۳ء، ۷۶۸۳ء، ۷۶۹۳ء، ۷۷۰۳ء، ۷۷۱۳ء، ۷۷۲۳ء، ۷۷۳۳ء، ۷۷۴۳ء، ۷۷۵۳ء، ۷۷۶۳ء، ۷۷۷۳ء، ۷۷۸۳ء، ۷۷۹۳ء، ۷۸۰۳ء، ۷۸۱۳ء، ۷۸۲۳ء، ۷۸۳۳ء، ۷۸۴۳ء، ۷۸۵۳ء، ۷۸۶۳ء، ۷۸۷۳ء، ۷۸۸۳ء، ۷۸۹۳ء، ۷۹۰۳ء، ۷۹۱۳ء، ۷۹۲۳ء، ۷۹۳۳ء، ۷۹۴۳ء، ۷۹۵۳ء، ۷۹۶۳ء، ۷۹۷۳ء، ۷۹۸۳ء، ۷۹۹۳ء، ۸۰۰۳ء، ۸۰۱۳ء، ۸۰۲۳ء، ۸۰۳۳ء، ۸۰۴۳ء، ۸۰۵۳ء، ۸۰۶۳ء، ۸۰۷۳ء، ۸۰۸۳ء، ۸۰۹۳ء، ۸۱۰۳ء، ۸۱۱۳ء، ۸۱۲۳ء، ۸۱۳۳ء، ۸۱۴۳ء، ۸۱۵۳ء، ۸۱۶۳ء، ۸۱۷۳ء، ۸۱۸۳ء، ۸۱۹۳ء، ۸۲۰۳ء، ۸۲۱۳ء، ۸۲۲۳ء، ۸۲۳۳ء، ۸۲۴۳ء، ۸۲۵۳ء، ۸۲۶۳ء، ۸۲۷۳ء، ۸۲۸۳ء، ۸۲۹۳ء، ۸۳۰۳ء، ۸۳۱۳ء، ۸۳۲۳ء، ۸۳۳۳ء، ۸۳۴۳ء، ۸۳۵۳ء، ۸۳۶۳ء، ۸۳۷۳ء، ۸۳۸۳ء، ۸۳۹۳ء، ۸۴۰۳ء، ۸۴۱۳ء، ۸۴۲۳ء، ۸۴۳۳ء، ۸۴۴۳ء، ۸۴۵۳ء، ۸۴۶۳ء، ۸۴۷۳ء، ۸۴۸۳ء، ۸۴۹۳ء، ۸۵۰۳ء، ۸۵۱۳ء، ۸۵۲۳ء، ۸۵۳۳ء، ۸۵۴۳ء، ۸۵۵۳ء، ۸۵۶۳ء، ۸۵۷۳ء، ۸۵۸۳ء، ۸۵۹۳ء، ۸۶۰۳ء، ۸۶۱۳ء، ۸۶۲۳ء، ۸۶۳۳ء، ۸۶۴۳ء، ۸۶۵۳ء، ۸۶۶۳ء، ۸۶۷۳ء، ۸۶۸۳ء، ۸۶۹۳ء، ۸۷۰۳ء، ۸۷۱۳ء، ۸۷۲۳ء، ۸۷۳۳ء، ۸۷۴۳ء، ۸۷۵۳ء، ۸۷۶۳ء، ۸۷۷۳ء، ۸۷۸۳ء، ۸۷۹۳ء، ۸۸۰۳ء، ۸۸۱۳ء، ۸۸۲۳ء، ۸۸۳۳ء، ۸۸۴۳ء، ۸۸۵۳ء، ۸۸۶۳ء، ۸۸۷۳ء، ۸۸۸۳ء، ۸۸۹۳ء، ۸۹۰۳ء، ۸۹۱۳ء، ۸۹۲۳ء، ۸۹۳۳ء، ۸۹۴۳ء، ۸۹۵۳ء، ۸۹۶۳ء، ۸۹۷۳ء، ۸۹۸۳ء، ۸۹۹۳ء، ۹۰۰۳ء، ۹۰۱۳ء، ۹۰۲۳ء، ۹۰۳۳ء، ۹۰۴۳ء، ۹۰۵۳ء، ۹۰۶۳ء، ۹۰۷۳ء، ۹۰۸۳ء، ۹۰۹۳ء، ۹۱۰۳ء، ۹۱۱۳ء، ۹۱۲۳ء، ۹۱۳۳ء، ۹۱۴۳ء، ۹۱۵۳ء، ۹۱۶۳ء، ۹۱۷۳ء، ۹۱۸۳ء، ۹۱۹۳ء، ۹۲۰۳ء، ۹۲۱۳ء، ۹۲۲۳ء، ۹۲۳۳ء، ۹۲۴۳ء، ۹۲۵۳ء، ۹۲۶۳ء، ۹۲۷۳ء، ۹۲۸۳ء، ۹۲۹۳ء، ۹۳۰۳ء، ۹۳۱۳ء، ۹۳۲۳ء، ۹۳۳۳ء، ۹۳۴۳ء، ۹۳۵۳ء، ۹۳۶۳ء، ۹۳۷۳ء، ۹۳۸۳ء، ۹۳۹۳ء، ۹۴۰۳ء، ۹۴۱۳ء، ۹۴۲۳ء، ۹۴۳۳ء، ۹۴۴۳ء، ۹۴۵۳ء، ۹۴۶۳ء، ۹۴۷۳ء، ۹۴۸۳ء، ۹۴۹۳ء، ۹۵۰۳ء، ۹۵۱۳ء، ۹۵۲۳ء، ۹۵۳۳ء، ۹۵۴۳ء، ۹۵۵۳ء، ۹۵۶۳ء، ۹۵۷۳ء، ۹۵۸۳ء، ۹۵۹۳ء، ۹۶۰۳ء، ۹۶۱۳ء، ۹۶۲۳ء، ۹۶۳۳ء، ۹۶۴۳ء، ۹۶۵۳ء، ۹۶۶۳ء، ۹۶۷۳ء، ۹۶۸۳ء، ۹۶۹۳ء، ۹۷۰۳ء، ۹۷۱۳ء، ۹۷۲۳ء، ۹۷۳۳ء، ۹۷۴۳ء، ۹۷۵۳ء، ۹۷۶۳ء، ۹۷۷۳ء، ۹۷۸۳ء، ۹۷۹۳ء، ۹۸۰۳ء، ۹۸۱۳ء، ۹۸۲۳ء، ۹۸۳۳ء، ۹۸۴۳ء، ۹۸۵۳ء، ۹۸۶۳ء، ۹۸۷۳ء، ۹۸۸۳ء، ۹۸۹۳ء، ۹۹۰۳ء، ۹۹۱۳ء، ۹۹۲۳ء، ۹۹۳۳ء، ۹۹۴۳ء، ۹۹۵۳ء، ۹۹۶۳ء، ۹۹۷۳ء، ۹۹۸۳ء، ۹۹۹۳ء، ۱۰۰۰۳ء، ۱۰۰۱۳ء، ۱۰۰۲۳ء، ۱۰۰۳۳ء، ۱۰۰۴۳ء، ۱۰۰۵۳ء، ۱۰۰۶۳ء، ۱۰۰۷۳ء، ۱۰۰۸۳ء، ۱۰۰۹۳ء، ۱۰۱۰۳ء، ۱۰۱۱۳ء، ۱۰۱۲۳ء، ۱۰۱۳۳ء، ۱۰۱۴۳ء، ۱۰۱۵۳ء، ۱۰۱۶۳ء، ۱۰۱۷۳ء، ۱۰۱۸۳ء، ۱۰۱۹۳ء، ۱۰۲۰۳ء، ۱۰۲۱۳ء، ۱۰۲۲۳ء، ۱۰۲۳۳ء، ۱۰۲۴۳ء، ۱۰۲۵۳ء، ۱۰۲۶۳ء، ۱۰۲۷۳ء، ۱۰۲۸۳ء، ۱۰۲۹۳ء، ۱۰۳۰۳ء، ۱۰۳۱۳ء، ۱۰۳۲۳ء، ۱۰۳۳۳ء، ۱۰۳۴۳ء، ۱۰۳۵۳ء، ۱۰۳۶۳ء، ۱۰۳۷۳ء، ۱۰۳۸۳ء، ۱۰۳۹۳ء، ۱۰۴۰۳ء، ۱۰۴۱۳ء، ۱۰۴۲۳ء، ۱۰۴۳۳ء، ۱۰۴۴۳ء، ۱۰۴۵۳ء، ۱۰۴۶۳ء، ۱۰۴۷۳ء، ۱۰۴۸۳ء، ۱۰۴۹۳ء، ۱۰۵۰۳ء، ۱۰۵۱۳ء، ۱۰۵۲۳ء، ۱۰۵۳۳ء، ۱۰۵۴۳ء، ۱۰۵۵۳ء، ۱۰۵۶۳ء، ۱۰۵۷۳ء، ۱۰۵۸۳ء، ۱۰۵۹۳ء، ۱۰۶۰۳ء، ۱۰۶۱۳ء، ۱۰۶۲۳ء، ۱۰۶۳۳ء، ۱۰۶۴۳ء، ۱۰۶۵۳ء، ۱۰۶۶۳ء، ۱۰۶۷۳ء، ۱۰۶۸۳ء، ۱۰۶۹۳ء، ۱۰۷۰۳ء، ۱۰۷۱۳ء، ۱۰۷۲۳ء، ۱۰۷۳۳ء، ۱۰۷۴۳ء، ۱۰۷۵۳ء، ۱۰۷۶۳ء، ۱۰۷۷۳ء، ۱۰۷۸۳ء، ۱۰۷۹۳ء، ۱۰۸۰۳ء، ۱۰۸۱۳ء، ۱۰۸۲۳ء، ۱۰۸۳۳ء، ۱۰۸۴۳ء، ۱۰۸۵۳ء، ۱۰۸۶۳ء، ۱۰۸۷۳ء، ۱۰۸۸۳ء، ۱۰۸۹۳ء، ۱۰۹۰۳ء، ۱۰۹۱۳ء، ۱۰۹۲۳ء، ۱۰۹۳۳ء، ۱۰۹۴۳ء، ۱۰۹۵۳ء، ۱۰۹۶۳ء، ۱۰۹۷۳ء، ۱۰۹۸۳ء، ۱۰۹۹۳ء، ۱۱۰۰۳ء، ۱۱۰۱۳ء، ۱۱۰۲۳ء، ۱۱۰۳۳ء، ۱۱۰۴۳ء، ۱۱۰۵۳ء، ۱۱۰۶۳ء، ۱۱۰۷۳ء، ۱۱۰۸۳ء، ۱۱۰۹۳ء، ۱۱۱۰۳ء، ۱۱۱۱۳ء، ۱۱۱۲۳ء، ۱۱۱۳۳ء، ۱۱۱۴۳ء، ۱۱۱۵۳ء، ۱۱۱۶۳ء، ۱۱۱۷۳ء، ۱۱۱۸۳ء، ۱۱۱۹۳ء، ۱۱۲۰۳ء، ۱۱۲۱۳ء، ۱۱۲۲۳ء، ۱۱۲۳۳ء، ۱۱۲۴۳ء، ۱۱۲۵۳ء، ۱۱۲۶۳ء، ۱۱۲۷۳ء، ۱۱۲۸۳ء، ۱۱۲۹۳ء، ۱۱۳۰۳ء، ۱۱۳۱۳ء، ۱۱۳۲۳ء، ۱۱۳۳۳ء، ۱۱۳۴۳ء، ۱۱۳۵۳ء، ۱۱۳۶۳ء، ۱۱۳۷۳ء، ۱۱۳۸۳ء، ۱۱۳۹۳ء، ۱۱۴۰۳ء، ۱۱۴۱۳ء، ۱۱۴۲۳ء، ۱۱۴۳۳ء، ۱۱۴۴۳ء، ۱۱۴۵۳ء، ۱۱۴۶۳ء، ۱۱۴۷۳ء، ۱۱۴۸۳ء، ۱۱۴۹۳ء، ۱۱۵۰۳ء، ۱۱۵۱۳ء، ۱۱۵۲۳ء، ۱۱۵۳۳ء، ۱۱۵۴۳ء، ۱۱۵۵۳ء، ۱۱۵۶۳ء، ۱۱۵۷۳ء، ۱۱۵۸۳ء، ۱۱۵۹۳ء، ۱۱۶۰۳ء، ۱۱۶۱۳ء، ۱۱۶۲۳ء، ۱۱۶۳۳ء، ۱۱۶۴۳ء، ۱۱۶۵۳ء، ۱۱۶۶۳ء، ۱۱۶۷۳ء، ۱۱۶۸۳ء، ۱۱۶۹۳ء، ۱۱۷۰۳ء، ۱۱۷۱۳ء، ۱۱۷۲۳ء، ۱۱۷۳۳ء، ۱۱۷۴۳ء، ۱۱۷۵۳ء، ۱۱۷۶۳ء، ۱۱۷۷۳ء، ۱۱۷۸۳ء، ۱۱۷۹۳ء، ۱۱۸۰۳ء، ۱۱۸۱۳ء، ۱۱۸۲۳ء، ۱۱۸۳۳ء، ۱۱۸۴۳ء، ۱۱۸۵۳ء، ۱۱۸۶۳ء، ۱۱۸۷۳ء، ۱۱۸۸۳ء، ۱۱۸۹۳ء، ۱۱۹۰۳ء

محدثین کی احتیاط و امانت

محدثین نے نہ صرف رجال حدیث کے حالات جمع و محفوظ کر دیئے بلکہ صحیح حالات لکھنے کی پابندی کی اور ان کے اخلاق و عادات، قوت و ضعف، احتیاط و بے احتیاطی، دیانت و تقویٰ، علم و حافظہ کے متعلق ان کے معاصرین کے بیانات اور قہرسم کی معلومات یکجا کر دیئے، اور ان کے بارہ میں کسی روایت سے کام نہیں لیا، خواہ ان کے زمانہ میں حاکم ہوں یا اپنے وقت کے بڑے زاہد ہوں۔

مرادلوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعتاً آج اسلام کے مناخ میں ہیں، راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امرا بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک جیسی ہوتی تھی، مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی، اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا، امام و کتب بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان کی روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے کو ضرور دہلا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟

مسعودی ایک محدث ہیں، ۱۵۴ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی، یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاذ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرافیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا، کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانتداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۳ ۲۔ ایضاً ۶ ص ۲۱۱ ۳۔ ایضاً ۶ ص ۲۱۱ ۴۔ خطبات مدراس ص ۵۹-۶۰

قوتِ حافظہ اور استحضار

محدثین کی یہ جماعت ایران و ترکستان کا بہترین دماغی جوہر تھا، وہ نسلاً بڑے تندرست، توانا، دلجو، جفاکش، عالی حوصلہ، علم کے حریص اور حافظہ کے نہایت قوی تھے، حافظہ پر اعتماد اور اس سے کام لینے کی وجہ سے (تمام انسانی اعضاء کی طرح جو پرورش اور ورزش سے غیر معمولی طور پر طاقتور ہو جاتے ہیں) ان کا حافظہ اپنی قوت سے حفظ کے حیرت انگیز نمونے پیش کرتا تھا، جو ضعف و کمزوری کے اس خالص کتابی دور میں بعض اوقات ناقابلِ فہم معلوم ہوتے ہیں، لیکن تاریخ ان کے وقوع کی متواتر شہادتیں ہم پہنچاتی ہے اور تجربات ان کے امکان کی تصدیق کرتے ہیں، اور ان کی علمی توجیہ بالکل مشکل نہیں، کثرتِ کار، مناسبتِ تام اور اپنے موضوع سے عشق و شغف ایسا ملکہ پیدا کر دیتا ہے، اور انتقالِ ذہنی کے ایسے نمونے ظاہر ہوتے ہیں، جو غیر متعلقہ اشخاص کے لئے غیرت انگیز ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ جب بغداد آئے تو علماء بغداد نے ان کے امتحان کا یہ طریقہ جو بزرگی اور شہادتوں کی سند اور متن (مضمون حدیث) کو الٹ دیا، ایک حدیث کی سند دوسرے متن کے ساتھ اور ایک حدیث کا متن دوسری سند کے ساتھ لگا دیا، اور دس دس حدیثوں کو ایک ایک شخص کے لئے لکھا، وہ ان سے سوال کرے، امام بخاریؒ جب مجلس میں آئے تو ایک ایک شخص نے دس دس حدیثیں سنائیں، اور ان کی علامتیں یاد کی، وہ سنتے اور فرماتے کہ میں ان حدیثوں سے واقف نہیں، اہل علم اس راز کو سمجھا، اور بنا واقعہ اشخاص ان کی لاعلمی پر مسکرائے، جب سب نے اپنے اپنے حصہ کی حدیثیں سنائیں تو امام نے باری باری ایک ایک کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ آپ نے جو دس حدیثیں سنائی تھیں ان کا متن یہ ہے، اور ان کی سند یہ ہے، پھر دوسرے تیسرے کی طرف توجہ کی، یہاں تک کہ سب کی احادیث کی تصحیح کر دی، اور جس سند کا جو متن تھا، اور جس متن کی جو سند تھی، وہ بیان کی، لوگ ان کی وسعت نظر، حاضر دماغی اور حافظہ پر انگشت بستہ بندان رہ گئے۔

۱۰۰ مقدمہ فتح الباری ص ۲۸۷

ذریعہ ہے اس سربراہ میں امام بخاری کی صحیح بخاری امام مسلم کی صحیح مسلم (جن کو اکثر صحیحین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے) اور جس حدیث کو ان دونوں نے روایت کیا ہے اس کو متفق علیہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں (جو حدیث کا اولیٰ درجہ ہے) سب سے ممتاز اور بلند پایہ ہیں، ان دونوں کے بعد امام مالک کی موطا اور امام ترمذی کی جامع امام ابو داؤد، بیہقی کی سنن ابی داؤد، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ کے مجموعے اپنی بہت سی خصوصیتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں، ان بعد کی اصلاحی کوششوں اور تجدیدی کارناموں میں محدثین کرام کی ان ابتدائی محنتوں کا بہت بڑا حصہ ہے آج بھی کوئی سنجیدہ اور وقیع اصلاحی تحریک اور دینی انقلاب کی کوشش اس عملی ذخیرہ سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔

تدوین فقہ

اسی طرح فقہ کی تدوین مسائل کا استنباط و استخراج جو جزئیات و فتاویٰ کی ترتیب اسلام کی ایسی عملی ضرورت تھی جس کو بالکل موخر نہیں کیا جاسکتا تھا، اسلام جو میرے ملک کرشم، عراق، مصر و ایران اور دوسرے وسیع اور زرخیز ملکوں میں پھیل گیا تھا، معاشرت، تجارت، انتظام ملکی سب بہت وسیع اور پھیلاؤ شکلیں اختیار کر گئے تھے، اس وقت ان نئے حالات و مسائل میں اسلام کے اصول کی تطبیق کے لئے بڑی اہلی ذہانت، معاملہ فہمی، باریک بینی، زندگی اور سوسائٹی سے وسیع واقفیت، انسانی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے باخبری قوم کے طبقات اور زندگی کے مختلف شعبوں کی اطلاع اور اس شعبہ اسلام کی تاریخ و عادات اور روح شریعت گہری واقفیت، عمدہ رسالت اور زمانہ، صحابہ کے حالات سے پوری آگاہی اور اسلام کے

لہذا وہ اثر ہے جو اللہ الباقی صحیحین کے متعلق لکھے ہیں اما الصحیحان فقد اتفق اللہ فیہما علی ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانہما متواتران الیٰ مصنفہما وانہ کل من یؤتی امرہما فہو متبع متبع خیر من اللہین (یعنی محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جتنی متصل مرفوع روایا ہیں ان دونوں پر صحیح ہے اور ان دونوں کتابوں کی نسبت اپنے مصنفین کی تواتر سے ثابت ہے اور جو شخص ان دونوں کتابوں کا تحقیر کرتا ہے وہ جتھے اور اہل ایمان کا راستہ چھوڑ کر چلا جائے)

پورے علمی ذخیرہ (قرآن و حدیث اور لغت و قواعد) پر کامل عبور کی ضرورت تھی۔

اممہ اربعہ اور ان کی خصوصیات

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل تھا، اور اس امت کی اقبال مندی کہ اس کا عظیم کئے ایسے لوگ میدان میں آئے جو اپنی ذہانت، دیانت، اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) جو فقہ کے چار دوستان فکر کے امام ہیں اور جن کی فقہ اس وقت تک عالم اسلام میں زندہ اور مقبول ہے اپنے تعلق باللہ، لہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبہ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند مقصد اور اس اہم خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں انھوں نے دنیا کے کسی جاہ و اعزاز اور کسی لذت و راحت سے سروکار نہیں رکھا تھا، امام ابو حنیفہ کو دو بار عہدہ قضا پیش کیا گیا، اور انھوں نے انکار کیا یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا، امام مالک نے ایک مسئلہ کے اظہار میں کوٹے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے، امام شافعی نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گزارا، اور اپنی صحت قربان کر دی، امام احمد نے تنہا حکومت وقت کے رجمان اور اس کے سرکاری مسلک کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک و راہی سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جے رہے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تنہا اتنا کام کیا اور مسائل و تحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا جو بڑی بڑی منظم جامعیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کر سکتے، امام ابو حنیفہ نے تراسی ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کئے، جن میں سے اڑتیس ہزار عبادت سے تعلق رکھتے ہیں، اور پینتالیس ہزار معاملات سے۔

لے مسئلہ یہ تھا کہ عبور کی طلاق کا کچھ اعتبار نہیں، اس مسئلہ کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ خلفاء کے لئے جو بیعت لی جاتی تھی، اس میں یہ کہلایا جاتا تھا کہ اگر بیعت توڑی تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی، اگر عبور کی طلاق کا اعتبار نہیں تو بیعت کے اس حلف نامے میں کوئی طاقت اور تاثیر باقی نہیں رہ جاتی، اسی بنا پر حکومت کو امام مالک کے اس فتوے سے بڑی تشویش لاحق ہوئی، اور اس کے حکام نے ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ ۱۵۰۰ خبر الاسلام ج ۱۰ مناقب ابی حنیفہ لکھی ص ۹۶۔ ج ۲ ص ۱۵۸

شمس الائمہ کروری نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد چھ لاکھ ہے، المدنی نے جو امام مالک کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، چھتیس ہزار مسائل ہیں، کتاب لام جو امام شافعی کے افادات کا مجموعہ ہے، سات ضخیم جلدوں میں ہے، ابو بکر خلیل (م ۳۳۰) نے امام احمد کے مسائل چالیس جلدوں میں جمع کئے۔

ائمہ اربعہ کے شاگرد و جانشین

پھر ان کو شاگرد ایسے متاز لے جنہوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیا اور ان کی تصحیح و ترتیب کا کام جاری رکھا، امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف جیسا قانونی دماغ نظر آتا ہے، جس نے ہارن رشید کی وسیع ترین سلطنت کے قاضی القضاة کے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دیئے، اور اسلام کے اصول معاشیات پر کتاب الخراج جیسی عالمانہ تصنیف کی، اسی طرح ان کے شاگردوں میں امام محمد جیسا فقیہ اور مؤلف اور امام زفر جیسا صاحب قیاس نظر آتا ہے، جنہوں نے فقہ حنفی کو چار چاند لگائے، امام مالک کو عبداللہ بن وہب، عبدالرحمن ابن القاسم، شہب بن عبد العزیز، عبداللہ ابن عبدالحکم، یحییٰ بن یحییٰ اللہثی جیسے وفادار شاگرد اور لائق عالم ملے جن کی کوششوں سے مصر اور شمالی افریقہ فقہ مالکی کا حلقہ بگوش ہو گیا، امام شافعی کو بولطی، مزنی اور ربیع جیسے مخلصی اور ذہین شاگرد ملے جنہوں نے فقہ شافعی کو مرتب و منقح شکل میں پیش کر دیا، امام احمد کی فقہ کو ابن قدار جیسا مصنف اور محقق حاصل ہوا جس نے المغنی جیسی عظیم الشان تصنیف کی جو فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔

تدوین فقہ کا فائدہ

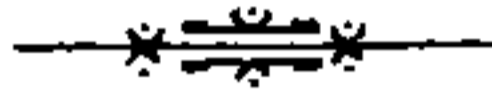
اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان ائمہ فن اور صاحب اجتہاد علماء کا پیدا ہونا اس دین کی

لے سیرۃ النعمان (مولانا شبلی) بحوالہ تلامذہ عقود العقیان - ۲۵ اس کتاب کا نام الجامع العلوم امام احمد ہے،

ابو بکر خلیل کا مفصل حال شذرات الذهب فی اخبار من زہب ج ۲ ص ۳۶۱ میں ملاحظہ ہو۔

زندگی اور اس امت کی کارکردگی کی صلاحیت کی دلیل تھی ان کی کوششوں اور ذہانتوں سے اس امت کی عملی و معاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہو گئی اور اس ذہنی انتشار اور معاشرتی بے نظمی اور ابتری سے محفوظ رہ گئی جس کی قومیں اپنے ابتدائی عہد میں شکار ہو چکی ہیں انھوں نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کر دیں اور ایسے اصول مرتب کر دیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کے حل کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے اور عام معتدل زندگی کو باقاعدہ اور شرعی رہنمائی کے ساتھ گزارا جاسکتا

۴



فتنہ خلق قرآن اور امام احمد ابن حنبل

فلسفہ الہیات اور ذات و صفات کی بحثیں

دوسری صدی کی ابتدا ہی میں مسلمانوں کا تعارف یونانی فلسفہ سے ہوا یہ فلسفہ محض چند خیالات و قیاسات کا مجموعہ اور الفاظ کا ایک طلسم تھا، جس کے پیچھے کوئی حقیقت و اصلیت نہ تھی، محدود الفاظ جن کے ساتھ خاص قصود اور تجربات وابستہ ہوں، ایک غیر محدود ذات کی حقیقت و صفات کو کس طرح بیان کر سکتے ہیں، اللہ کی ہستی اور اس کی ذات و صفات کا مسئلہ کیمیاوی طرز کی تحلیل و تجزیہ اور علمی روشنگاریوں اور قیاس آرائیوں کا میدان نہ تھا، اس معاملہ میں انسانوں کو وہ ابتدائی معلومات اور ذاتی تجربات ہی حاصل نہیں، جن پر بحث و قیاس کی عمارت قائم کی جاسکے، اس بارہ میں انسانوں کا ذریعہ علم صرف انبیاء علیہم السلام کی اطلاع اور وحی الہی ہے، اسی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کی صفت بیان کرنے کا طریقہ معلوم ہو سکتا ہے اور اسی پر گفتگو کرنا عقل کی پختگی اور بالغ نظری ہے، مسلمانوں کے پاس قرآن و حدیث کی صورت میں یہ علم محکم موجود تھا، اور ان کو اس فنِ شغل بے حال (الہیاتی مباحث) کی حلق ضرورت نہ تھی، صحابہ کرام، تابعین، ائمہ دین اور محدثین اسی مسلک پر قائم تھے، اور مسلمانوں کی ساری توجہ دعوت اسلام، فتح و جہاد، اور زندگی کے عملی مسائل اور مفید اہم کی تدوین میں مصروف تھی، جب یونانی اور سریانی کتابوں کے تراجم ہوئے اور قدیم مذاہب و ممالک کے علماء و متکلمین سے اختلاط ہوا تو امت کے وہ گروہ جو جلد متاثر ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، اور جن کی زبانیت میں گہرائی اور پختگی

زیادہ سطحیت اور وحدت تھی، اس طرز فکر اور طریقہ بحث سے متاثر ہوئے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ان کے باہمی تعلق، کلام الہی، رویت باری، مسئلہ عدل، تقدیر، جبر و اختیار کے متعلق ایسی بحثیں اور مسائل پیدا ہو گئے، جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے، نہ دنیاوی حیثیت سے مفید، بلکہ امت کی وحدت اور مسلمانوں کی قوت عمل کے لئے مضر۔

معتزلہ کا عروج

دینی فلسفیوں کے اس گروہ کی امامت معتزلہ کر رہے تھے، جو اپنے وقت کے "روشن خیال" عالم اور پر جوش متکلم تھے، انہوں نے ان علمی بحثوں کو کفر و ایمان کا معیار بنا دیا، اور اپنی ساری ذہانتوں کو ان مباحث پر لگا دیا، ان کے مقابلہ میں محدثین و فقہاء کا گروہ تھا، جو ان مسائل میں سلف کے مسلک کا قائل تھا، اور ان موٹنگانیوں کو مضر اور ان تعبیرات کو غلط سمجھتا تھا، ہارون رشید کے دورِ خلافت تک معتزلہ کا عروج حاصل نہیں ہوا، امامون کے زمانہ میں جو یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا، اور مخصوص تربیت اور حالات کی وجہ سے اس کی داعی ساخت معتزلہ سے ملتی جلتی تھی، معتزلہ کو عروج حاصل ہوا اور قاضی ابن ابی داؤد کی بدولت جو سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاة ہو گیا تھا، اور معتزلہ کے افکار و آراء کا پر جوش داعی اور مبلغ تھا، مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہو گئی، امامون میں خود دعوت کی روح اور ایک داعی کا جوش اور جذبہ تبلیغ تھا، اس میں ذہین نوجوانوں کی عجلت پسندی اور مطلق العنان فرماں رواؤں کی ضد (راج ہٹ) دونوں جمع تھیں، اس کے دربار اور مزاج پر معتزلہ حاوی تھے۔

۱۔ اس نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی تفضیل کا اعلان کر دیا جس سے ملک میں خاصی بڑی پیدا ہوئی، ایک مرتبہ متو کے جواز کا اعلان کیا، پھر جب قاضی القضاة یحییٰ بن اکثم نے علمی طوہ پر اس کو قائل کیا تو اس کی حومت کا اعلان کروا دیا۔

عقیدہ خلق قرآنؑ اس وقت معتزلہ کا شعار اور کفر و ایمان کا معیار بن گیا تھا، محدثین اس مسئلہ میں معتزلہ کے حریف اور مد مقابل تھے، اور محدثین کی طرف سے امام احمد بن حنبلؒ اس مسئلہ میں سینہ سپر تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ ربیع الاول ۱۶۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، وہ خالص عربی النسل اور قبیلہ اشجینہ میں سے تھے، صبر و ہمت اور استقامت و عزیمت اس قبیلہ کے تاریخی خصائص میں سے ہیں، ان کے دادا حنبل بن ہلال بصرہ سے خراسان منتقل ہو گئے، اسوی حکومت میں وہ علاؤخرس کے حاکم بھی تھے، لیکن جب عباسیوں نے اہل بیت اور بنی ہاشم کے نام سے خراسان میں اپنی دعوت پھیلانی تو وہ اس دعوت کے ہمدردوں اور کارکنوں میں تھے، امام احمد کی ماں مرو سے بغداد آئیں، تو وہ پیٹ میں تھے، ولادت سے پہلے ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، ماں نے بڑی ہمت اور جوش مندی سے پرورش کی، گذر اوقات کے لئے بڑے نام ایک جائیداد تھی، ان حالات نے ان میں تحمل و جفاکشی اور عزم و اعتماد علیٰ نفس کی صفات پیدا کر دیں، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، اور زبان کی تعلیم حاصل کی، پھر ایک دفتر میں داخل ہوئے تاکہ تحریر و انشاء کی مشق حاصل کریں، نجابت اور صلاحیت کے

لے خلق قرآن کی بحث ایک خاص علمی اور فلسفیانہ بحث تھی جس کا دائمی اثر (جیسا کہ بعض اعتراضات نے اعتراض کیا ہے) یہ پڑنا لازمی تھا کہ قرآن مجید کی عظمت و جلالت اور اس کے لفظ و معنی کا کلام الہی ہونے کا عقیدہ کمزور پڑ جاتا، محدثین معتزلہ کی ان تعبیرات کو غلط اور امت کے لئے مضربِ بھتے تھے، اس لئے انھوں نے اس کی علانیہ مخالفت کی، معتزلہ روشن خیال اور آزادی آرا کا احترام کرنے والے مشہور ہیں، لیکن انھوں نے اس مسئلہ میں سخت غلو اور مذہبی جبر و استبداد سے کام لیا، اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے سکر عالم اسلام کو میدان جنگ اور دارالانتہان بنا دیا، انھوں نے اس مسئلہ میں اپنے مخالفین کے ساتھ وہ سلوک کیا جو قرون وسطیٰ میں ارباب کلیسا نے آزاد خیالوں کے ساتھ کیا تھا، بالآخر یہی سختی اور حکومتِ وقت کی سرپرستی مذہبِ اعتزال، اور معتزلہ کے زوال کا باعث ہوئی۔

۱۷ھ عہد صدیقی کے مشہور سپہ سالار قاضی بن حارثؒ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

اتار چپن سے نمایاں تھے، ان کے چچا بغداد کے وقائع نگار تھے اور خلیفہ کی غیر موجودگی میں وہ پرچہ نویسی کرتے تھے اور خبریں بھیجتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے یہ تحریریں اپنے کسین کھتیجے کے سپرد کیں کہ وہ ایک معین شخص کو پہنچا دیں انھوں نے اس خیال سے کہ اس میں اہل بغداد کی شکایت اور بہت سے لوگوں کی مخبری ہوگی، ان کاغذات کو دجلہ میں ڈال دیا جب وہ دفتر میں خطوط نویسی کی مشق کرتے تھے تو بہت سی غوریں جن کے شوہر مارون رشید کے ساتھ فوج میں باہر گئے ہوئے تھے، ان سے خط پڑھواتی اور جواب لکھواتی تھیں، وہ خطوط لکھ دیا کرتے تھے، لیکن جس مضمون کو شریعت یا تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے، اس کو نہیں لکھتے تھے، تقویٰ اور طہارت اور صلاحیت و نجابت کے انہی آثار کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے ایک صاحب نظر (اسلمیم ابن جمیل) نے کہا تھا کہ اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔

علوم دینیہ میں انھوں نے حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی، سب سے پہلے قاضی ابویوسف رحمہ اللہ سے حدیث کی کتابت کی، پھر چار برس تک بغداد میں امام حدیث اسلمیم ابن بشیر ابن ابو حازم الوسطی (م ۱۸۲ھ) سے استفادہ کرتے رہے، اس اشارہ میں مشہور ائمہ حدیث عبدالرحمن بن مہدی ابو بکر بن عیاش وغیرہ سے استفادہ کیا، ان کی اپنے مقصد میں مستعدی اور سرگرمی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں بعض دن حدیث سننے کے لئے اتنے سویرے جانے کا ارادہ کرتا کہ میری ماں میرا دامن پکڑ لیتیں کہ اتنا تو ٹھہر جاؤ کہ اذان ہو جائے اور کچھ اجالا ہو جائے۔ بغداد سے فاسخ ہو کر انھوں نے بصرہ، حجاز، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا۔

۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعی سے ہوئی، پھر بغداد میں دوبارہ ملاقات ہوئی جب کہ وہ اپنے اصول اور اپنی فقہ بہت کچھ مدقن کر چکے تھے، امام احمد اس وقت نختہ کار ہو چکے تھے، امام شافعی احادیث کے صحت و مستم کے بارے میں اکثر ان پر اعتماد کرتے اور فرماتے تھے کہ اگر تم محدثین کے یہاں

۱۸۷ھ تاریخ حافظ ذہبی (ترجمہ امام احمد بن حنبل) ۲۳۳ المناقب لابن ابی حزمی ۲۳۳ ۳۳۷ ایضاً

حدیث صحیح ہو تو مجھے بتلا دیا کرو میں اسی کو اختیار کروں گا۔

انہوں نے جریر بن عبد الحمید محدث سے حدیث سننے کے لئے رے (ایران) جانے کا بھی قصد کیا، لیکن خرچ نہ ہونے کی وجہ سے نہ جاسکے کہتے تھے کہ اگر میرے پاس ۹۰ درہم بھی ہوتے تو میں چلا جاتا، طلب حدیث میں ان کی بلند ہمتی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ۱۹۸ھ میں انہوں نے حج کی نیت سے حجاز اور وہاں کچھ دن قیام کر کے عبد الرزاق بن ہمام سے حدیث سننے کے لئے صنعاء میں کا قصد کیا تھا اور اپنے ہم درس یحییٰ بن معین سے اس کا تذکرہ بھی کر دیا تھا، دونوں نے اس کی نیت کی اور کہہ پونچے، ابھی دونوں طوات قدم کر رہے تھے کہ عبد الرزاق بن ہمام طوات کرتے دکھائی دیئے، ابن معین ان کو پہچانتے تھے، انہوں نے سلام کیا، اور امام احمد کا تعارف کرایا، انہوں نے ان کو دعویٰ اور کہا کہ میں نے ان کی بڑی تعریف سنی ہے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ ہم کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ سے حدیث کی سماعت کریں گے، جب وہ چلے گئے، تو امام احمد نے اپنے رفیق سے کہا کہ تم نے شیخ سے کیوں وعدہ لے لیا؟ انہوں نے کہا کہ حدیث سننے کے لئے شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک ہینہ کے سفر، پھر واپسی کے ایک ہینہ اور مصارف کثیر سے بچالیا، اور شیخ کو یہیں پہنچا دیا، امام احمد نے کہا کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں حدیث کے لئے سفر کی نیت کروں، پھر اسی وجہ سے فسخ کر دوں، ہم تو جائیں گے اور وہیں جا کر سنیں گے چنانچہ حج کے بعد صنعاء گئے، اور زہری اور ابن المسیب کی روایتوں کی (جو پہلے سے ان کی سنی ہوئی نہیں تھیں) انہوں نے وہاں سماعت کی۔

اس بلند ہمتی، جفاکشی، اکثریت اسفار اور فطری اور غیر معمولی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ ان کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں، اس وسعت علم اور کثرت حفظ کے باوجود وہ امام شافعی کے تفقہ، حسن استنباط اور ذکاوت کے متاثر تھے اور کہتے تھے کہ مارات عینائی مثلاً انہوں نے ان سے اجتہاد کے اصول سیکھے اور اس کا مالک اخذ کیا اور بالآخر وہ اس امت کے نامور مجتہدین میں ہوئے جن کی فقہ ابھی تک عالم اسلام میں زندہ ہے امام شافعی بھی

ابن کثیر اور ابن جوزی۔

ان کے بڑے معترف اور قدردان تھے، بغداد سے جاتے ہوئے انھوں نے فرمایا "خروجت من بغداد وما خلفت بها لقی واقفہ من ابن حنبل" (میں بغداد چھوڑ کر جا رہا ہوں، اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے نہ کوئی فقیہ)۔

چالیس سال کا عمر میں غالباً ۲۰۰ھ میں انھوں نے حدیث کا درس دینا شروع کیا، یہ بھی ان کا کمالیہ تباہ سنت تھا کہ انھوں نے عمر کے چالیسویں سال بوشن نبوت ہے، اشاعت شروع کی، ابتدا ہی سے ان کے درس میں طالبین و سامعین کا ازدحام ہوتا تھا، بعض راویوں کا بیان ہے کہ ان کے درس کے سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی تھی، جن میں سے پانچ پانچ سو صرف لکھنے والے ہوتے تھے، ان کے درس کی مجلسیں بڑی باوقار اور سنجیدہ ہوتی تھیں، کوئی وہاں تفریح کی بات یا غیر سنجیدہ حرکت جو حدیث کے وقار کے خلاف ہے نہیں کر سکتا تھا، غریب کو امرا اور اہل دنیا کے مقابلہ میں ترجیح اور اعزاز حاصل تھا، علامہ ذہبی امام احمد کے ایک رفیق اور ہم عصر کا بیان نقل کرتے ہیں:-

لم ار القیبر فی مجلس اعز منہ فی مجلس	میں نے غریب آدمی کو جتنا امام احمد کی مجلس درس
الی عبد اللہ، کان ما نلک الیہم مقصراً	میں معزز دیکھا کہ میں نہیں دیکھا وہ غریب کی طرف توجہ
عن اهل الدنيا، وكان فيه حلم ولم	بہتے تھے اور امرا سے بے رخی برتتے تھے، ان میں حلم و
یکن بالبحول، وكان کثیر التواضع	وقار تھا، ان کے مزاج میں عجلت نہ تھی، بڑے تواضع
تلوہ السکینة والوقار اذا جلس فی	اور مکر المزاج تھے، طماننت اور وقار ان کے چہرہ سے
جلسہ یقی بعد العصر لا یتکلم حتی ینال	جیاں تھا، عصر کے بعد جب درس کے لئے بیٹھے تو جب تک

ان سے سوال نہ کیا جائے گفتگو نہ فرماتے تھے۔

ان کی زندگی ائمہ سلف کی طرح فقرو زہد اور توکل و قناعت کی زندگی تھی، اور ان کا فقر اختیار ہی

تھا، انھوں نے کبھی خلفاء اور سلاطین وقت کا کوئی عطیہ قبول نہیں کیا، ان کے لڑکوں نے کبھی ان سے اس مسئلہ پر بات چیت کی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ مال حلال ہے اس سے حج درست ہے، میں اس کو حرام سمجھ کر نہیں، بلکہ احتیاطاً چھوڑتا ہوں، وہ محنت کر کے یا اپنی آبائی جائیداد کی آمدنی سے گزارا کرتے تھے، اس فقر و تنگی کے باوجود بڑے فیاض اور عالی حوصلہ تھے، فرماتے تھے، اگر ساری دنیا سمٹ کر ایک لقمہ بن جائے اور وہ لقمہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں ہو اور وہ مسلمان اس لقمہ کو کسی مسلمان بھائی کے منہ میں رکھ دے تو ذرا بھی اسراف نہ ہوگا، وہ صرف مال کے بارے میں نہیں بلکہ اپنی ذات کے بارے میں بھی بڑے فرخ و وصلہ اور عالی ظرف تھے، ایک شخص نے ایک موقع پر ان کو بہت سخت سست کہا، تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کو ندامت ہوئی، اور اس نے آکر معذرت کی اور کہا کہ آپ مجھے معاف کر دیں، فرمایا جہاں یہ بات ہوئی تھی وہاں سے قدم اٹھانے سے پہلے میں تم کو معاف کر چکا تھا، انھوں نے قدر خلق قرآن میں اپنے سب دشمنوں کو حتیٰ کہ خلیفہ وقت کو جس کے حکم سے ان کو سخت ترین اذیت پہنچی تھی، معاف کر دیا، فرماتے تھے کہ صرف داعی بدعت کو تو معاف نہیں کرتا، اور نہ جس نے میری لذیت میں حصہ لیا ہے، سب میری طرف سے آزاد ہیں، کبھی فرماتے کہ تمہارا اس میں کیا نفع ہے کہ تمہارے سبب سے کسی مسلمان کو عذاب دیا جائے۔

ان کمالات و اوصاف کے ساتھ کبھی ان کو اپنی عظمت کا احساس نہیں ہوتا تھا، اور کوئی فخریہ کلمہ ان کی زبان سے نہیں نکلتا تھا، ان کے ساتھی یحییٰ بن معین کہتے ہیں:۔

ما رأیت مثل احمد بن حنبل صحبتہ میں نے احمد جیسا آدمی نہیں دیکھا جس کا اس برس

خمسين سنة ما افتقر علينا بشئ ما كان ان کے ساتھ رہا، انھوں نے کبھی ہمارے سامنے

قیہ من الصلاح و الخیر۔ اپنی صلاح و خیر پر فخر نہیں کیا۔

ان کی تواضع اور اخلاص کے حال کا یہ حال تھا کہ اگرچہ وہ عالی نسب عرب تھے، اور یہاں دور میں بڑا سرمایہ فخر تھا، لیکن اس کا تذکرہ بھی وہ پسند نہیں کرتے تھے، علامہ ذہبی ان کے ایک معاصر عارف ابو نومان سے

کہا کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل نے میرے پاس اپنا خرچ رکھا دیا تھا اور اس سے بقدر ضرورت وہ لیتے رہتے تھے،
 ایک دن میں نے ان سے کہا کہ ابو عبد اللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عرب میں انھوں نے جواب دیا: یا ابا النعمان فمخمس ما کین
 یومئذ یومئذ ہمارا کیا ہم غریب لوگ ہیں؟ ہیں ان سے بہت پوچھتا رہا، مگر انھوں نے مال دیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔
 باوجود اس کے کہ فقہ اہل قرآن میں ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے تمام عالم اسلام میں ان کا چرچا تھا اور
 ہر طرف ان کی تعریف اور ان کے لئے دعا کا غلغلہ بلند تھا، وہ برابر خائف رہتے تھے اور ان کو اپنی طرف سے
 اطمینان نہیں تھا، مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز ان سے کہا کہ آپ کے لئے بڑی کثرت سے دعا ہوتی ہے،
 فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ میں استدراج نہ ہو، کیوں تم نے یہ کیسے کہا؟ میں نے کہا کہ طرسوس سے ایک شخص آیا ہے، وہ کہتا
 ہے کہ ہم ملک و م میں جہاد کر رہے تھے رات کے سناٹے میں احمد کے لئے دعا کا شور ہوا، اور کہنے والے نے کہا کہ احمد
 کے لئے دعا کرو! ہم امام احمد کی طرف سے نیت کر کے منجیق بھی چلاتے تھے، اور ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دشمن کا
 ایک شخص قلعہ کی دیوار پر کھڑا ہوا تھا، اور سپر کو بالکل آڑ بنا لے ہوئے تھا، ہم نے احمد کی نیت کر کے منجیق چلائی،
 اس کا سر اور سپر اڑ گئی، یہ سن کر امام احمد کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، اور فرمایا خدا کرے یہ استدراج نہ ہو!
 بعض مرتبہ ان کو دیکھنے کے لئے غیر مسلم بھی دور دور سے آتے، ایک مرتبہ ایک عیسائی طبیب علاج کے لئے
 آیا، اس نے کہا کہ میں کئی سال سے آپ کی زیارت کا آرزو مند تھا، آپ کی زندگی صرف اسلام ہی کے لئے خیر و برکت
 کا باعث نہیں، ساری مخلوق کے لئے وہ خیر و برکت ہے، ہمارے سب دوست آپ سے بہت خوش ہیں، مروزی کہتے ہیں کہ
 جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ ساری دنیا لے اسلام میں آپ کے لئے دعا ہوتی ہوگی، انھوں نے
 فرمایا کہ بھائی انسان پر اپنی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو کوئی کچھ کہے، اس کو دھوکہ نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تواضع اور مسکنت کے ساتھ ان کو رعب و وقار بھی اتنا بخشا تھا کہ اہل حکومت اور
 فوجی اور سپاہی بھی ان سے مرعوب ہو جاتے تھے، اور ان کا احترام کرنے پر مجبور تھے، ان کے ایک معاصر کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے خدا کی طرف سے ذلیل اور کسی غیر مقبول اور فاسد العقیدہ آدمی کی کرامت اور وجاہت کا ظہور ملے ترجمہ الامام احمد ذہبی (۲۲-۲۱)

میں اسحاق بن ابراہیم (نائب بغداد) اور فلاں فلاں حکام کے پاس گیا ہوں، لیکن میں نے احمد بن حنبل سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا، میں ان سے ایک مسئلہ میں گفتگو کرنے گیا، مجھ پر ان کی ہیبت سے لرزہ طاری ہو گیا، ان کے زمانہ کے تمام اہل قلوب اور اہل خلوص ان کی عظمت کے قائل اور ان کا ادب کرتے تھے، علماء وقت اور ائمہ فن ان کے تبحر و وسعت علم کے معترف اور اس سے متعجب ہیں، مشہور محدث ابراہیم اکبری کہتے ہیں:-

رأيت احمد بن حنبل فرأيت كان الله

جمع له علم الاولين والآخرين من كل

صنف يقول ما شاء ويصك

ما شاء
چاہتے ہیں اپنے سینہ میں رکھتے ہیں۔

امام احمد کا زہد ضرب المثل تھا، مامون، معتصم اور واثق کا دوران کے لئے اس حیثیت سے آزمائش کا تھا کہ وہ تینوں ان کے درپے آزار تھے، متوکل کا دور اس لئے آزمائش کا تھا کہ وہ ان کا عقیدت مند اور نہایت قدر داں تھا، ان کو اس دور کی آزمائش زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی اور اس سے ہمیشہ خائف رہتے تھے، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ان لوگوں کی ایذا و تعذیب کے باوجود میرا دین سلامت رہا، اب اس بڑھاپے میں اس دور کی آزمائش میں مبتلا ہوں، لیکن جس طرح معتصم کے تازیانے ان کے اعتصام باسنہ اور استقامت میں فرق نہ پیدا کر سکے، اسی طرح متوکل کی عقیدت مندی ان کے استغناء و توکل میں تغیر نہ پیدا کر سکی، ایک مرتبہ متوکل نے ایک ایسی بھاری تھیلی بھیجو پھر پر رکھ کر لائی گئی تھی، انھوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے حاجت نہیں، لانے والے نے کہا کہ آپ کو واپس کرنا مناسب نہیں، بڑی مشکل سے خلیفہ کا دل صاف ہوا ہے، اس کو پھر بدگمانی ہو جائے گی، انھوں نے ایک جگہ ڈلوادی، آدھی رات کو انھوں نے اپنے چچا کو بلایا، اور کہا کہ مجھے اس تھیلی کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آئی، میں یہ لے کر بڑا ایشیاں اور پریشان ہوں، انھوں نے کہا کہ اس وقت تو آدھی رات ہے، لوگ غافل

لہ مناقب ابن جوزی، مناقب حافظ ذہبی، طبقات ابن اسکی۔

سورہ ہے، صبح جیسا آپ کی سمجھ میں آئے کیجئے گا، صبح ہی انھوں نے بعض معتد اور بعض واقف کار لوگوں کو بلایا اور ان لوگوں کی فہرست تیار کروائی جو صبح اور مستور الحال تھے اور مال تقسیم کرنا شروع کیا یہاں تک کہ تھیلی میں ایک درہم بھی نہیں بچا، پھر تھیلی بھی ایک مسکین کو خیرات کر دی۔

انھوں نے متوکل کے حکم و اصرار سے کچھ روز اس کی لشکر گاہ میں قیام فرمایا، اس عرصہ میں وہ شاہی بہان تھے، روزانہ ان کے لئے پرتکلف کھانا آتا تھا، جس کی قیمت کا اندازہ ایک سو بیس درہم روزانہ ہے، انھوں نے اس کھانے کو کسی وز چھانک نہیں، وہ مسلسل روزہ رکھتے رہے، آٹھ روز انھوں نے روزہ پر روزہ رکھا یہاں تک کہ بے انتہا ضعیف ہو گئے، اگر جلدی ان کو رخصت نہ مل جاتی تو ان کی زندگی مشکل تھی، ان کے صاحبزادہ عبدالشکر کہتے ہیں کہ میرے والد لشکر گاہ میں سولہ روز رہے، انھوں نے اس عرصہ میں ایک چوتھائی ستو کھایا ہوگا، ان کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے، متوکل کے اصرار سے ان کے صاحبزادوں کے لئے شاہی رقم مقرر ہو گئی تھی، ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان کے صاحبزادہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے تو ہمارے یہاں سے وہ کوئی چیز استعمال کے لئے منگوا بھی لیتے تھے لیکن جب شاہی رقم ہمارے گھر آنے لگی، انھوں نے پلسلہ بکل بند کر دیا، ایک مرتبہ طبیعے ان کے لئے ایک بھنے ہوئے کدو کا پانی تجویز کیا، لوگوں نے کہا کہ اس کو صبح (امام احمد کے صاحبزادہ) کے تنور میں پکالو، وہ ابھی گرم ہے، انھوں نے منع فرمایا، آخر میں ان کو خود اپنی احتیاط بھی کافی نہ معلوم ہوئی، صبح کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک روز فرمایا کہ صبح! میرا جی چاہتا ہے کہ تم اس عطیہ شاہی کو چھوڑ ہی دو، اس لئے کہ یہ تم کو میرے سبب سے ملتا ہے۔

۷۷ سال کی عمر ہوئی تھی کہ بیمار ہوئے، عیادت کرنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ لوگ فوج در فوج داخل ہوتے تھے اور گھر بھر جاتا تھا، جب وہ چلے جاتے تو دوسرا نبوہ آتا، سڑک آدمیوں سے بھر جاتی تھی، ۹ روزہ بیمار رہے، ہجوم بڑھتا جاتا تھا، سلطان کو اطلاع ہوئی تو ان کے دروازہ پر اور گلی میں پولیس کا پہرہ لگایا،

اور وقائع نگار متعین کر دیئے کہ حالات کی اطلاع برابر ملتی رہے، ہجوم دم بہ دم بڑھتا جاتا تھا، یہاں تک کہ گلی بند کر دی گئی، لوگ سڑکوں اور مسجدوں میں بھر گئے، یہاں تک کہ بازار میں خرید و فروخت مشکل ہو گئی، پشاپ خون کا آنے لگا تھا، طبیعت دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ غم اور فکر نے ان کے پیٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ جمہرات کو طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، ان کے شاگرد مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ان کو وضو کرایا، تو انھوں نے تکلیف کی حالت میں بھی مجھے ہدایت کی کہ انگلیوں میں خلال کراؤں، شب جمعہ میں حالت زیادہ نازک ہو گئی اور جمعہ ۱۲ ربیع الاول کو اس امام سنت نے انتقال کیا۔^{۱۷}

فتنہ خلق قرآن

مامون نے خلق قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر دی، ۲۱۸ھ میں اس نے والی بغداد اسحق بن ابراہیم کے نام ایک مفصل فرمان بھیجا جس میں عامر مسلمین اور باخصوص محدثین کی سخت مذمت اور صفات آمیز تنقید کی، ان کو خلق قرآن کے عقیدہ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے توحید میں ناقص، مردود الشہادۃ، ساقط الاعتبار اور شرار امت قرار دیا، اور حاکم کو حکم دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کے قائل نہ ہوں، ان کو ان کے عہدوں سے محزول کر دیا جائے اور خلیفہ کو اس کی اطلاع کی جائے۔^{۱۸}

یہ فرمان مامون کی وفات سے چار مہینے قبل کا ہے، اس کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں کو بھیجی گئیں اور صوبہ داروں (گورنروں) کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے صوبوں کے قضاة کا اس مسئلہ میں امتحان لیں، اور اس عقیدہ سے متفق نہ ہو اس کو اس کے عہدہ سے ہٹا دیا جائے۔

اس فرمان کے بعد مامون نے حاکم بغداد کو لکھا کہ سات بڑے محدثین کو (جو اس عقیدہ کے مخالفین کے

^{۱۷} ذہبی ۱۰۰، ۱۰۱، بخاری تاریخ کبیر و صغیر ۳۵، جازہ و کفن کی تفصیل آگے آئے گی۔

^{۱۸} اس خط کا مکمل مضمون تاریخ طبری اور طیفور کی تاریخ بغداد میں موجود ہے۔

سرگروہ میں اس کے پاس بھیج دیا جائے وہ سب آئے تو مامون نے ان سے خلق قرآن کے متعلق سوال کیا، ان سب سے اس سے اتفاق کیا، اور ان کو بغداد واپس کر دیا گیا، جہاں انہوں نے علماء و محدثین کے ایک مجمع کے سامنے اپنے اس عقیدہ کا اقرار کیا، لیکن شورش ختم نہیں ہوئی، اور عام مسلمان اور تقریباً تمام محدثین اپنے خیال پر قائم رہے۔ انتقال سے پہلے مامون نے اسحق بن ابراہیم کو تیسرا فرمان بھیجا جس میں ذرا تفصیل سے پہلے خط کے مضمون کو بیان کیا تھا، اور امتحان کے دائرہ کو وسیع کر کے اہلکاران سلطنت اور اہل علم کو بھی اس میں شامل کر دیا تھا، اور سب کے لئے اس عقیدہ کو ضروری قرار دیا تھا، اسحق نے فرمان شاہی کی تعمیل کی، اور شاہی علماء کو جمع کر کے ان سے گفتگو کی، اور ان کے جوابات اور مکالمہ کو بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیج دیا، مامون اس محضر کو پڑھ کر سخت برا فرودختہ ہوا، ان علماء میں سے دو (بشر بن الولید اور ابراہیم ابن المہدی) کے قتل کا حکم دیا، اور لکھا کہ بقیہ میں سے جس کو اپنی رائے پر اصرار ہو، اس کو پابجولاں اس کے پاس بھیج دیا جائے چنانچہ بقیہ تیس علماء میں سے (جو پہلے قائل نہیں ہوئے تھے) چار اپنی رائے (عدم خلق قرآن) پر قائم رہے، یہ چار اشخاص امام احمد ابن حنبل، سجادہ، تواریری، اور محمد بن نوح تھے، دوسرے دن سجادہ اور تیسرے دن تواریری نے بھی اپنی رائے سے رجوع کیا، اور صرف امام اور محمد بن نوح باقی رہے جن کو مامون کے پاس طوس، تنکریوں اور بیڑیوں میں روانہ کر دیا گیا، ان کے ہمراہ انیس دوسرے مقامات کے علماء تھے، جو خلق قرآن کے منکر اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے، ابھی یہ لوگ رتہ ہی پہنچے تھے کہ مامون کے انتقال کی خبر ملی، اور ان کو حاکم بغداد کے پاس بغداد واپس کر دیا گیا، راستہ میں محمد بن نوح کا انتقال ہو گیا، اور امام اور ان کے رفقاء بغداد پہنچے۔

مامون نے اپنے جانشین معتصم بن الرشید کو وصیت کی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں اس کے مسلک و عقیدہ پر قائم رہے اور اسی کی پالیسی پر عمل کرے (وخذ بسیرۃ اخیک فی القرآن) اور قاضی ابن ابی دواد کو بدستور اپنا مشیر اور وزیر بنا لے رہے، چنانچہ معتصم نے ان دونوں وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا۔

امام احمد ابتلاء و امتحان میں

اب سلسلہ اخلق قرآن کی مخالفت اور عقیدہ صحیحہ کی حمایت اور حکومت وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری
 تنہا امام احمد بن حنبل کے اوپر تھی جو گروہ محدثین کے امام اور سنت و شریعت کے اس وقت امین تھے۔
 امام احمد کو رتہ سے بغداد لایا گیا، چار چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں تین دن تک ان سے اس
 مسئلہ پر مناظرہ کیا گیا، لیکن وہ اپنے اس عقیدہ سے نہیں ہٹے جو تھے دن والی بغداد کے پاس ان کو لایا گیا، اس نے
 کہا کہ احمد نام کو اپنی زندگی ایسی دو بھر ہے، خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے گا، لیکن اس نے قسم کھائی ہے کہ
 اگر تم نے اس کی بات قبول نہ کی تو مار پر مار پڑے گی اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا، جہاں کبھی سوچ نہیں آئے گا
 اس کے بعد امام کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا، اور ان کو اس انکار و اصرار پر ۲۸ کوڑے لگائے گئے، ایک تازہ جلاد
 صرف دو کوڑے لگاتا تھا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا، امام احمد ہر کوڑے پر فرماتے تھے:-

اعطونی شیئا من کتاب اللہ اوستہ میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی
 رسولہ حتی اقول بہ منت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔

واقعہ کی تفصیلات امام احمد کی زبان سے

امام احمد نے اس واقعہ کو خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:-
 میں جب اس مقام پر پہنچا، جس کا نام باب البستان ہے تو میرے لئے سواری لائی گئی، اور مجھ کو
 سوار ہونے کا حکم دیا گیا، مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا، اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں
 تھیں، سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور
 معتصم کے محل میں پہنچا، مجھے ایک کوٹھری میں داخل کر دیا گیا، اور دروازہ بند کر دیا گیا، اسی رات کا

وقت تھا، اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا، میں نے نماز کے لئے مسح کرنا چاہا، اور ہاتھ بڑھایا تو پانی کا ایک پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا، میں نے وضو کیا، اور نماز پڑھی، اگلے دن معصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا، معصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی القضاة ابن ابی ذؤاد بھی موجود تھا، اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی، ابو عبد الرحمن الشافعی بھی موجود تھے، اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی لڑائی جا چکی تھیں، میں نے ابو عبد الرحمن الشافعی سے کہا کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟ ابن ابی ذؤاد نے کہا کہ اس شخص کو دکھو کہ اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے، اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے، معصم نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس سے بہت قریب ہو گیا، اس نے کہا بیٹھ جاؤ، میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا، اور بوجھل ہو رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے، خلیفہ نے کہا کہ میں نے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت کی طرف، میں نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ کے جد امجد ابن عباس کی روایت ہے کہ جب قبیلہ بنی النضیر کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا، فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور ان غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا نکالنا، اس پر معصم نے کہا کہ اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آگے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا، پھر عبد الرحمن بن اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ اس آزمائش کو ختم کرو، امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ اکبر اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشائش ہے، خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، پھر عبد الرحمن سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو (یہاں امام احمد اس مناظرہ کی تفصیل بیان

کرتے ہیں)۔

ایک آدمی بات کرتا، اور میں اس کا جواب دیتا، دوسرا بات کرتا، اور میں اس کا جواب دیتا، معصم کہتا، احمد! تم پر خدارحم کرے، تم کیا کہتے ہو، میں کہتا امیر المؤمنین! مجھے کتاب الشریعت رسول میں کچھ دکھائیے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں، معصم کہتا کہ اگر یہ میری بات قبول کر لیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کروں، اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں، پھر کہتا احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے، جیسے اپنے بیٹے ہارون کا، تم کیا کہتے ہو، میں وہی جواب دیتا کہ مجھے کتاب الشریعت رسول میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہوں، جب بہت دیر ہو گئی تو وہ اٹ گیا اور کہا جاؤ، اور مجھے قید کر دیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کر دیا گیا، اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا، اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا، جب اٹ گیا تو کہا کہ ان کو لیاؤ، تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا، میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس ادارہ بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں، اس کو اپنے پانچامہ میں پھر ڈال لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ ہو جاؤں، تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا میں نے دربار بھرا ہوا ہے، میں مختلف ڈیوڑھیاں اور تقانات ملے کرتا ہوا آگے بڑھا، کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے، اگلے دنوں دن کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے، جب میں معصم کے پاس پہنچا تو کہا بیٹھ جاؤ، پھر کہا ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، لوگ مناظرہ کرنے لگے، میں ایک کا جواب دیتا، پھر دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی، جب دیر ہو گئی تو مجھے الگ کر دیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی، پھر ان کو ہٹا دیا، اور مجھے بلایا، پھر کہا احمد! تم پر خدارحم کرے، میری بات مان لو، میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا، میں نے پہلا سا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور

معصم امام احمد کے معاملہ میں نرم پڑ گیا تھا، مگر احمد بن ڈواد برابر اس کو گرم کرتا رہا، اور غیرت دلاتا رہا کہ لوگ کہیں گے کہ معصم اپنے بھائی مامون کے مسلک سے ہٹ گیا۔

کھینچو، اور ان کے ہاتھ اکھیر دو، معصوم کرسی پر بیٹھ گیا، اور جلا دوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلا یا، جلا دوں سے کہا آگے بڑھو، ایک آدمی آگے بڑھا اور مجھے دو کوڑے لگاتا، معصوم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ، پھر وہ ہٹ جاتا، اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا، انیس کوڑوں کے بعد پھر معصوم میرے پاس آیا، اور کہا کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے، ایک شخص عجبت مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھڑتا، اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو، دوسرا کتا کہ اشرک کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے، کوئی کتا کہ امیر المومنین آپ روزے سے ہیں، اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں، معصوم پھر مجھ سے بات کرتا، اور میں اس کو وہی جواب دیتا، وہ پھر جلا دوں کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ، امام کہتے ہیں کہ پھر اس اشار میں میرے حواس جاتے رہے، جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم کو اونڈے منہ گرا دیا، تم کو روندنا، احمد کہتے ہیں کہ مجھ کو کچھ احساس نہیں ہوا!

بے نظیر عزیمت و استقامت

اس کے بعد احمد بن حنبل کو گھر پہنچا دیا گیا، جب سے وہ گرفتار کئے گئے، رہائی کے وقت تک ٹھائیس ہینینان کو حبس میں گزارے، ان کو ۳۳-۳۴ کوڑے لگائے گئے، ابراہیم ابن مصعب جو پاپیوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے احمد سے زیادہ جوی اور دلیر نہیں دیکھا، ان کی نگاہ میں ہم لوگوں کی حقیقت بالکل کھلی کی سی تھی۔ محمد بن اسمعیل کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ احمد کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو چیخ مار کر بھاگتا، ایک صاحب جو واقعہ کے وقت موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ امام روزے سے تھے، میں نے کہا بھی کہ آپ روزے سے ہیں، اور آپ کو اپنی جان بچانے کے لئے اس عقیدہ کا اقرار کر لینے کی گنجائش

۱۰ تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمۃ الام احمد ص ۴۱-۴۹ باختصار و تلخیص۔

ہے لیکن انھوں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا، ایک مرتبہ پیاس کی بہت شدت ہوئی تو پانی طلب کیا آپ کے سامنے برف کے پانی کا پیالا پیش کیا گیا، آپ نے اس کو ہاتھ میں لیا، اور کچھ دیر اس کو دیکھا، پھر بغیر پیے واپس کر دیا۔

صاحبزادہ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت میرے والد کے جسم پر ضرب کے نشان تھے، ابوالعباس الرقی کہتے ہیں کہ احمد جب رقبہ میں محبوس تھے تو لوگوں نے ان کو سمجھانا چاہا، اور اپنے بچاؤ کرنے کی حدیثیں سنائیں انھوں نے فرمایا کہ خباب کی حدیث کا کیا جواب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پہلے بعض بعض لوگ ایسے تھے، جن کے سر پر آزار رکھ کر چلا دیا جاتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دین سے ہٹتے نہیں تھے۔

یہ سن کر لوگ ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ وہ اپنے مسلک سے نہیں ہٹیں گے اور سب کچھ برداشت کریں گے

امام احمد کا کارنامہ اور اس کا صلہ

امام احمد کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اور مسلمان ایک بڑے دینی خطرہ سے محفوظ ہو گئے، جن لوگوں نے اس دینی ابتلا میں حکومت وقت کا ساتھ دیا تھا، اور مروجہ پرستی اور مصلحت شناسی سے کام لیا تھا، وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر گئے، اور ان کا دینی و علمی اعتبار جاتا رہا، اس کے بالمقابل امام احمد کی شان دو بالا ہو گئی، ان کی محبت اہل سنت اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا شعار اور علامت بن گئی، ان کے ایک معاصر قتیبہ کا منقولہ ہے کہ:۔

اذا رأيت الرجل يحب احمد بن

جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبل سے

حنبل فاعلم انما صاحب سنۃ

محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا قیاس ہے۔

۱۔ تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمۃ الامام احمد ص ۴۹-۵۰ باختصار و تلخیص۔

ایک دوسرے عالم احمد بن ابراہیم الدورقی کا قول ہے۔

من معتموداً یذکر احمد بن حنبل جس کو تم احمد بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنا

بسوہ فاتھمولا علی الا سلام۔ اس کے اسلام کو مشکوک نظر سے دیکھو۔

امام احمد حدیث میں امام وقت تھے، سند کی ترتیب و تالیف ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے وہ مجتہد فی المذہب اور امام مستقل ہیں، وہ بڑے زاہد و عابد تھے، یہ سب فضیلتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت و محبوبیت اور عظمت امامت کا اصل راز ان کی عزیمت اور استقامت اس فتنہ عالم آشوب میں دین کی حفاظت اور اپنے وقت کی سب سے بڑی بادشاہی کا تنہا مقابلہ تھا، یہی ان کی قبول عام اور بقائے دوام کا اصل سبب ہے۔

آوازہ خلیل ز تعمیر کعبہ نیست

مشہور شد رازاں کہ در آتش نکوشت

ان کے معاصرین نے جنھوں نے اس فتنہ کی عالم آشوبی دیکھی تھی، ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے، اور اس کو دین کی بروقت حفاظت اور مقام صدیقیت سے تعبیر کیا ہے، ان کے ہم عصر اور ہم استاد مشہور محدث وقت علی بن المدینی (جو امام بخاری کے مایہ ناز استاد ہیں) کا ارشاد ہے:-

ان الله اعز هذا الدين برجلين

ایسی لہما ثالث، ابوبکر صدیق

یوم الردۃ و احمد بن حنبل یوم المحنة

اللہ تعالیٰ نے اس دین کا غلبہ و حفاظت

کا کام دو شخصوں سے لیا ہے جن کا کوئی تیسرا ہم

نظر نہیں آتا، ارتداد کے موقع پر ابوبکر صدیق

اور فتنہ مغلط قرآن کے سلسلہ میں احمد بن حنبل۔

۱۔ تاریخ بغداد للطیب ج ۲ ص ۲۲۱ ۲۔ ایضاً ص ۲۱۵

اس عظمت و مقبولیت کا نتیجہ یہ تھا کہ ۲۴۱ھ میں جب اہل امام سنت نے انتقال کیا تو سارا شہر
امنڈ آیا، کسی کے جنازہ پر خلقت کا ایسا ہجوم اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا، نماز جنازہ
پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ یہ ہے کہ آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔



فتنہ اعتزال

اور

امام ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرو

معتزلہ کا علمی اقتدار اور اس کے اثرات

معظم اور والفق کے انتقال پر (جو مذہب اعتزال اور معتزلہ کے سرپرست تھے) معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا، والفق کا جانشین خلیفہ متوکل مذہب اعتزال سے بیزار اور معتزلہ کا دشمن تھا، اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر معتزلہ کی عظمت و اقتدار کے نشانات مٹائے اور ان کو حکومت سے بالکل بیدخل کر دیا، لیکن علمی حلقوں میں ابھی معتزلہ کا اثر باقی تھا، خلق قرآن کا عقیدہ تو اپنی طاقت کھو چکا تھا، لیکن ان کے دوسرے مباحث اور مسائل ابھی تازہ اور زندہ تھے، معتزلہ نے اپنی ذہانت، علمی قابلیت اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کی وجہ سے اپنا علمی وقار قائم کر لیا تھا، اور قضا، افتاء و حکومت کے اندر بعض اونچے عہدوں پر فائز تھے، تیسری صدی کے وسط میں ان کا خاصا دور دورہ ہو گیا، عام طور پر تسلیم کیا جانے لگا کہ معتزلہ دقیق النظر وسیع الفکر اور محقق ہوتے ہیں، اور ان کی آراء و تحقیقات عقل سے زیادہ قریب ہوتی ہیں، بہت سے نوجوان طالب علم اور شہرت پسند اعتزال کو فیشن کے طور پر اختیار کرتے، امام احمد کے بعد خابلمیں کوئی طاقت ور علمی اور دینی شخصیت نہیں پیدا ہوئی، محدثین اور ان کے ہم مسلک علماء نے علوم عقلیہ اور نئے طریقے بحث و نظر کی طرف (جس کا معتزلہ اور فلاسفہ کے اثر سے رواج پڑ چلا تھا) توجہ نہیں کی، نتیجہ یہ تھا کہ مباحث کی مجلسوں

اور درس کے حلقوں میں محدثین کی یہ علمی کمزوری اور فلسفہ کے مبادی سے بے خبری محسوس کی جاتی تھی، اس کے مقابلہ میں علمی مباحثوں میں معتزلہ کا پورا بھاری رہتا، اور جو لوگ دین کا گہرا علم نہیں رکھتے تھے، اور اس حقیقت سے واقف نہیں تھے کہ سلمی ذہانت معتزلہ کی تائید کرتی ہے اور بچختہ اور گہری ذہانت بالآخر محدثین ہی کے مسلک اور محکمات شریعت کو قبول کرتی ہے، وہ معتزلہ کی حسن تقریر حاضر جوابی اور علمی موٹنگانی سے متاثر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ظاہر شریعت اور مسلک سلف کی علمی بے توقیری، اور اس کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہو رہی تھی، خود محدثین اور ان کے تلامذہ کے گروہ میں بہت سے لوگ احساس کہتری کا شکار تھے، اور معتزلہ کی عقلیت اور تفسیر سے مرعوب ہو رہے تھے یہ صورت حال دینی وقار اور سنت کے اقتدار کے لئے سخت خطرناک تھی، قرآن مجید کی تفسیر اور عقائد اسلام، ان فلسفی نما مناظرین کے لئے بازیچہ اطفال بنے جا رہے تھے مسلمانوں میں ایک خام عقلیت اور سطحی فلسفیت مقبول ہو رہی تھی، یہ محض ایک ذہنی وندش تھی، اور اصطلاحات کی معرکہ آرائی اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے، نو محدثین و خابکہ کی دینی غیرت اور جوش کافی تھا، نہ عابدوں و زاہدوں کا زہد و عبادت، اور نہ فقہاء کے فتاویٰ اور جزئیات و مسائل پر ان کا عبور و استحضار۔

سنت کے وقار کے لئے ایک بلند شخصیت کی ضرورت

اس کے لئے ایک ایسی شخصیت درکار تھی جس کی دماغی صلاحیتیں معتزلہ سے کہیں بلند ہوں، جو عقلیت کے کوچہ سے نہ صرف واقف بلکہ عرصہ تک اس کا رہنمائی چکا ہو جس کی بلند شخصیت اور مجتہدانہ دماغ کے سامنے اس زمانہ کی عقلیت و فلسفہ کے علمبردار مبتدی طالب علم معلوم ہوتے ہوں، اور ایسے پست و حقیر نظر آتے ہوں جیسے کسی دیوقامت انسان کے سامنے پستہ قد انسان اور نو عمر بچے اسلام کو فوری طور پر ایک ایسے امام سنت کی ضرورت تھی، اور شیخ ابوالحسن اشعری کی ذات میں اس کو وہ شخصیت مل گئی۔

امام ابوالحسن اشعری

ابوالحسن علی نام، والد کا نام اسمعیل تھا، مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری کی اولاد میں تھے، ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ نے ان کے والد اسمعیل کے انتقال کے بعد ابو علیؑ سے نکاح کر لیا تھا، جو اپنے وقت میں معتزلہ کے امام اور مذہب اعتزال کے علمبردار تھے، شیخ ابوالحسن نے ان کی آغوش میں تربیت پائی اور بہت جلد ان کے معتد اور دست راست بن گئے، ابو علی اجمالی اچھے مدرس اور مصنف تھے، مباحثہ پر زیادہ قدرت نہیں رکھتے تھے، ابوالحسن اشعری شروع سے زبان آور حاضر جواب تھے، ابو علی بحث و مناظرہ کے موقع پر انہی کو آگے کر دیتے تھے، بہت جلد وہ سرحلقہ اور مجالس بحث کے مدرس بن گئے، تمام ظاہری قیاسات و قرآن بتلاتے تھے، کہ وہ اپنے مربی اور استاد کے جانشین ہوں گے اور مذہب اعتزال کی حمایت و اشاعت میں شاید ان سے بھی آگے بڑھ جائیں، لیکن الشریعہ کے انتظامات عجیب ہیں، اس نے سنت کی حفاظت و نصرت کے لئے اس شخص کو انتخاب کیا، جس نے ساری زندگی مذہب اعتزال کی حمایت و اثبات میں گزاری تھی، اور جس کے لئے اعتزال کی سند امامت تیار تھی، شیخ ابوالحسن کی طبیعت میں اعتزال کا رد عمل پیدا ہوا، ان کی طبیعت معتزلہ کی تاویلوں اور قیاس آرائیوں سے متنفر ہونے لگی، اور ان کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ سب ذہانت کی باتیں ہیں، اور اپنے مذہب کی پچ ہے، حقیقت کچھ اور ہے، اور وہ وہی ہے، جو صحابہ کرام اور سلف کا مسلک ہے، بالآخر عقل کو اسی آستانہ پر جھکنا پڑتا ہے، چالیس برس تک معتزلہ کے مذہب اور اعتقادات کی حمایت اور ان کو ثابت کرنے کے بعد ان کی طبیعت اس سے بالکل پھر گئی، اور ان کے ذہن میں اس کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی، پندرہ دن وہ گھر سے نہیں نکلے، سو لہو میں دن وہ گھر سے بیٹھے جامع مسجد پہنچے، جمعہ کا دن تھا، اور جامع مسجد

۱۱۱

بھری ہوئی تھی، انھوں نے منبر پر چڑھ کر بلند آواز سے اعلان کیا، جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا ہے اس کو بتلاتا ہوں کہ میں ابوالحسن اشعری ہوں، میں معتزلی تھا، فلاں فلاں عقیدوں کا قائل تھا، اب توبہ کرتا ہوں اپنے سابق خیالات سے باز آتا ہوں، آج سے میرا کام معتزلہ کی تردید اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا اظہار ہے، وہ دن اور ان کی زندگی کا اخیر دن ان کی ذہانت، علمی تبحر، قوتِ گویائی اور استدلال، تحریروں، اعتراضات کی تردید اور سلف کے مسلک اور اہل سنت کے عقائد کی تائید اور اثبات میں صرف ہوئی، جو کل تک معتزلہ کی زبان اور ان کا سب سے بڑا وکیل تھا، وہ اہل سنت کا ترجمان اور ان کا سب سے بڑا حامی بن گیا۔

امام ابوالحسن اشعری کا جذبہ تبلیغ و احقاقِ حق

وہ اس فرض کو تقرب الی اللہ اور جہاد و دعوتِ بجمہ کرانجام دیتے تھے اور خود معتزلہ کی مجلسوں میں جا کر اور ان کے منازلوگوں سے مل کر ان کو مطمئن کرنے اور حق کی تفہیم کرنے کی کوشش کرتے تھے، کسی نے ان کا کہا کہ آپ اہل بدعت سے کیوں ملتے جلتے ہیں، اور خود کیوں ان کے پاس چل کر جاتے ہیں، حالانکہ ان کے مقاطعہ کا حکم ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کیا کروں وہ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں، ان میں سے کوئی حاکم شہر ہے، کوئی قاضی ہے، وہ اپنے عہدہ اور وجاہت کی وجہ سے میرے پاس آنے سے رہے، اب اگر میں بھی ان کے پاس نہ گیا تو حق کیسے ظاہر ہوگا، اور ان کو کیسے معلوم ہوگا کہ اہل سنت کا بھی کوئی مددگار اور مدلل ہے ان کے مذہب کو ثابت کرنے والا ہے؟

ان کی ذہنی صلاحیتیں اور علی کمالات

امام ابوالحسن کو مناظرہ اور بحث و استدلال کا پہلے سے ملکہ تھا، اور یہ ان کا فطری ذوق اور خدا داد

۱۱۶ تبیین کذب المفزی - جلد ۱ ص ۲۴۴

صلاحت تھی، مذہب حق کی حمایت کے جذبہ اور تائید الہی نے ان کی ان قوتوں اور صلاحیتوں کو اور جلا دیا
 وہ اپنے زمانہ کی عقلی سطح سے بلند تھے، اور عقلیات و علم و کلام میں بہت دماغ رکھتے تھے، معجزہ کے سوالات و
 اعتراضات کا جواب وہ اس آسانی سے دیتے تھے، جیسے کوئی کہنہ مشق استاد اور ماہر فن مبتدی طالب علموں کے
 سوالات کا جواب دیتا ہے، اور ان کو خاموش کر دیتا ہے، ان کے ایک شاگرد ابو عبد اللہ بن خنیف اپنی
 پہلی ملاقات اور ایک مجلس کی کیفیت بیان کرتے ہیں :-

• میں شیراز سے بصرہ آیا، مجھے ابو الحسن اشعری کی زیارت کا شوق تھا، لوگوں نے مجھ ان کا پتہ دیا،
 میں آیا، تو وہ ایک مجلس مناظرہ میں تھے، وہاں معجزہ کی ایک جماعت تھی، اور وہ لوگ گفتگو کر رہے تھے،
 جب وہ خاموش ہوئے، اور انہوں نے اپنی بات پوری کر لی، تو ابو الحسن اشعری نے گفتگو شروع کی انہوں نے
 ایک ایک سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے یہ کہا تھا اور اس کا جواب یہ ہے، تم نے یہ اعتراض کیا تھا، اور اس کا
 جواب اس طرح ہے، یہاں تک کہ انہوں نے سب کا جواب دے دیا، جب وہ مجلس سے اٹھے تو میں
 ان کے پیچھے پیچھے چلا، اور ان کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا، انہوں نے فرمایا کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ میں نے
 کہا کہ یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی کتنی زبانیں ہیں، کتنے کان اور کتنی آنکھیں ہیں (کہ آپ سب کی سنتے، سب
 کی سمجھتے، اور سب کا جواب دیتے ہیں) وہ یہ سن کر ہنس دیئے۔“

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی سب باتیں تو سمجھ میں آئیں، مگر یہ نہ
 سمجھ سکا کہ آپ ابتداً خاموش کیوں رہتے ہیں، اور معجزہ کو گفتگو کا موقع کیوں دیتے ہیں، آپ کی شان تو
 یہ ہے کہ آپ ہی گفتگو کریں، اور اعتراضات کو خود رفع کر دیں، انہوں نے فرمایا کہ میں ان مسائل و اقوال کو اپنی
 زبان سے ادا کرنا جائز نہیں سمجھتا، البتہ یہ جب کسی کی زبان سے نکل جائیں تو پھر ان کا جواب دینا، اور ان
 اقوال کی تردید اہل حق کا فرض ہو جاتا ہے۔“

امام ابوالحسن اشعری مجتہد فن اور علم کلام کے بانی تھے، ان کے بعد تکلمین ان کی خداداد ذہانت، ان کے کلام کی گہرائی، ان کی نکتہ رسی، اور ان کی بالغ نظری کے قائل ہیں، قاضی ابوبکر باقلانی سے جس کو ان کے معاصرین نے ان کی فصاحت و حسن تقریر و قوت تحریر کی وجہ سے "لسان الائمہ" کا خطاب دیا تھا، کسی نے کہا کہ آپ کا کلام ابوالحسن اشعری کے کلام سے زیادہ بلند اور واضح معلوم ہوتا ہے، انھوں نے کہا کہ میری ہی سعاد ہے کہ میں ابوالحسن کے کلام کو سمجھ لوں۔

علامہ ابوالسحق اسفرائینی کا پایہ علم کلام و اصول فقہ میں مسلم ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں شیخ ابوالحسن باہلی (امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد) کے سامنے ایسا تھا، جیسے سمندر کے اندر قطرہ اور شیخ ابوالحسن باہلی کہتے تھے کہ میری حیثیت امام ابوالحسن اشعری کے سامنے ایسی تھی جیسے سمندر کے پہلو میں ایک قطرہ۔

ان کا مسلک اور ان کی خدمات

امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل و متوسط مسلک اختیار کیا، وہ نہ تو معتزلہ کی طرح عقل کی غیر محدود طاقت اور فرمانروائی کے قائل تھے کہ وہ انبیاء کے بارے میں اور ما بعد الطبیعیات میں بھی بے تکلف اپنا عمل کر سکے اور اس کے جزئیات و تفصیلات اور ذات و صفائی نہ ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر سکے، اور اس کو معیار قرار دیا جاسکے، نہ وہ بعض پریشانیوں و خرابیوں کو دین کی نصرت اور عقائد اسلام کی حفاظت کے لئے عقل کا انکار اور اس کی تحقیر فرمادی جتھے تھے، اور ان کلامی و اعتقادی مباحث سے جو زمانہ کے اثرات سے شروع ہو گئے تھے، احتیاط و سکوت واجب سمجھتے تھے، وہ معتزلہ اور فلسفہ زدہ علماء سے ان کی اصطلاحات اور علمی زبان میں گفتگو کرتے تھے جس سے مذہب و عقائد اہل سنت کا وقار اور وزن بڑھتا تھا، ان کا اس پر عمل تھا کہ "كلوا الناس على قدر عقولهم" اس میں

جس طرح عوام کی عقلی سطح کی رعایت ضروری ہے، اسی طرح اہل علم و عقلا کی عقلی سطح کی رعایت بھی ضروری ہے۔
ابراہیم اشعری نے پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ معتزلہ پر تنقید کی کہ انھوں نے دین کے اخذ و فہم
میں اپنی خواہشات کی پیروی اور اپنے فرقہ کے پیشواؤں کی تقلید کی، اور کتاب و سنت کو اس کا ماخذ نہیں
بنایا، بلکہ جہاں قرآن کی آیات اور اپنے عقائد میں تعارض دیکھا، بے تکلف اس کی تاویل اور توجیہ کر لی۔
کتاب الابانۃ من اصول التیانیۃ میں جو اعتزال سے علیحدگی کے بعد کی اولین تصنیفات میں سے ہے،
تحریر فرماتے ہیں:-

آما بعد اغان من الزائغین عن الحق	محمد و صلواتہ کے بعد معلوم ہو کہ معتزلہ اور قدریہ فرقوں
من المعتزلة و اهل القدر مالت بهم	نے جو حق سے منحرف ہیں اپنی خواہشات کی پیروی میں
اھوانہم الی تقلید و سائہم و من مضی	اپنے پیشواؤں اور اپنے فرقہ کے پیش روؤں کی تقلید
من اسلافہم فتا و لو القرآن علی ارائہم	کی، اور اپنی آراء کے مطابق کرنے کے لئے قرآن مجید کی
تاویل لہم یزل اللہ بہ سلطانا و لا یرفع	ایسی تاویلات کہیں جن کی خدانے کوئی سند نہیں
بہ برہانا و لا نقلوہ عن رسول اللہ	اتاری نہ ان کی کوئی واضح دلیل ہے، اور نہ وہ
سب العالمین ولا عن السلف	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف (صحابہ و
المتقدمین	تابعین) سے منقول ہیں۔

پھر اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے صاف لکھتے ہیں:-

قولنا الذی نقول بہ و دیانتنا الی	ہمارا عقیدہ جس کے ہم قائل ہیں اور ہمارا مسلک
ندین بہا القسک بکتاب ربنا عزوجل	جس پر ہم قائم ہیں یہ ہے کہ قرآن مجید اور سنت
و بیئۃ نبینا علیہ السلام و ما روے	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین

۱۔ کتاب الابانۃ من اصول الدیانۃ ص ۵، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

عن الصحابة والتابعين وأئمة الهدى
 ونحن بذلك محتفون وبما كان
 يقول به أبو عبد الله أحمد بن محمد
 بن حنبل نصر الله وجهه ورفع رقبته
 واجزل شوبته قائلون ولما خالف
 قوله مخالفون لأنه الإمام المفاضل
 والرئيس الكامل الذي أبان الله
 به الحق ورفع به الضلال وأوضح
 به المنهاج وقمع به بدع المبتدعين
 وزيج الزائغين وشك الثالين فرحة
 الله عليه من إمام مقدم وخبيل
 معظم مغمم

اور انکو حدیث سے جو منقول ہے اس کو اختیار
 کیا جائے ہم اسی مسلک پر مضبوطی سے قائم ہیں اور
 امام احمد بن حنبل کے عقائد و مسلک کے اثر ان
 کے چہرہ کو تروتازہ رکھے اور ان کے درجات
 بلند فرمائے اور ان کو اجر جزیل عطا فرمائے (قائل
 و متقدم ہیں اور جو ان کے مسلک سے علیحدہ ہے ہم
 اس سے علیحدہ ہیں اس لئے کہ وہ ایسے امام مفاضل
 اور پیشوا کے کال تھے کہ انہیں تنہا نے ان کے
 ہاتھوں میں کو واضح اور گمراہی کو ذائل فرمایا اور
 صراطِ مستقیم کو روشن کیا اور بتدوین کی بدعات
 اہل زینگی کو بکروئی اور اہل شک کے شکوک کا ازالہ
 کیا انہیں تنہا نے ایسے بلند پایہ امام اور ایسے سچے
 محبت و احترام پر پائیدار عین نازل فرمائے۔

لیکن ان کا اصل کارنامہ اس مسلک سنت اور عقیدہ سلامت کے ساتھ واقعیت اور اس کی اجمالی
 تائید نہیں ہے یہ تو محدثین اور عام خابہ کر رہے تھے بلکہ اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب
 سنت کے ان حقائق اور اہل سنت کے ان عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا اور معتزلہ اور دوسرے
 فرقوں سے ان کے ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک عقیدہ میں انہی کی زبان اور اصطلاحات میں بحث کر کے عقائد
 اہل سنت کی صداقت اور ان کا منقول و معقول کے مطابق ہونا واضح کیا۔

لے کتاب الابانۃ عن اصول الہدیۃ ص ۷

دین کی اہم خدمت کی تکمیل اور وقت کے اس عظیم الشان فریضہ کے ادا کرنے میں وہ معتزلہ اور نہجی فرقوں کے معتبوب بنے اور ایسا ہونا بالکل قدرتی تھا، لیکن وہ ان تشدد و محدثین اور جہاد مخالفہ کے اعتراضات کا ہدف بھی بن گئے، جن کے نزدیک ان مباحث میں حصہ لینا، اور فلسفہ کی اصطلاحات کا استعمال کرنا اور نقلی مباحث و مسائل میں عقلی استدلال سے کام لینا ہی ایک ذیخ و ضلال کی بات تھی۔

امام ابو الحسن اشعری خود اس بات کے قائل و داعی ہونے کے باوجود کہ عقائد کا ماخذ اور الہیات و ابعد الطبیعیاتی مسائل کے علم کلام کا سرچشمہ کتاب و سنت اور تعلیمات نبوت ہے، نہ کہ عقل مجرد اور قیاسات یا یونانی الہیات اس خیال سے متفق نہیں تھے کہ زمانہ کے اثرات سے یا دوسری قوموں اور فلسفوں کے اختلاط سے عقائد کے بارے میں جو مسائل چھڑ گئے ہیں اور ان کی بنیاد پر مستقل گروہ اور فرقے بن گئے ہیں، ان سے صرف اسی بنا پر سکوت کیا جائے کہ حدیث میں ان مسائل و مباحث اور ان الفاظ و اصطلاحات کا ذکر نہیں ہے، ان کے نزدیک اس سے سنت و شریعت کے وقار کو نقصان پہنچے گا، اور اس کو ان کی شکست اور کمزوری پر محمول کیا جائے گا، نیز فرق باطلہ کو جو عقلی استدلال اور فلسفہ کی اصطلاحات سے کام لے رہے ہیں، خود اہل سنت کے اندر نفوذ کرنے اور ان کے نوجوان اور ذہین عنصر کو اپنی طرف مائل کرنے کا موقع ملے گا، ان کے نزدیک عقائد کا ماخذ یقیناً وحی و نبوت محمدی ہے اور اس کا ذریعہ علم کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے اقوال و روایات ہیں، اس بارے میں ان کا راستہ معتزلہ و فلاسفہ سے بالکل جدا اور اس کے متوازی ہے، لیکن وہ ان حقائق و عقائد کے ثبوت میں تائید کے لئے عقلی استدلال اور رائج الوقت الفاظ و اصطلاحات سے کام لینا نہ صرف جائز بلکہ وقت کے تقاضے کی بنا پر ضروری اور افضل الجہاد سمجھتے ہیں، نیز وہ مباحث جن کا تعلق عقلیات و حیات سے ہے اور معتزلہ و فلاسفہ نے ان کو (خواخواہ) عقائد کی بحث کا جزو بنا دیا ہے اور اپنی ذہانت اور زبان آوری سے ان کو حق و باطل کا معیار قرار دے دیا ہے، امام ابو الحسن اشعری کے نزدیک ان سے گریز کرنا درست نہیں، شریعت کے کیل و زجر جان کو ان دائروں میں بھی ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے اور عقلی وحسی حیثیت سے

ان کی ترمیم اور اہل حق کے مذہب کا اثبات فرض ہے، ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے سکوت کی وجہ لاطلمی نہ تھی، بلکہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں یہ مباحث اور یہ طرز استدلال پیدا نہیں ہوا تھا، لیکن جس طرح زمانہ کے تغیرات اور نئے حالات نے بہت سی فقہی تفصیلات و جزئیات پیدا کر دیں اور نئے مسائل کے استنباط اور اجتہاد پر مجبور کیا، اور زمانہ شناس اور مخلص فقہاء و مجتہدین نے استنباط و اجتہاد سے کام لے کر نئے حوادث و مسائل کا جواب دیا، اور امت کو نئے فتنوں اور احماد و بے عملی کے حملوں سے بچایا، اسی طرح محافظینِ شریعت اور متکلمینِ اہل سنت کا فرض ہے کہ عقائد و الہیات کے دائرہ میں جو نئے سوالات پیدا ہو رہے ہیں، یا نئے اعتراضات کئے جا رہے ہیں، ان کا جواب دین اور زمانہ کی عقلیت کے مطابق عقائد حقہ کو ثابت و مدلل کریں، امام ابو الحسن اشعری نے اسی مدعا کو ثابت کرنے کے لئے ایک مستقل رسالہ استحسان الخوض فی الکلام تصنیف کیا۔

بہر حال انہوں نے دونوں گروہوں کی رضامندی اور ناراضمانندی سے آنکھیں بند کر کے دین کی نصرت و حمایت اور ایمان و عقیدہ کی حفاظت کے لئے جو طرز عمل ضروری سمجھا، بڑی شجاعت اور ذہانت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی، اور تقریراً و تحریراً اس میں مصروف رہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ و فلاسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو تھام لیا، اور بہت سے اکھڑتے ہوئے قدموں کو جا دیا، عقائد اہل سنت اور طریقہ سلف کی طرف سے پُر زور و مدلل حمایت و وکالت کرنے کی وجہ سے اہل سنت میں نیا اعتماد اور نئی زندگی پیدا ہوئی، اور وہ احساس کہتری رک گیا، جو گھن کی طرح سواد امت کو کھانا جا رہا تھا، معتزلہ بھی ان کے پے در پے حملوں سے پھپھے ہٹ گئے، اور ان کو اپنی حفاظت اور اپنے مذہب کے وجود کو قائم رکھنے کی فکر لاحق ہو گئی، ابو بکر بن الصیرفی کہتے ہیں کہ معتزلہ نے بہت سراٹھایا تھا، ان کے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے امام ابو الحسن اشعری کو پیدا کر دیا، انہوں نے معتزلہ کو اپنی ذہانت و استدلال سے بند کر دیا، ان کے اس کارنامہ کی وجہ سے لوگوں نے ان کو مجددین و محافظینِ سنت میں شمار کیا ہے، اور ابو بکر اسماعیلی جیسے بعض اہل نظر

کے تہجدین اور حفاظتِ شریعت کے سلسلہ میں امام احمد کے بعد ان کا نام آیا ہے۔

ان کی تصنیفات

امام ابوالحسن اشعری نے صرف بحث و مناظرہ اور زبانی تقریر و تفہیم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عقائد و باطل کی تردید میں جلیل القدر کتابیں تصنیف کی ہیں، انہوں نے اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جو ذہبی کے بیان کے مطابق تیس اجزاء میں ہے، بعض مؤلفین نے امام ابوالحسن اشعری کی تصنیفات کو ڈھائی سو سے تین سو تک بیان کی ہیں جن میں سے اکثر معتزلہ کے رد میں ہیں، اور بعض دوسرے مذاہب اذیان و فرق کی تردید میں ان میں ایک کتاب الفصول ہے جس میں انہوں نے فلاسفہ طباہین (نیچری) دہریہ، ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کا رد کیا ہے، یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور بارہ کتابوں کا مجموعہ ہے، ابن خلکان نے کتاب "اللمع" "الموجز" "ایضاح البرهان" "التبیین عن اصول الدین" "الشرح والتفہیم" "غنی الرد علی اهل الافک والتضلیل" کا بھی ذکر کیا ہے، علوم عقلیہ و کلام کے علاوہ علوم شریعت میں بھی ان کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں سے "کتاب القیاس" "کتاب الاجتہاد" "خبر الواحد" "ابن الراوندی کے انکار کا جواب" کے رد میں بھی ایک مستقل تصنیف ہے، انہوں نے خود اپنی کتاب (العمد) میں ان کتابوں کے نام لکھے ہیں جو وہ ۳۲۰ تک یعنی وفات سے چار سال پہلے تصنیف کر چکے تھے، یہ گنتی میں ۶۸ کتابیں ہیں جن میں سے متعدد دس دس بارہ بارہ جلدوں میں ہیں، زندگی کے آخری چار سال کے اندر بھی انہوں نے بکثرت تصنیفات لکھیں مقالات کلامیہ (جو ان کی مشہور کتاب ہے) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف متکلم ہی نہ تھے، بلکہ علم عقائد کے ایک بلند پایہ اور محتاط مورخ بھی تھے، انہوں نے اس کتاب میں معتزلہ اور دوسرے فرقوں کے جو اقوال و مذاہب نقل کئے ہیں ان میں بڑی احتیاط و دیانت سے کام لیا ہے، اور

۱۳۶ ۱۳۷ ایضاً ص ۱۲۸

خود ان فرقوں کی کتابوں سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

عبادت و تقویٰ

امام ابو الحسن محض علمی و عقلی آدمی نہ تھے، بلکہ علم و عقل میں درجہ امامت و اجتہاد کو پہنچنے کے ساتھ عبادت و تقویٰ اور اخلاق فاضلہ سے بھی آراستہ تھے، اور یہ اثر سلف کی عام خصوصیت ہے، احمد بن علی نقیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو الحسن کی بیس سال خدمت کی، میں نے ان سے زیادہ متودع، محتاط، باحیا دنیاوی معاملات میں شرمیلا اور امور آخرت میں مستعد نہیں دیکھا، تکلم ابو الحسن ہر وی بیان کرتے ہیں کہ امام ابو الحسن نے برسوں عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے، ان کے خادم بندار بن اکھین کا بیان ہے کہ امام ابو الحسن صرف ایک جائداد پر گزار کرتے تھے، جو ان کے دادا بلال ابن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے وقف کی تھی، اور جس کی آمدنی سترہ درہم روزانہ تھی۔

وفات

۳۲۲ھ میں امام ابو الحسن اشعری نے انتقال کیا، اور بغداد محلہ مشرع الزعمایا میں مدفون ہوئے، ان کے جنازہ پر اعلان کیا گیا کہ آج نامرگت کا انتقال ہو گیا۔

امام ابو منصور ماتریدی

اسی زمانہ میں دنیا کے اسلام کے ایک دوسرے سرے ماوراء النہر میں ایک دوسرے عالم اور

۱۰ مشہور مشرق WENSINK نے اپنی کتاب اسلامی عقیدہ MUSLIM CREED میں ۴۵۰ پر اور نیز نے مقالات اسلامیہ کے

مقدمہ میں اس کا بڑا اعتراف کیا ہے (الاشعری ابو الحسن) ۴۵۰ تبیین کذب المفتری ص ۱۳۱ ۴۵۰ ایضاً

۴۵۰ ایضاً ص ۱۳۲ و ابن خلکان ص ۴۶۵ بوالخطیب، ۵۵ ابن خلکان ص ۴۶۲۔

عظیم ابو منصور ماتریدی (م ۳۳۲ھ) نے علم کلام اور عقائد اسلام کی طرف توجہ کی، وہ بڑے متوازن و باع
 کے آدمی تھے، معتزلہ سے ہر وقت برسرِ مقابلہ ہونے کی وجہ سے امام ابواحسن کے علم کلام میں بعض انتہا پسندانہ
 باتیں آگئی تھیں، اور بعد کے اشاعرہ نے معاملہ کو اور آگے بڑھا دیا، امام ابو منصور نے حضور و اولاد اور ایسے التزامات
 کو جو معتزلہ کی ضد میں اشعری علم کلام کا جز بن گئے تھے، اور ان کا ثابت کرنا، اور نباہنا مشکل تھا، خارج کر دیا،
 اور اہل سنت کے علم کلام کی مزید تنقیح و تہذیب کی، اور اس کو زیادہ معتدل اور جامع بنا دیا، امام ابو منصور
 اور ان کے تبعین کا یہ اختلاف جزئی اور محدود تھا، ایسے مسائل جن میں ماتریدی نے اشاعرہ سے اختلاف کیا
 ہے، ان میں چالیس سے زائد نہیں، اور ان میں بھی اختلاف بیشتر لفظی ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی تھے، جس طرح شافعی علماء و متکلمین عقیدہ و اصولاً
 اشعری ہیں، اسی طرح حنفی علماء و متکلمین بالعموم ماتریدی ہیں، امام ابو منصور بہت بڑے مصنف بھی تھے،
 معتزلہ روافض اور قرامطہ کی تردید میں ان کی بڑی فاضلانہ تصنیفات ہیں، ان کی کتاب تالیفات القرآن
 اپنے موضوع پر ایک جلیل القدر تصنیف ہے، جس سے ان کی غیر معمولی قابلیت علوم عقلیہ سے واقفیت
 اور اعلیٰ درجہ کی ذکاوت کا اظہار ہوتا ہے۔

امام ابواحسن اشعری نے چونکہ معتزلہ اور اعتزال کا براہ راست مقابلہ کیا تھا، اور وہ عالم اسلام کے
 علمی مرکز (عراق) میں تھے، جہاں معتزلہ کا بڑا زور تھا، اس لئے انھوں نے علمی حلقہ کو زیادہ متاثر کیا، اور علم کلام

لے یہ زمانہ اعتزال کے خلاف رد عمل اور علمی علم کلام و عقائد کی تدوین کا خاص دور تھا، امام ابواحسن اشعری کے علاوہ تقریباً
 اسی زمانہ میں مصر میں طحاوی (م ۳۳۳ھ) اور سمرقند میں امام ابو منصور ماتریدی (م ۳۳۳ھ) پیدا ہوئے، اول الذکر نے
 اپنے دونوں نامور معاصرین کے مقابلہ میں علم کلام میں شہرت حاصل نہیں کی، اور امام ابو منصور ماتریدی کا مدرسہ فکر بھی اشعری
 مدرسہ میں ضم ہو کر رہ گیا۔ ۲ عقائد مندیہ کے تعلیقات میں شیخ محمد عبدہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ مختلف ذی مسائل میں سے

زائد نہیں (ابن تیمیہ از محمد ابو زہرہ) ص ۱۱۵

کی تاریخ میں ان کا نام اور کام زیادہ نمایاں اور پیش پیش ہے۔

اشعری حلقہ کے علماء اور ان کا علمی اثر

امام اشعری کے بعد ان کے سلسلہ اور کتب خیال میں بڑے جلیل القدر علماء و متکلمین اور ساتھ پیدا ہوئے جنہوں نے تمام عالم اسلام پر اپنا ذہنی تفوق اور اپنی قابلیت کا سکہ قائم کر دیا، اور ان کی وجہ سے دنیا سے اسلام کی علمی و ذہنی قیادت معتزلہ کے ہاتھ سے نکل کر علماء اہل سنت کے ہاتھ میں آگئی، چوتھی صدی میں قاضی ابوبکر باقلانی (م ۳۲۵ھ) اور شیخ ابواسحق اسفرائینی (م ۳۱۸ھ) بڑے نامور متکلم اور باعظمت عالم تھے، پانچویں صدی میں علامہ ابواسحق شیرازی متوفی ۳۵۶ھ اور امام اکرین ابوالعالی عبدالملک الجونی (م ۳۶۸ھ) نے اپنے علم و فضل سے دنیا پر بادشاہت کی۔

علامہ ابواسحق شیرازی مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس تھے، خلیفہ مقتدی باشر نے ان کو ملک شاہ سلجوقی کے پاس سفر بنا کر بھیجا، وہ بغداد سے نیشاپور اس شان سے پہنچے کہ جس غم سے گذرتے شہر کا شہران کے استقبال کے لئے نکل آتا جو ش عقیدت میں یہ لوگ ان کے پاؤں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے، دو کاہا اپنا سامان تجارت ان پر نثار کرتے، مٹھائیوں، پھلوں قیمتی کپڑوں کی بارش کرتے، نیشاپور پہنچے تو پورا شہر استقبال کے لئے اٹھ آیا، امام اکرین ان کا غاشیہ اپنے کاندھوں پر دیکھ کر خادم کی طرح ان کے سامنے چلتے تھے اور کہتے تھے، کہ مجھے اس بات پر فخر ہے۔

اپ ارسلان سلجوقی کی سلطنت اور نظام الملک کی وزارت میں سب سے بڑی اسلامی مملکت میں امام اکرین کو سب سے بڑا دینی اعزاز حاصل تھا، وہ نیشاپور کے خطیب سلطنت کے اسلامی اوقاف کے ناظم و نگران اور مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس تھے، ابن خلکان لکھتے ہیں:-

وَبَقِيَ عَلَى ذَلِكَ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ سَنَةً
غَيْرَ مَزَاحِمٍ وَلَا مَدَافِعٍ مَسْلُومًا لِمُحْرَبٍ
وَالْمَنْبَرِ وَالنَّخْبَةِ وَالتَّدْرِيسِ وَمَجْلِسِ
التَّذْكَيرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۱۰
تیس سال تک وہ اس طرح رہے کہ علمی و دینی
میدان میں ان کا کوئی ہمسرا اور حریف نہ تھا، اور
ومنبر کی وہ زینت تھے، خطابِ تدریس اور وعظ
و تذکیر انھیں کا منصب سمجھا جاتا تھا۔

ان کے اثر و رسوخ اور علوم مرتبت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ملک شاہ سلجوقی نے عید کے چاند کا اعلان
کرا دیا، امام احرارین کے نزدیک رویت ثابت نہیں تھی، انھوں نے منادی کروادی کہ ابوالمعالی (امام احرارین
کی کنیت) کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان ہے، جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ کل بھی
روزہ رکھے، ملک شاہ نے باز پرس کی تو فرمایا کہ جو امور فرمانِ سلطانی پر موقوف ہیں ان کی اطاعت ہم پر فرض
ہے اور جو حکم فتویٰ سے متعلق ہے، وہ بادشاہ کو مجھ سے پوچھنا چاہئے، کیونکہ حکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی
کے برابر ہے، روزہ رکھنا عید کرنا یا سو فتویٰ پر موقوف ہیں، بادشاہ وقت کو ان سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ
بادشاہ نے اعلان کرا دیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا، اور امام احرارین کا حکم صحیح ہے ۱۱

ان کا انتقال ہوا تو نیشاپور کے بازار بند ہو گئے، جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا، ان کے شاگرد
جو چار سو کے قریب تھے، سب نے رواتِ قلم توڑ ڈالے، لوگ ایک دوسرے سے تعزیت کرتے تھے،
سال بھران کا غم تازہ رہا۔ ۱۲

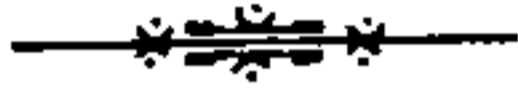
نظام الملک طوسی (کے عہد وزارت سے) جو عقیدۂ اشعری تھا، اور اپنے وقت کی سب سے
بڑی اسلامی (سلجوقی) سلطنت کا نفسِ ناطق تھا، اشعریت کو بڑا فروغ ہوا، اور اس کو ایک طرح
کی سرکاری حمایت اور تائید حاصل ہو گئی، بغداد اور نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ کے قیام نے جو اشعری

۱۰ اخلاق جلالی ص ۱۱۵، ۱۱۹

۱۱ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۴۲

۱۲ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۴۳

علماء و اساتذہ کے زیر اہتمام تھے، اشعریت کو علمی وسعت و استحکام بخشنا، درسہ نظامیہ بغداد، عالم اسلام کا سب سے بڑا دارالعلوم تھا جس کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور اس میں پڑھانا اور پڑھنا علماء و طلبہ کے لئے ایک فخر کی بات تھی، اس کے اثر سے طلبہ اور عوام کا اشعری عقائد و فکر سے متاثر ہونا قدرتی امر ہے۔



علم کلام کا انحطاط فلسفہ اور باطنیت کا فروغ

اور
ایک نئے متکلم کی ضرورت

علم کلام کا انحراف و انحطاط

اس وقت اگرچہ اشعری مکتب خیال کے علماء تمام عالم اسلام، نظام تعلیم اور مذہبی زندگی پر حاوی ہو گئے تھے، لیکن خود ان کے کلام اور ان کے اقتدار کو اندر سے گھن لگ گیا تھا، امام ابو الحسن اشعری کی طاقتور شخصیت و عقلیت اور مجتہدانہ دماغ نے معتزلہ کے سحر کو باطل کر دیا تھا، اور سنت و شریعت کا اقتدار از سر نو قائم کر دیا تھا، اس میں ان کے اصول و قواعد کو تنہا دخل نہ تھا، ان کی بلند ذہنی صلاحیتوں اور علمی ملک استدلال و اجتہاد کو بھی دخل تھا، یہ وقار ایسی ہی طاقت و شخصیتوں اور اجتہادی قابلیتوں سے قائم رہ سکتا تھا، لیکن ان کے پیرو رفتہ رفتہ لکیر کے فقیر بن گئے، اور علم کلام میں بھی بجائے تجدید و اجتہاد کے نقل و نقل کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن لوگوں نے زمانہ کی تبدیلی کا احساس کیا، اور جدت سے کام لیا، انھوں نے فلسفہ کی اصطلاحات اور فلسفیانہ طرز استدلال کو علم کلام میں داخل کر لیا، جو نہ قرآن مجید کے طریق استدلال کی طرح فطری، عام فہم اور دلکش تھا، نہ ان کے دعاوی کے ثبوت کے لئے قطعی دلائل فراہم کرتا تھا، اس میں خود قیل و قال کی بڑی گنجائش تھی، اور ہر وقت اس کا خطرہ تھا کہ اس کے مقدمات کو کمزور اور مشکوک ثابت کر دیا جائے، اس طرح نہ انھوں نے اہل سنت اور مسلک سلف کی صحیح نمایندگی کی، نہ خالص فلسفہ کے

لے جیسا کہ ابن تیمیہ نے اپنی بعض تصنیفات خصوصاً الرد علی المنطقیین میں کیا۔

حلقوں میں احترام و عظمت حاصل کی۔

فلسفہ کارواج

دوسری طرف مامون کی قدر دانی اور دلچسپی اور مترجمین کی محنت اور توجہ سے سریانی، یونانی اور فارسی سے یونانی فلسفہ کی بکثرت کتابیں خصوصاً ارسطو کی تصنیفات عربی میں منتقل ہو گئی تھیں اور وہ تہذیب و طبیعت اور عام عقلیت مسلمانوں پر بڑا اثر ڈال رہی تھیں، اس ذخیرہ میں کچھ تو منطق، طبیعیات، عنصریات، ریاضیات کی کتابیں اور علوم تھے جن کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہ تھا، اور کچھ انبیات اور باعبدہ الطبیعیات کے مباحث اور دفتر تھے، انبیات کا یہ ذخیرہ درحقیقت یونانیوں کا علم الا صنم (دیوالا) تھا، جس کو انھوں نے بڑی چالاکی سے فلسفیانہ زبان اور علمی اصطلاحات میں منتقل کر دیا تھا، یہ مفروضات اور تخیلات کا ایک طلسم تھا، جس کا نہ کوئی ثبوت تھا نہ کسی عالم میں ان کا وجود، اس میں کہیں عقول و افلاک کا شجرہ نسب، کہیں ان فرضی اور خیالی چیزوں کے افعال و حرکات کا زائچہ کھینچا گیا ہے، ایک ایسی امت کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی ذات و صفات کے صحیح معرفت اور نوع انسان اور کائنات کی ابتدا و انتہا اور آغاز و انجام کا یقینی علم بخشا تھا، اس یونانی افسانہ اور طلسم ہو شرباہ کی طرف التفات کرنے اور اس کی تفصیلات و جزئیات پر وقت ضائع کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی، مگر جو لوگ یونانیوں کے منطق و طبیعیات اور ریاضیات سے مرعوب تھے، انھوں نے انبیات کے اس دفتر پارینہ کو بھی صحیفہ آسمانی کی طرح قبول کر لیا، اور اس کو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا کہ گویا ان کے پاس پتھر اور آسمانی کتاب کے ذریعہ کوئی علم نہیں پہنچا تھا، اور وہ جاہل قوموں کی طرح انبیات و دینیات میں بھی اسی طرح بے بصارت اور تہی دامن تھے، جیسے ریاضیات و طبیعیات میں۔

فلسفہ یونان کے عرب ناقل و شارح

دوسری طرف فلسفہ یونان کو یعقوب کندی (م ۲۵۸ھ) ابوالنصر فارابی (م ۳۲۹ھ) اور شیخ بوعلی ابن سینا (م ۳۷۰ھ) کے سے پرچوش وکیل حاصل ہوئے کہ خود یونان میں بھی ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، انہوں نے ارسطو کو عصمت و تقدیس اور علم و حکمت کے ایسے مقام پر پہنچا دیا جو یونانی انبیاء میں شاید میدراول (واجب الوجود) کو بھی حاصل نہیں، یہ بھی ایک بد قسمتی تھی کہ مسلمانوں کے حصہ میں یونان کے علمی ذخیرہ میں سے زیادہ تر ارسطو کی تصنیفات و افکار آئے، جو پیروں کی تعلیمات، اور دین کی روح و مزاج سے زیادہ اختلاف اور کم از کم مناسبت رکھتے ہیں، پھر دوسری بد قسمتی یہ تھی کہ فلاسفہ عرب میں سے کوئی بھی ان کے اصل ماخذوں اور ان کی اصل زبانوں سے واقف نہیں تھا، ان کا تمام تراجم تراجم پر تھا، اور ان سے خود ان فلاسفہ کا منشاء سمجھنے میں غلطیاں ہوئیں، پھر ان پر ارسطو کا ایسا علمی رعب اور اس کی شخصیت کا ایسا سحر غالب تھا کہ انہوں نے اس کے افکار و آراء پر نقد و جرح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور مقولات کو بھی مقولات بنا دیا۔

جماعت انخوان الصفا اور اس کے رسائل

چوتھی صدی کے آخر میں تمام عالم اسلام پر فلسفہ یونان کا اثر پڑ رہا تھا، ہر ذہن و متحسس نوجوان اس کو شوق و عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، چوتھی صدی کے وسط ہی میں انخوان الصفا کے نام سے فری سین کے طرز کی ایک خفیہ انجمن بغداد میں قائم ہوئی، جس میں فلسفہ یونان کو معیار قرار دے کر دینی مباحث اور عقائد پر گفتگو ہوتی تھی اور مسائل کو طے کیا جاتا تھا، اس انجمن کا منشور ان کے الفاظ میں یہ تھا۔

اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آئینہ نش سے

ان الشریعة الاسلامیة قد تنجست

بالمجالات واختلطت بالضلالت
 ولا سبيل الى غسلها وتطهيرها الا بالفلسفة
 لانها حادية للحكمة الاعتقادية والمصلحة
 الاجتهادية وانه متى انضمت الفلسفة
 اليونانية والشريعة المحمدية فقد
 حصل الكمال له
 گندی ہو گئی ہے اس کو صرف فلسفہ کے ذریعہ
 دھوا اور پاک کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ فلسفہ
 اعتقادی علوم و حکمت اور اجتہادی مصلحتوں
 پر حاوی ہے اب صرف فلسفہ یونان اور شریعت
 محمدی کے امتزاج سے کمال مطلوب حاصل
 ہو سکتا ہے۔

ان کی اپنے رفقاء کو خاص ہدایت تھی کہ وہ پختہ کار اور سن رسیدہ لوگوں پر وقت ضائع کرنے کے بجائے نوجوانوں اور کم عمریوں کی طرف توجہ کریں اور ان کو اپنے خیالات سے متاثر کرنے کی کوشش کریں، اس لئے کہ عمر رسیدہ لوگوں میں پختگی اور جمود ہوتا ہے، جو نئی چیز کو قبول کرنے سے مانع ہوتا ہے، نوجوان نئی چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

انہوں نے اس بحث و نظر کے نتیجہ میں ۲۵ رسالے مرتب کئے، جو ان کے فلسفہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور رسائل اخوان الصفا کے نام سے تاریخ و ادب میں شہور میں اور طبیعیات، ریاضیات، عقلیات کے مباحث پر مشتمل ہیں، معتزلہ اور ان کے ہم مذاق لوگوں نے ان رسائل کو ہاتھوں ہاتھ لیا، وہ اپنی مجلسوں میں ان کو پڑھتے تھے اور جہاں جاتے تھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے، یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر وہ اندلس پہنچ گئے۔

معتزلہ و فلاسفہ کا فرق

معتزلہ سے اگرچہ دانستہ یا نادانستہ شریعت کو نقصان پہنچا تھا، اور انہوں نے عقل کی طاقت کو غیر محدود سمجھ کر ذات و صفات کے نازک و اورا عقل (نہ کہ نالف عقل) مسائل کو بازیچہ اطفال بنا دیا

۱۔ تاریخ فلاسفہ اسلام فی المشرق و المغرب محمد الطغنی ج ۲ ص ۲۵۳ ۲۔ ایضاً ص ۲۶۱-۲۶۲ ۳۔ تاریخ فلسفہ اسلام ص ۲۵۳

تھا، لیکن وہ اصلاً مذہبی ذہن کے لوگ تھے، وحی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اور عموماً مقشفت، معاصی سے بچنے والے، محنت و محاط تھے، عبادت اور دینی دعوت کا ذوق رکھتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سختی کے ساتھ پابند تھے، اور یہ سب ان کے اصول و عقائد کا اقتضا تھا، اس لئے اعتزال کے فروغ اور معتزلہ کے افتداز سے عالم اسلام میں کفر و کجاد و انکار نبوت، انکار معاد اور بے علی اور تعطل کا رجحان پیدا نہیں ہو سکا، اور مسلمانوں کا مذہبی شعور مجروح یا کمزور نہیں ہونے پایا۔

لیکن فلاسفہ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، فلسفہ نبوت کے بالکل متوازی چلتا ہے اور کہیں جا کر نہیں ملتا، وہ دین کے اصول و کلیات اور اس کے بنیادی عقائد و مسائل سے متصادم ہے، اس لئے جس قدر فلسفہ کی مقبولیت اور عظمت بڑھتی گئی، قدرتی طور پر دین کی وقعت اور انبیاء علیہم السلام کی عظمت کم ہوتی گئی، اور عقائد سے لے کر اخلاق و اعمال تک اس ذہنی تبدیلی سے متاثر ہوئے، مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا، جو دین کی علانیہ تحقیر کرتا، اور اسلام سے فخریہ اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتا، جو لوگ اتنی اخلاقی جرأت نہیں رکھتے تھے، وہ ظاہری طور پر رسم و رواج کے پابند تھے، لیکن اندر سے وہ کسی معنی میں مسلمان نہیں تھے۔

باطنیت کا فتنہ

فلسفہ کے ساتھ ساتھ اور اس کے اثر سے ایک نیا فتنہ پیدا ہوا، جو اسلام کے حق میں اور نبوت کی تعلیمات کے لئے فلسفہ سے بھی زیادہ خطرناک تھا، یہ باطنیت کا فتنہ ہے، اس کے بانی اور داعی اکثر ان قوموں کے افراد تھے، جو اسلام کے مقابلہ میں اپنی سلطنتیں اور اقتدار کھو چکے تھے، اور ظاہری مقابلہ اور جنگ سے ان کی بازیافت کی، کوئی امید نہ تھی، یا شہوت پرست اور لذت پسند لوگ تھے، اور اسلام ان کی زندگی پر

۱۲۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صحنی الاسلام ج ۳ فصل اول ۱۲۳ ان کے نزدیک کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی مخلد فی التار

ہوتا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے۔

حدود و قیود عائد کرتا تھا، یا شخصی اقتدار اور سرداری کے زریں تھے ان تمام مختلف مقاصد کے لوگ بالذات ان کے نشان کے نیچے جمع ہو گئے، انہوں نے محسوس کیا کہ وہ اسلام کو جنگی طاقت سے شکست نہیں دے سکتے، مسلمانوں کو کفر و کجی کی کھلی ہوئی دعوت دے سکتے ہیں اس لئے کہ اس سے ان کے مذہبی احساسات بیدار ہو جائیں گے اور مقابلہ کی قوت ابھر آئے گی، انہوں نے اس کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔

ظاہر و باطن کا مغالطہ

انہوں نے دیکھا کہ شریعت کے اصول و عقائد اور احکام و مسائل کو الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور انسانوں کے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے ایسا ضروری تھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ
لِيَتَّبِعَ لَهْمُ (سورہ ابراہیم ۴) کی زبان میں تاکہ لوگوں پر مطلب واضح کر دے۔

ان الفاظ کے معنی و مفہوم متعین ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے ان کی تشریح اور اپنے عمل سے ان کی تعبیر کر دی ہے، یہ معنی و مفہوم امت میں عملی و لفظی طور پر تواتر و تسلسل سے چلے آ رہے ہیں، اور ساری امت ان کو جانتی اور مانتی ہے، نبوت و رسالت، ملائکہ، معاد، جنت و جہنم، شریعت، فرض و واجب، حلال و حرام، صلاۃ، زکوٰۃ، روزہ، حج، یہ سب وہ الفاظ ہیں جو خاص دینی حقائق کو بیان کرتے ہیں، اور جس طرح یہ دینی حقائق محفوظ چلے آ رہے ہیں، اسی طرح ان دینی حقائق کو ادا کرنے والے یہ الفاظ بھی محفوظ چلے آ رہے ہیں، اور اب دونوں لازم ملزوم بن گئے ہیں۔

جب نبوت و رسالت، یا نبی یا صلوة یا زکوٰۃ کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے اس کی وہی حقیقت سمجھ میں آئے گی اور وہی عملی شکل سامنے آئے گی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اور صحابہ کرام نے اس کو سمجھا، اس پر عمل کیا، اور اس کو دوسروں تک پہنچایا، اور اسی طرح نسل بعد نسل وہ چیز امت تک

تفہم ہوتی رہی انہوں نے اپنی ذہانت سے اس نکتہ کو سمجھا کہ الفاظ و معانی کا یہ رشتہ امت کی پوری زندگی
 اور اسلام کے فکری و عملی نظام کی بنیاد ہے، اور اسی سے اس کی وحدت اور اپنے سرچشمہ اور اپنے ماضی سے
 اس کا ربط قائم ہے، اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے اور دینی الفاظ و اصطلاحات کے مفہوم و معانی متعین نہ رہیں
 مشکوک ہو جائیں تو یہ امت ہر دعوت اور ہر فلسفہ کا شکار ہو سکتی ہے، اور اس کے سنگین قلعہ میں سیکڑوں
 اور دروازے اور اس کی مضبوط دیواروں میں ہزاروں شکاف پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس نکتہ کو پا جانے کے بعد انہوں نے اپنا سارا زور اس تبلیغ پر صرف کیا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری
 معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی اور باطنی، اسی طرح قرآن و حدیث کے کچھ ظاہری ہیں اور کچھ حقائق ان حقائق
 سے ان ظواہر کو وہی نسبت ہے جو گودے اور مغز سے پھلکے اور پوست کو ہے، جہلا صرف ان ظواہر کو
 لے جاتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں پوست ہی پوست ہے، عقلا و حقائق کے عالم ہیں اور ان کے حصہ میں مغز
 آیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ دراصل حقائق کے رموز و اشارات ہیں ان سے وہ مراد نہیں جو عوام سمجھتے
 اور عمل کرتے ہیں ان سے مراد کچھ اور چیزیں ہیں جن کا علم صرف اہل اسرار کو ہے اور انہیں سے دوسروں کو
 حاصل ہو سکتا ہے جو ان حقائق تک نہیں پہنچا، اور ظواہر میں گرفتار ہے، وہ ظاہری بیڑیوں اور شریعت کی
 پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور نہایت نیچی سطح پر ہے، جو حقائق و رموز کی بلند سطح تک پہنچ جاتا ہے اس کی
 اگر دن یہ طوق و سلاسل اترا جاتے ہیں اور وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے، یہی اس آیت کا مفہوم ہے۔

وَتَمَّعْنَاهُمْ مِنْهُمْ صِرَاطَهُمْ وَالْأَعْلَالَ الَّتِي

(یعنی) اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دے ہو

عالمہ تعلیل شریعت کا مستقل عقیدہ بھی پایا جاتا تھا، ایک باطنی امام و داعی مہیڈا اور اس لکھتے ہیں۔

نَعَتْ اَللّٰهُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ وَهُوَ بِنِى نَاطِقٍ يَسْمَعُ شَرِيْعَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (محمد بن اسمعیل کو اللہ تعالیٰ

نے بنی ناطق کی حیثیت سے مبعوث فرمایا، اور انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو سونچ کر دیا، (عاصمۃ نفوس المہتدین

و قاصمۃ ظہور المعتدین لیسیدنا ادریس) معز لدین الشرفاطمی سے بھی ایسے ہی اقوال منقول ہیں۔

کانت علیہم۔ (اعراف ۱۵۴) ہیں ان پھندوں کے نکلنے کا جن میں گرفتار تھے۔

جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا، اور حقائق و ظواہر کے اس فلسفہ کو قبول کر لیا گیا تو انہوں نے نبی و کلام نبوت، ملائکہ، آخرت اور اصطلاحات شرعیہ کی من مانی تشریح کرنی شروع کر دی جس کے بعض نادر نمونے یہ ہیں:

نبی اس ذات کا نام ہے جس پر قوت قدسیہ مافیہ کا فیضان ہو، جبریل کسی ہستی کا نام نہیں، صرف فیضان

کا نام ہے، معاد سے مراد ہر چیز کا اپنی حقیقت کی طرف واپس آجانا ہے، جنابت سے مراد اٹھائے راز ہے،

عقل سے مراد تجدید عہد ذلت سے مراد علم باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک

نہ ہو، طہارت سے مراد مذہب باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب کے برأت، تمیم سے مراد اذکار (اجابت یافتہ)

سے علم کا حصول، صلوٰۃ سے مراد امام وقت کی طرف دعوت، زکوٰۃ سے مراد اہل استعداد و صفائیں

انتاعت، علم، ہیام (روزہ) سے مراد اٹھائے راز سے پرہیز و احتیاط، حج سے مراد اس علم کی طلب جو

عقل کا قبلہ اور منزل مقصود ہے، جنت، علم باطن، جہنم، علم ظاہر، کعبہ، خود نیکی کی ذات ہے، باب کعبہ سے

مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات، قرآن مجید میں طوفان نوح سے مراد علم کا طوفان ہے، جبرئیل

اہل شہادت عرق کر دیئے گئے، آتش خرد سے مراد خرد کا غصہ ہے، ذکر حقیقی، ناگ، نوزک سے مراد جس کا

ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا، بیٹے سے مراد لینا یا بھجنا، حج سے مراد اہل ظاہر ہیں، حصالے بوسی سے مراد

ان کی دلیل اور محبت ہے، وغیرہ وغیرہ۔

نبوتِ محمدی کے خلاف بغاوت

الفاظِ شرعی کے متواتر و متواتر معنی و مفہوم کا انکار اور قرآن و حدیث کے ظاہر و باطن اور مغز و پوست کی تقسیم، ایسا کامیاب حربہ تھا، جس سے اسلام کے نظامِ اعتقاد و نظامِ فکر کے خلاف سازش

لے قواعد عقائد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الدیلمی بیانی زانہ، تالیف ششمہ ص ۱۱۰

کرنے والوں نے ہرزمانہ میں کام لیا، اسلام کی پوری عمارت کو اس طرح آسانی سے ڈائنامیٹ کیا جاسکتا تھا۔
 اور اسلام کے ظاہری نول کے اندر ریاست اندرون ریاست قائم کی جاسکتی تھی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کی
 صدیوں میں جن فرقوں نے اور منافقین کی جس جماعت نے نبوتِ محمدی کے خلاف بغاوت کرنی چاہی، اس نے
 باطنیت کے اسی حربے سے کام لیا، اور اس معنوی تواتر و توارث کا انکار کر کے پورے نظامِ اسلامی کو مشکوک و
 مجروح بنا دیا، اور اپنے لئے دینی سیادت بلکہ نئی نبوت کا دروازہ کھول لیا، ایران کی بہائیت اور ہندوستان
 کی قادیانیت اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

لے قادیانیوں نے بھی باطنیوں کی طرح الفاظ کو قائم رکھتے ہوئے ان کا نیا مفہوم بیان کیا ہے اور معنوی توارث و تواتر کا عملاً انکار
 کیا ہے، ختم نبوت، مسیح و نزول مسیح، ہجرات، دجال وغیرہ سب الفاظ وہی ہیں مگر ان کی تشریح و تطبیق میں باطنیوں کی طرح اختراع
 و ایجاد سے کام لیا ہے، مرزا صاحب کی کتاب میں اور مولوی محمد علی کی تفسیر اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں۔

بہائیوں نے بالکل نئی شریعت وضع کی ہے جس کے بعض وفعات یہ ہیں: روزہ سال میں ایک ہی مہینہ کا ہے، مگر مہینہ ۱۹ دن
 کا ہے، روزہ کی ابتداء صبح صادق کے بجائے طلوع آفتاب سے ۱۱ سال سے ۲۲ سال تک انسان احکامِ شرعی کا مکلف رہتا ہے، پھر
 پابندیاں اٹھ جاتی ہیں، وضو فرض نہیں ہے، مستحب ہے، عورتوں پر نظر جائز ہے، کوئی پردہ نہیں جس گھر میں بانی مذہب (باب) کی ولادت
 ہوئی ہے، اس کی زیارت واجب ہے، جماعت کی نماز صرف جنازہ میں مشروع ہے، ایمان کے بعد کوئی چیز نجس نہیں بلکہ محض۔
 مذہبِ بابی کی پیروی سے آدمی ظاہر ہو جاتا ہے، پھر کبھی گندہ نہیں ہوتا، بلکہ جس چیز کو اس کا ہاتھ لگ جاتا ہے وہ بھی ظاہر
 ہو جاتی ہے، پانی ہمیشہ ظاہر و مظهر رہتا ہے، بہائیوں کا قانون میراث علیحدہ ہے (حاضر العالم الاسلامی سچو ال فرنج
 انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) موسیو ہوارٹ نے اپنے مقالہ "بہیت" میں صحیح لکھا ہے کہ باب نے اسلام میں اصلاح کے
 نام سے ایک نئے دین کی تشکیل کی ہے جس کے عقائد و اصول علیحدہ ہیں، اور اس کو نئی سوسائٹی اور ہیئت اجتماعیہ کے منشور
 کے طور پر پیش کیا ہے، یہی صورت حال قادیانیت کی ہے، دونوں جگہ ایک نئی نبوت اور ایک نئے نظامِ دینی کی تاسیس ہے،
 درحقیقت یہ سب باطنیت کی صدائے بازگشت ہے۔

ظاہر ہے کہ ان نکتہ آفرینیوں کو (جن کی چند مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں) کوئی سلیم الطبع آدمی قبول نہیں کر سکتا تھا، لیکن علم کلام کی معرکہ آرائیوں نے عالم اسلام میں ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا، اور فلسفہ کے اثر سے لوگوں میں پھیلنے لگا اور غامض مضامین کا (خواہ اس کے اندر کوئی مغز نہ ہو) ایسا مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ ایک طبقہ پر باطنیوں کا جادو چل گیا، جنہوں نے قدیم علم ہیئت، علم طبیعیات اور یونانی الہیات کے مسائل اور یونانی اصطلاحات عقل اول وغیرہ کو آزادی سے استعمال کیا تھا، اور مختلف اثرات اور مختلف اغراض سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، کچھ جذبہ انتقام میں کچھ اسرار و رموز کے شوق میں کچھ غلط قسم کی ظاہر اور نقشب کے رد عمل میں کچھ بواہوسی اور نفس پرستی کی آزادی کے لالچ میں کچھ اہل بیت کے نام سے اس طرح باطنیوں نے ایسی خفیہ تنظیم قائم کر لی جس سے طاقتور اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشاں رہیں، عالم اسلام کی بعض لائق ترین اور مفید ترین ہستیاں (نظام الملک طوسی و فخر الملک وغیرہ) ان کا شکار ہوئیں، عرصہ تک کسی بڑے عالم اور مسلمان بادشاہ یا وزیر کو اس کا اطمینان نہیں تھا کہ صبح وہ صحیح سلامت اٹھے گا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اصفہان میں اگر کوئی شخص عصر تک اپنے گھر واپس نہ جاتا تو سمجھ لیا جاتا کہ وہ کسی باطنی کا شکار ہو گیا، اس بدامنی کے علاوہ انہوں نے ذہن و ادب اور علم کو بھی متاثر کرنا شروع کیا، اور دین کے اصول و نصوص اور قطعیات کی تاویل و تحریف اور عام امجاد کا دروازہ کھل گیا۔

ایک نئی شخصیت کی ضرورت

فلسفہ اور باطنیت کے ان اسلام کش اثرات کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس کو علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں پوری بصیرت اور دستگاہ حاصل ہو، اور وہ تمام علوم میں مجتہدانہ نظر اور اپنا خود مقام رکھتا ہو، جو اپنے ذہن خداداد وجودت طبع اور دقت نظر میں فلاسفہ یونان اور بہت سے

۱۔ باطنیوں کے ہاتھ سے شہید ہونے والوں کی مفصل فہرست کے لئے ملاحظہ ہو، "نظام الملک طوسی ص ۵۱۳، ۵۱۶"

یہاں قدیم ائمہ فکر سے کم نہ ہو، جو بہت سے علوم کو نئے طریقہ سے مدون کرنے کی قابلیت رکھتا ہو، جو نو علم اور نیا
 وسعت نظر کے ساتھ دولت یقین سے بھی مالا مال ہو، اور اس نے اپنے ذاتی تفکر، تلاش و تحقیق اور ریاضت
 و عبادت سے دین کے ان ابدی حقائق پر نیا ایمان حاصل کیا ہو، اور وہ نئے اعتماد، تازہ یقین کے ساتھ
 علی وجہ البصیرۃ دین کی پیروی اور رسول کے اقتداء کی طرف دعوت دیتا ہو، نیز عالم اسلامی اور علمی دنیا
 میں اپنے علم و یقین اور فکر و نظر سے ایک نئی روح اور زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کر دے، پانچویں صدی کے
 عین وسط میں اسلام کو ایسی شخصیت عطا ہوئی، جس کی عالم اسلام کو سخت ضرورت تھی، یہ شخصیت
 امام غزالی کی تھی۔



امام غزالیؒ

تعلیم اور علمی عروج

امام غزالیؒ کا نام محمد کنیت ابو حامد والد کا نام بھی محمد تھا، طوس کے ضلع میں ۳۵۰ھ میں طاہران میں پیدا ہوئے، والد کی وصیت کے مطابق جو ایک مخلص علم دوست اور غریب مسلمان تھے، ان کے ایک صوفی دوست نے تعلیم کا انتظام کرنے سے معذرت کی، اور کسی مدرسہ میں داخل ہو جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ وہ ایک مدرسہ میں داخل ہو کر تعلیم میں مشغول ہو گئے۔

امام غزالیؒ نے اپنے وطن میں شیخ احمد الراذکانی سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی پھر جرجان میں امام ابو نصر اسماعیلی سے پڑھا، اس کے بعد نیشاپور جا کر امام اکرہین کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے رفقاء میں جو ۱۰۰ کی تعداد میں تھے، ممتاز ہو گئے، اور اپنے نامور استاد کے نائب (معد) بن گئے، امام اکرہین ان کی تعریف میں فرماتے تھے کہ غزالیؒ بجز خاریؒ، امام اکرہین کے انتقال کے بعد نیشاپور سے نکلے اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال کی تھی، لیکن بڑے بڑے کبیر السن علماء سے وہ زیادہ ممتاز اور باکمال سمجھے جاتے تھے۔

دس و تدریس سے فارغ ہونے کے بعد امام غزالیؒ نظام الملک کے دربار میں پہنچے، نظام الملک نے ان کی شہرت اور ممتاز قابلیت کی بنا پر بڑے اعزاز و اکرام سے دربار میں ان کو لیا، یہاں اہل کمال کا مجمع تھا، علمی مباحثے اور دینی مناظرے درباروں اور مجلسوں میں یہاں تک کہ تقریبات شادی وغنی کا ایک ضروری عنصر بن گیا۔

امام غزالی ان مباحث میں سب پر غالب رہتے تھے ان کی نمایاں قابلیت دیکھ کر نظام الملک نے ان کو مدرسہ نظامیہ کی صدارت کے لئے انتخاب کیا جو اس وقت ایک عالم کے لئے سب سے بڑا اعزاز اور منتہا ترقی تھا، اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال سے زیادہ نہ تھی، ۴۸۳ھ میں وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور نظامیہ میں درس شروع کیا، تھوڑے ہی دن میں ان کے درس حسن تقریر اور تبحر علمی کی بغداد میں دھوم مچ گئی، طلبہ و علمائے استفادہ کے لئے ہر طرف سے ہجوم کیا، ان کی مجلس درس مرجع خلافت بن گئی تین سو مہتمی طالب علم اور سو سو امرا اور وسارا اس میں شرکت کرتے تھے رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی عالی داعی، علمی فضیلت اور طاقتور شخصیت سے بغداد میں ایسا اثر اور رسوخ پیدا کر لیا کہ ارکان سلطنت کے ہمسرن گئے، اور بقول ایک معاصر (شیخ عبدالغافر فارسی) کے ان کے جاہ و جلال کے سامنے امرا اور وزرا اور خود بارگاہ خلافت کی شان و شوکت بھی ماند پڑ گئی، یہاں تک کہ ۴۸۵ھ میں ان کو خلیفہ عباسی (مقتدی باشر) نے ملک شاہ سلجوقی کی بیگم ترکان خاتون کے پاس (جو اس وقت سلطنت کی مالک تھی) اپنا سفیر بنا کر بھیجا، خلیفہ مستظہر جو مقتدی باشر کا جانشین تھا، امام سے خاص ربط و ارادت رکھتا تھا، اسی کی فرمائش سے امام غزالی نے باطنیہ کے رد میں کتاب لکھی اور اس کا نام خلیفہ کی نسبت سے مستظہری رکھا۔

گیارہ سال کی رہ نوردی اور اس کے تجربات

اس انتہائی عروج کا جو کسی علمی و دینی شخصیت کو حاصل ہو سکتا ہے، تقاضا تھا کہ امام غزالی اس پر فطرت کریں اور اسی کے دائرہ کے اندر پوری زندگی گزار دیں، جیسا کہ ان کے بعض اساتذہ نے کیا اور لوگ عموماً کیا کرتے ہیں، مگر ان کی بے چین طبیعت اور بلند جوصلہ طائر بہت اس بلندی پر راضی نہ تھا، اور دراصل اسی بلندی نے ان کو امام اور حجتہ الاسلام بنا دیا دنیا میں جاہ و اعزاز کی قربانی اور مقصد کی دھن اور سچی لگن

لہ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۵۱

کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، امام غزالیؒ نے خود ان حالات و اسباب کو بیان کیا ہے جنہوں نے ان کو ایسا تدریس اٹھانے پر آمادہ کیا، اور ان کو تعلیم و تدریس کے کام کا نہیں رکھا یہاں تک کہ وہ اقلیم علم کے بادشاہی چھوڑ کر یقینی علم اور دولت باطن کی تلاش میں نکل گئے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پلٹے۔ المنقذ من الضلال میں وہ لکھتے ہیں :-

”عنفوان شباب سے میری طبیعت تحقیقات و معلومات کی طرف مائل تھی ہر فرقہ اور جماعت کے لئے، اور اس کے عقائد و خیالات معلوم کرتا رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی، جو عقائد کچھن سے ذہن میں جمے ہوئے تھے، وہ متزلزل ہو گئے، میں نے خیال کیا کہ عیسائی اور یہودی کچھ بھی اپنے عقائد پر پرورش پاتے ہیں، حقیقی علم تو یہ ہے کہ کسی قسم کے شبہ کا احتمال تک نہ رہ جائے، مثلاً مجھے اس بات کا یقین ہے کہ دس کا عدد دین سے زائد ہوتا ہے، اگر کوئی شخص کہے نہیں بلکہ تین زائد ہے، اور میرے دعویٰ کی دلیل ہے کہ لاکھی کو سانپ بنا سکتا ہوں اور وہ بنا کر دکھائے، تب بھی مجھے اپنے علم میں کوئی شک نہیں ہوگا، مجھے اس پر تعجب ضرور ہوگا لیکن پھر بھی میرا یقین باقی رہے گا کہ دس تین سے زائد ہے، میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس قسم کا یقینی علم صرف حیات اور بدیہیات کے دائرہ میں ہے، لیکن جب یہ بارہ کدو کا دوش سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ اس میں بھی شک کی گنجائش ہے، میں نے دیکھا کہ جو اس میں سب سے زیادہ قوی حاستہ بصارت کا ہے، لیکن اس میں غلطی ہوتی ہے، میرا یہ شک یہاں تک بڑھا کہ کچھ صورتوں کے یقینی ہونے کا اطمینان نہیں رہا، پھر میں نے عقلیات پر غور کیا تو وہ مجھے حیات سے بھی زیادہ مشکوک اور کمزور نظر آئے، تقریباً دو ہفتے تک میری یہ اذیتابی کیفیت رہی اور مجھ پر سوسطائیت کا غلبہ رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفا دی اور طبیعت صحت و اعتدال پر آگئی، اور بدیہیات عقلی پر اطمینان پیدا ہو گیا، لیکن یہی استدلال اور ترتیب کی بنا پر نہ تھا، بلکہ ایک جدائی اور وہی بات تھی، اس مرض سے شفا پانے کے بعد اب میرے سامنے چار گروہ تھے، جو طالب حق معلوم ہوتے تھے، تکلیفیں جو اہل عقل و نظر ہونے

کے مدعا تھے باطنیہ جن کا دعویٰ تھا کہ ان کے پاس خاص تعلیمات و اسرار ہیں اور انھوں نے براہ راست
 ایام معصوم سے علم خفائی حاصل کیا ہے، فلاسفہ جن کا کہنا ہے کہ وہی اہل منطق و اہل استدلال ہیں،
 صوفیہ جو اپنے کو صاحب کشف و شہود کہتے ہیں، میں نے ہر ایک گروہ کی کتابوں اور خیالات کا مطالعہ کیا تو
 کسی سے بھی مطمئن نہیں ہوا، علم کلام کے متعلق اس فن کے محققین کی تصنیفات پڑھیں اور خود بھی اس
 موضوع پر تصنیفات لکھیں، میں نے دیکھا کہ اگرچہ یہ فن اپنے مقصود کو پورا کرتا ہے، لیکن میری تسلی کے لئے
 وہ کافی نہیں، کیونکہ اس میں ایسے مقدمات پر بنا رکھی گئی ہے، جو فریقِ مقابل کے پیش کئے ہوئے ہیں، اور
 متکلمین نے ان کو محض تقلیداً تسلیم کر لیا ہے، یا اجماع یا قرآن و حدیث کے نصوص ہیں، اور یہ چیزیں
 اس شخص کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کارآمد نہیں، جو بدہیات کے سوا کچھ اور تسلیم نہ کرتا ہو، فلسفہ کے متعلق
 رائے قائم کرنے کے لئے پہلے میں نے اس کا تحقیقی مطالعہ ضروری سمجھا، اگرچہ مجھے تصنیف و تدریس کے
 شاغل سے بہت کم فرصت ملتی تھی، میرے حلقہ اور س میں بغداد میں تین تین سو طالب علم ہوتے تھے،
 پھر بھی میں نے اس کے لئے وقت نکالا، اور دو سال کے اندر اندر میں نے ان کے تمام علوم کا مطالعہ کر ڈالا
 پھر تقریباً ایک سال تک ان پر غور و فکر کرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ان کے علوم چھ قسم کے ہیں، ریاضیات، منطقاً
 طبیعیات، ریاضیات، اخلاقیات اور انبیات، ابتدائی پانچ علوم کا مذہب سے نفاذ و اثبات کچھ تعلق نہیں،
 اور مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے، طبیعیات میں ان کے بعض نظریات کا
 کہیں کہیں مذہب سے تصادم ہوتا ہے، مگر وہ چند چیزیں ہیں، اس سلسلہ میں اصولاً یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ
 طبیعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ خود مختار نہیں، البتہ جو لوگ ان علوم و مضامین میں فلاسفہ کی
 ذہانت اور باریک بینی دیکھتے ہیں وہ عمومی طور پر ان سے مرعوب ہو جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ تمام علوم میں
 ان کا یہی حال ہوگا، حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ایک فن میں ماہر ہو، وہ ہر فن میں ماہر ہو، پھر جب
 ان کی بے خبری اور ان کے انکار کو دیکھتے ہیں تو محض تقلیداً وہ بھی دین کا انکار و استخفاف کرنے لگتے ہیں،

دوسری طرف اسلام کے بعض نادان دوست فلاسفہ کے ہر نظریہ اور ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ طبیعیات کے سلسلہ میں ان کی تمام تحقیقات کا بھی انکار کرنے لگتے ہیں، اس کا ایک مضر اثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان علمی نظریات و تحقیقات کی صداقت کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک وہ چیزیں پابندی ثبوت کو پہنچ چکی ہیں، ان کا اعتقاد خود اسلام کے بارے میں متزلزل ہو جاتا ہے اور بجائے فلسفہ کے انکار کرنے کے وہ اسلام سے بدگمان ہو جاتے ہیں، لے لے کر جو فن ذہنی کے منصادم ہوتا ہے، وہ الہیات ہے، اسی میں انہوں نے زیادہ تر ٹھوکریں کھالی ہیں، درحقیقت انہوں نے مطلق میں جو شرطیں رکھی تھیں، ان کو وہ الہیات میں نباہ نہیں سکے، اسی لئے اس میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے، غرض میں اس نتیجے پر پہنچنا کہ فلسفہ سے میری تشغلی نہیں ہوگی، اور عقل تنہا تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتی، اور نہ تمام مشکلات کا نقاب کشائی کر سکتی ہے، رہے باطنیہ تو مجھے اپنی کتاب "مستظہری" کی تالیف کے سلسلہ میں ان کے ذہنی مطالعہ کرنے کا اچھی طرح موقع ملا، میں نے دیکھا کہ ان کے عقائد کا دار و مدار امام وقت کی تعلیم پر ہے، لیکن امام وقت کا وجود اور اس کی صداقت خود محتاج دلیل ہے، اور یہ دونوں حد درجہ مشتبہ ہیں، اب صرف تصویق باقی رہ گیا، میں ہر تن تصویق کی طرف متوجہ ہوا، تصویق علیٰ ہی ہے، علیٰ ہی ہے، میرے لئے علم کا معاملہ آسان تھا، میں نے ابوطالب کی قوت القلوب اور عادت مابسی کی تصنیفات اور حضرت جنید شبلی و بایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات پڑھے اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاتا تھا، وہ میں نے حاصل کر لیا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ ذوق و حال اور حالات کی تبدیلی سے پہنچا جاسکتا ہے، جو علوم میرا سراپا تھے خواہ وہ شرعی ہوں یا عقلی، ان سے مجھے وجود باری، نبوت اور سعادت پر ایمان راسخ حاصل ہو چکا تھا، لیکن یہ کبھی کسی دلیل محض سے نہیں، بلکہ ان اسباب و قرائن اور تجربوں کی بنا پر جن کی تفصیل مشکل ہے، مجھ پر یہ اچھی طرح سے واضح ہو چکا تھا کہ سعادت، آخروی کی صورت

صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی تدبیر سے
 کردار فانی سے بے رغبتی، آخرت کی طرف میلان و کشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعہ
 قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے، لیکن یہ جاہ و مال سے اعراض اور موانع و علالت سے فرار کے بغیر
 ممکن نہیں، میں نے اپنے حالات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سر تا پا علالت و نبوی میں غرق ہوں، میرا
 سب سے افضل عمل تدریس و تعلیم کا معلوم ہوتا تھا، لیکن ٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم
 پر ہے، جو نہ تو اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلہ میں کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں، میں نے اپنی تدریس کی
 نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص توجہ اللہ تھی، بلکہ اس کا باعث و محرک بھی محض طلب جاہ و حصول شہرت
 تھا، تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوا ہوں، اگر میں نے اس علاج حال کی کوشش
 نہ کی تو میرے لئے سخت خطرہ ہے، میں ایک عرصہ تک اس سب کو چھوڑ دینے اور بغداد سے نکل جانے کا
 ارادہ کرتا رہا، لیکن اس کا فیصلہ نہ کر سکا، چھ مہینے اسی کشمکش میں گزر گئے کہ کبھی تو دنیاوی خواہشات
 کشش کرتیں اور کبھی ایمان کا منادی پکارتا، کہ کوچ قریب ہے، تھوڑی عمر باقی ہے، طویل سفر درپیش
 ہے، اور یہ سب علم و عمل محض ریا و تخیلات ہیں، کبھی نفس کہتا کہ یہ عارضی حالت ہے، اللہ نے جو کچھ جاہ و
 عزت دے رکھی ہے، چھوڑنے کے بعد اگر پھر واپس آنے کا خیال ہو تو اس کا دوبارہ حصول مشکل ہے،
 عرض اسی لیت و عمل میں چھ مہینے گزر گئے، یہاں تک کہ اب معاملہ بس سے باہر ہو گیا، زبان بھی رک گئی،
 جیسے اس میں تالا پڑ گیا ہو، میں کوشش کرتا تھا کہ آنے جانے والوں کی خوشی کے لئے ایک ہی دن پڑھاؤں
 لیکن زبان بالکل ساتھ نہیں دیتی تھی، اور ایک نفاذ بھی نہیں نکلتا تھا، زبان کی بندش سے قلب میں ایک
 رنج و غم کی کیفیت پیدا ہوئی، جس کے اثر سے قوت باطن نے بالکل جواب دے دیا، کھانے پینے کی خواہش
 بالکل جاتی رہی، یہاں تک کہ ایک گھونٹ پانی، کھانے کے ایک لقمہ کا ہضم کرنا بھی میرے لئے دشوار ہو گیا،
 رفتہ رفتہ تمام توانے جسمانی پر ضعف کا غلبہ ہوا، یہاں تک کہ اطباء نے علاج سے ہاتھ اٹھایا اور کہا کہ قلب پر

کوئی اثر ہے اور اس سے مزاج متاثر ہو گیا ہے جب تک قلبی یہ اثر نہ جائے اس وقت تک علاج کچھ
 سود مند نہیں ہو میں نے دیکھا تو میں اس معاملہ میں بالکل بے بس ہوں تو میں نے اشتر کی طرف رجوع کیا اور
 اضطرابی کیفیت کے ساتھ اس سے دعا کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس جاہ و مال اور اہل و عیال کا چھوڑ
 دینا مجھے آسان معلوم ہونے لگا، میں نے ذکر کا قصد ظاہر کیا اور میرے دل میں یہ تھا کہ میں شام کا سفر کرے گا
 اور بڑے لطافتاً محل سے میں نے بغداد سے نکلنے کا سامان کیا، اہل عراق کو جب میرا قصد معلوم ہوا تو انہوں
 نے چاروں طرف سے مجھے ملامت کرنی شروع کی اس لئے کہ کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ
 اس ترک و انقطاع کا کوئی دینی سبب بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان کے خیال میں مجھے دین کا بلند ترین
 منصب حاصل تھا، ذالک مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ پھر لوگوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع
 کیں، جو مرکز حکومت سے دور تھے انہوں نے خیال کیا کہ اس میں کچھ حکام کا اشارہ ہے اور ان کے
 ایما سے یہ خدمت ترک کی جا رہی ہے، لیکن جن لوگوں کا حکومتی معلقوں سے تعلق تھا، وہ دیکھتے تھے کہ
 اہل حکومت کو کس قدر میرے قیام پر اصرار ہے اور ان کی کیسی شدید خواہش ہے کہ میں اپنے کام میں
 مشغول رہوں، وہ یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی اس رونق اور مسلی
 چہل پہل کو کسی کی نظر لگ گئی ہے کہ یہ شخص سب چھوڑ چھاڑ کر جا رہا ہے، غرض میں نے بغداد کو الوداع کہا
 اور جو کچھ میرے پاس مال و متاع تھا، اس میں سے بقدر کفایت رکھ کر سب ہانپ دیا، بغداد سے میں
 شام آیا، اور وہاں دو سال کے قریب رہا، وہاں میرا کام عزت و خلوت اور مجاہدہ سے کسوا کچھ نہ تھا
 میں نے علم تصوف سے جو کچھ حاصل کیا تھا، اس کے مطابق نفس کے تزکیہ اخلاق کی مدد سے تہذیب اور
 ذکر اشتر کے لئے اپنے قلب کو مصفا کرنے میں مشغول رہا، مدت تک دمشق کی جامع مسجد میں متکف
 رہا، مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا، اور تمام دن دروازہ بند کئے وہیں بیٹھا رہتا، دمشق سے میں
 بیت المقدس آیا، وہاں بھی روزانہ صبح کے اندر چلا جاتا، اور دروازہ بند کر لیتا، سیدنا ابراہیم کی

زیارت کے بعد میری طبیعت میں حج و زیارت کا شوق اور کرم و مدینہ منورہ کے برکات سے استفادہ کا خیال ہوا، چنانچہ میں حجاز گیا، حج کرنے کے بعد اہل و عیال کی کشش اور بچوں کی دعاؤں نے مجھے وطن پہنچایا حالانکہ میں وطن کے نام سے کوسوں بھاگتا تھا، وہاں بھی میں نے تنہائی کا اہتمام رکھا، اور قلب کی صفائی سے غافل نہیں ہوا، لیکن حوادث و واقعات اہل و عیال کے افکار اور معاشی ضرورتیں طبیعت میں انتشار پیدا کرتی رہتی تھیں اور کجی اور سکون قلب مسلسل نہیں رہتا تھا، لیکن میں اس سے مایوس نہیں ہوتا تھا، اور وقتاً فوقتاً اس سے لذت یاب ہوتا رہتا تھا، دس برس اسی حالت میں گذر گئے، ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اس کی تفصیل اور اس کا استقصاء تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا، کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت، اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ و نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر وہ زمین پر کوئی نور نہیں، جس سے روشنی حاصل کی جائے :-

خلوت سے جلوت کی طرف

ممكن تھا کہ امام غزالیؒ اس خلوت و عزلت کی حالت میں رہ جاتے اور بقیہ عمر بھی روحانی لذت اور یکسوئی کے سکون و اطمینان میں گزار دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو ان سے جو عظیم الشان کام لینا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس خلوت سے نکلیں اور درس و تدریس، تالیف و تصنیف اور اجتماعی زندگی اختیار کریں تاکہ خلوت کو نفع ہو، اسحاق و فلسفہ کی تردید اور عقلی و علمی طور پر اسلام کی برتری اور صداقت ثابت کرنے کے لئے خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یقین و مشاہدے کے مقام تک پہنچا دیا تھا، عالم اسلام

میں ان سے زیادہ کوئی موزوں شخصیت نہیں تھی، چونکہ یہ کام خدا کو منظور تھا، اور اسلام کو اس کی سخت ضرورت تھی، اس لئے خود ان کی طبیعت میں اس کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوا، اور ان پر اس چیز کا غلبہ ہوا کہ یہی عزیمت ناکام اور انبیاء علیہم السلام کی نیابت اور وقت کا فریضہ اور افضل عبادت ہے، اپنے ان احسان کو وہ خود بیان کرتے ہیں اور خلوت سے جلوت میں آنے کا سبب تحریر کرتے ہیں :-

• میں نے دیکھا کہ فلسفہ کے اثرات بہت بے حیاں تصوف کی گمراہی بہت سے علماء کی بے علی اور حکمیں کی غلط اور کمزور نمایندگی کی وجہ سے اکثر طبقات کا ایمان متزلزل ہو چکا ہے اور عقائد پر اچھا خاصا اثر پڑ چکا ہے، بہت سے فلسفہ زدہ لوگ ظاہری احکام کے پابند بھی ہیں، لیکن نبوت اور دین کی حقیقت پر ان کا ایمان نہیں ہے، بعض لوگ محض جسمانی ورزش کے خیال سے نماز پڑھتے ہیں، بعض محض سوسائٹی، اہل شہر کی مادت کی پیروی اور اپنی حفاظت کے لئے بعض احکام شرعی کی مادی منفعیت اور ان کے نہ کرنے کے دنیاوی نقصانات بتاتے ہیں، اور اگر ان نقصانات سے بچا جا سکے تو ان کے از تکاب میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، دیکھا کہ میں ان شبہات کے دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں اور آسانی اس پر قادر ہوں، یہاں تک کہ ان لوگوں کی پروردہ درمی مجھے اپنے مطالعہ اور ان کے علوم سے گہری واقفیت کی وجہ سے پانی پینے سے بھی زیادہ آسان معلوم ہوتی ہے، دیکھ کر میرے دل میں شدت سے خیال پیدا ہوا کہ مجھے یہی کام کرنا چاہئے، اور یہی وقت کا فریضہ ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ تجھے یہ خلوت و عزلت کب جائز ہے، مرض پھیل گیا ہے، اور طیب خودیادیں، انشکری مخلوق ہلاکت کے کنارے پہنچ گئی ہے، پھر میں نے کہا کہ عظیم الشان کام تم سے کیسے انجام پاسکے گا، اور نبوت سے بہت بُد ہو گیا ہے، باطل کا ہر طرف دور دورہ ہے، اگر تم نے خلق خدا کو ان کی محبوبانوں چیزوں سے ہٹانے کی کوشش کی تو سارا زمانہ تمہارا مخالف ہو جائے گا، تم تنہا کیسے ان کا مقابلہ کر سکو گے، اور کیسے زندگی بسر کرو گے، یہ تو جب ممکن تھا کہ زمانہ مساعد ہوتا، اور سلطان وقت دین دار اور صاحب اقتدار

ہوتا میں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو بھالایا، اور اپنے لئے عزت و خلوت کی زندگی کو جائز قرار دے یا
 لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، اس نے سلطان وقت کے دل میں خود ہی تحریک پیدا کر دی اس نے
 مجھے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے نیشاپور پہنچنے کا تاکید حکم دیا، یہ حکم سلطان کچھ اس نوعیت
 کا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں نے اس کی تعمیل نہ کی تو ناراضی تک ذرت پہنچے گی، میں نے خیال
 کیا کہ اب میرے لئے عذر باقی نہیں رہا، اب میری گوشہ نشینی اور خلوت پسندی محض سُستی اور راحت
 طلبی اور تن آسانی کے لئے ہوگی اور آزمائش اور تکالیف سے گریز، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-
 «أَحِبِّ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكَوَأَنْ يَقُولُوا الْمَنَافِعُ لَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ۝ نِزَائِنِ
 رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ سَبَّحْتَ مِنْ بَيْنِ سَبِّ سَؤَادٍ كَرِيمٍ تَحْمِيهِ اس کا ارشاد ہے:-

«وَلَقَدْ كَذَّبْتَ مِنْ سَبِّ مَلِكٍ مَوْلَى مَالِكِ بْنِ أَبِي عَدُوٍّ وَوَأَذُوٍّ حَتَّىٰ آتَاهُمْ
 نَصْرُهُمْ وَلَا مَبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۝ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبِيِّ الْمُرْسَلِينَ ۝

میں نے چند اہل قلوب اور اہل مشاہدات سے بھی اس بابے میں مشورہ کیا، انہوں نے بھی بالانفاقی
 مجھے ترکِ عزت کا مشورہ دیا، اس کی تائید میں بہت سے صلحاء نے متواتر خواب بھی دیکھے، جن سے
 پتہ چلتا تھا کہ میرا یہ اقدام بڑی خیر و برکت کا باعث ہوگا، اور پانچویں صدی کے شروع میں جس میں
 ایک ہی ہینہ باقی تھا، کوئی شاید عظیم الشان تجدیدی کام ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو اس امت کے دین کو تازہ کر دیتا
 ہے ان سب آثار و قرائن سے مجھے بھی اس کی امید پیدا ہوئی، اللہ تعالیٰ نے میرے لئے نیشاپور کا
 سفر کر دیا اور میں نے اس کا عظیم کارادہ کر لیا، یہ ۴۹۹ھ کے ماہ ذیقعدہ کا قصہ ہے، بغداد
 سے ذیقعدہ ۴۸۸ھ میں نکلا تھا، اس طرح سے میری گوشہ نشینی کی مدت ۱۱ سال ہوتی ہے،

یہ سب تقدیر الہی کی کار فرمائی تھی جس طرح بغداد سے نکلنا اور وہاں کے جاہ و اعزاز کو خیر آباد کہنا
 تصویر میں نہیں آتا تھا لیکن اللہ کے حکم سے وہ سب کچھ آسان ہو گیا، اسی طرح سے اس عزت کے
 زمانہ میں خلوت کی طرف دوبارہ آنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا لیکن وقت پر اس کا بھی زمان ہو گیا۔
 غرض ذیقعدہ ۱۹۹۹ء میں امام صاحب نے پھر نیشاپور کا رخ کیا، اور مدرسہ نظامیہ کی مسند درس کو
 زینت دی اور دوبارہ تدریس و افتادہ کا کام شروع کیا، لیکن اب امام غزالیؒ کے درس و تدریس اور
 اصلاح و ارشاد اور اس انقلاب سے پہلے کے تدریسی مشاغل اور وعظ و ارشاد میں فرق تھا، پہلے وہ
 نفس کے تقاضے اور طبیعت کے جذبہ سے کرتے تھے، اب وہ اپنے کو امور اور آلہ کار سمجھتے تھے، چنانچہ
 خود پوری صاف گوئی سے لکھتے ہیں۔۔۔

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ علم کی نشر و اشاعت کی طرف میں نے پھر رجوع کیا ہے، لیکن درحقیقت
 اس کو پہلی حالت کی طرف بازگشت کہنا صحیح نہیں ہے میری اس پہلی اور دوسری حالت میں
 زمین و آسمان کا فرق ہے، میں پہلا اس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصول جاہ کا ذریعہ ہے اور میں اپنے
 قول و عمل سے اسی کی دعوت دیتا تھا، بعد میں میرا مقصود نیت تھی، لیکن اب میں اس علم کی دعوت
 دیتا ہوں جس سے جاہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اب میں اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا
 ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنے مقصود تک پہنچوں گا یا اس سے پہلے میرا کام تمام ہو جائے گا، لیکن
 اپنے یقین و مشاہدہ کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ اصل طاقت اللہ کی طاقت ہے، اسی سے آئی مگر ہی
 اور شر سے بچ سکتا ہے، اور ہدایت و طاعت کی طاقت حاصل کر سکتا ہے، دراصل میں نے اپنی
 طرف سے حرکت نہیں کی، اللہ مجھے حرکت میں لایا ہے، میں نے خود کام نہیں شروع کیا ہے، اللہ نے مجھے
 کام میں لگایا ہے، میری دعا ہے کہ پہلے اللہ میری اصلاح فرمائے، پھر مجھ سے دوسروں کی اصلاح
 ہو، پہلے مجھے راہ پر لگائے، پھر مجھ سے دوسروں کی رہنمائی فرمائے، حق مجھ پر منکشف ہو جائے، اور اس کے

فضل سے مجھے اتباع کی توفیق ہو، باطل مجھ پر واضح کرنے اور مجھے اس کی پیروی سے بچائے۔

امام غزالیؒ کا تجدیدی کام

- ۱۔ فلسفہ اور باطنیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ اور اسلام کی طرف سے ان کی بنیادوں پر حملہ۔
- ۲۔ زندگی و معاشرت کا اسلامی و اخلاقی جائزہ اور ان کی تنقید و اصلاح۔

فلسفہ پر عمل جراحی

ان کے پہلے اور سب سے بڑے کارنامہ کی تفصیل یہ ہے کہ فلسفہ اسحاق باطنیت کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کیا جاتا رہا تھا، اس کی حیثیت صرف مدافعت و جواب دہی کی تھی، اس وقت تک فلسفہ اسلام پر حملہ آور تھا، اور متکلمین اسلام صفائی کے وکیل تھے، فلسفہ اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلاتا تھا، اور علم کلام سپرینے کی کوشش کرتا تھا، اس وقت تک متکلمین و علماء اسلام کے گروہ میں کسی نے خود فلسفہ کی بنیادوں پر ضرب لگانے کی جرأت نہیں کی، فلسفہ "جن" مفروضات پر قائم تھا، ان پر جرح کرنے اور خود ان کی علمی تنقید کرنے کی صدیوں تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی، امام ابوالحسن اشعری کو چھوڑ کر جن کو فلسفہ سے براہ راست واسطہ نہیں پڑا، پورے علم کلام کا لہجہ معذرت آمیز اور مدافعتی تھا، امام غزالیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسفہ کا تفصیلی و تنقیدی مطالعہ کیا، اس کے بعد مقاصد الفلاسفہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں آسان زبان اور سلجھے ہوئے طریقہ پر منطق، انبیات اور طبیعیات کا خلاصہ پیش کیا، اور پوری غیر جانبداری کے ساتھ فلاسفہ کے نظریات اور مباحث کو مدون کر دیا، کتاب کے مقدمہ میں انہوں نے وضاحت کے ساتھ

لہ المنقذ من الضلال ص ۲۵ تا ۳۰ مختصراً۔

کہہ دیا ہے کہ ریاضیات میں قیل و قال کی گنجائش نہیں اور دین کا اس سے تعلق و اشتباہ کوئی تعلق نہیں ہے۔
لیکن اصل مذہب کا تصادم الہیات سے ہے، منطقیات میں بھی شاذ و نادر غلطیاں ہیں، اگر کچھ اختلاف
ہے تو اصطلاحات کا 'طبیعیات میں ضرورت و باطل کی آمیزش ہے' اس لئے ان کا موضوع بحث
در اصل الہیات اور کسی قدر طبیعیات ہے، منطق محض تہید و اصطلاحات کے لئے۔

اس کتاب سے فارغ ہو کر جس کی علم کلام کے حلقہ میں سخت ضرورت تھی، انہوں نے اپنی معرکہ الآراء کتاب
"تہافت الفلاسفة" لکھی جس کی خاطر انہوں نے مقاصد الفلاسفة لکھی تھی، اس میں انہوں نے فلسفہ کے
الہیات و طبیعیات پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کی اور اس کی علمی کمزوریوں، اس کے استدلال کے ضعف،
اور فلاسفہ کے باہم تناقض و اختلاف کو پوری حرات و قوت کے ساتھ ظاہر کیا، اس کتاب میں ان کا لہجہ
پُر از اعتماد ان کی زبان طاقت ور اور شگفتہ ہے، کہیں کہیں وہ طنزیہ اور شوخ طرزی بیان بھی اختیار کر لیتے ہیں
جس کی فلسفہ سے مرعوب حلقوں میں ضرورت تھی، اور جو بڑا نفسیاتی اثر رکھتا ہے، اس کے پڑھنے سے محسوس
ہوتا ہے کہ کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مقابلہ میں احساس کہتری کے ہر شاہد سے پاک اعتماد اور یقین سے
ابرز اور فلسفہ سے بالکل غیر مرعوب ہے، وہ فلاسفہ یونان کو اپنی صفت اور سطح کا آدمی سمجھتا ہے، اور ان سے
مساویانہ و حریفانہ باتیں کرتا ہے، اس وقت ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی، جو فلسفہ سے آنکھیں ملا کر
بات کر سکے، اور بجائے مدافعت اور جواب دہی کے فلسفہ پر پورا وار کرنے کا نام عزالی نے تہافت الفلاسفة
میں یہی خدمت انجام دی ہے، اول سے آخر تک اس کتاب میں ان کا طرز یہی ہے، کتاب کی تہید میں لکھتے ہیں،
"ہمارے زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں
سے ممتاز ہے، یہ لوگ مذہبی احکام و قیود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اس کی وجہ صرف
یہ ہے کہ انہوں نے سقرطہ و بقیرطہ، افلاطون و ارسطو کے پرہیزگاری نام سے، اور ان کی شان میں ان کے
مقلدوں کی بالذات آرائیاں اور قصیدہ خوانی سنی، ان کو سلوم ہو کر یا منیاً منطقیاً طبیعتاً و انیاً

میں انھوں نے بڑی ہوشگاریاں کی ہیں، اور ان کا عقل و ذہن میں کوئی ہمسرہ تھا، اس عالی دماغی اور ذہانت کے ساتھ وہ مذاہب اور ان کی تفصیلات کے منکر تھے، اور ان کے نزدیک ان کے اصول و قواعد فرضی و مصنوعی ہیں، بس انھوں نے بھی تقلید الکار مذہب کو اپنا شعار بنایا، اور یہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلانے کے شوق میں مذاہب کا انکار کرنے لگے، تاکہ ان کی سطح عوام سے بلند سمجھی جائے اور وہ بھی عقلا و حکما کے زمرہ میں شمار ہونے لگیں، اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکما نے ایسا پر جو کچھ لکھا ہے، اس کی غلطیاں دکھاؤں اور ثابت کروں کہ ان کے مسائل اور اصول بازیچہ اطفال اور ان کے بہت سے اقوال و نظریات حد درجہ کے مضحکہ خیز بلکہ عبرت انگیز ہیں۔

اس کتاب میں آگے چل کر ان کا زور بیان اور طنز آمیز طریقہ تحریر اور شوخ ہو جاتا ہے اور ذات و صفات باری کے متعلق فلاسفہ کے عجائبات اور عقول و افلاک کا پورا شجرہ نسب لکھ کر جو فلاسفہ نے تصنیف کیے لکھتے ہیں۔

قلنا ما ذکرتموه حکماً وھی علی التحقیق
ظلمات فوق ظلمات و حکماء الانسا
عن منام رأاه لا استدلال علی سوء مزاجہ
تمہارا یہ سارا بیان اور تفصیلات محض دعاوی اور
تکلم ہیں بلکہ درحقیقت تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں اگر
کوئی شخص اپنا ایسا خواب بھی دکھنا بیان کرے
تو اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

لست ادری کیف یقع الجنون من نفس بل
هذه الاوضاع فضلاً عن العقلاء الذین
یشقون الشعر بزعم فی المعقولات۔
مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ
باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے سچ جا سیکو وہ عقلا
جو بزم خود معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہیں۔

۱۴۳۳ھ تا ۱۴۳۴ھ مطبع علامیہ مصر ۱۴۳۳ھ ایضاً ۱۴۳۳ھ

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

انتھی بهم التعمق فی التعظیم الی ان
 ابطوا کل ما ینفهم من العظمة وقرءوا
 حاله من حال المیت الذی لا خبر له
 بما یجری فی العالم لآ انا فارق للمیت
 فی شعوره بنفسه فقط، وهكذا یفعل
 الله بالزائغین عن سبيله والتاکبین
 عن طریق الهدی المنکرین لقوله تعالیٰ
 "مَا أَشْهَدُ تَهُمُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 وَلَا خَلَقَ أَنْفُسَهُمْ" الظالمین بالله طرقت
 السوء المتقدین ان امور الربوبیة
 تتعلی علی کتھما القوی البشریة
 المخروبین بقولهم زاعمین ان فیها
 مندوحة عن تقلید الرسل واتباعهم
 فلا یجزم اضطرراً الی الاعتراف بان
 لباب معقولانهم مرجع الی مالوکی
 فی المنام لتعجب منه۔

(مبدل اول) کی تنظیم میں مبالغہ کرنے سے ان کو اس
 حد تک پتہ چا دیا کہ انھوں نے عظمت کی تمام شرائط و اوزام کو
 باطل قرار دے دیا، اور اللہ تعالیٰ کو (اپنے فلسفہ میں)
 اس مردہ کی طرح بنا دیا، جس کو کچھ خبر نہیں کہ عالم میں
 کیا ہو رہا ہے، صرف اس بات میں وہ مردہ سے غنیمت سمجھتا
 کہ اس کو اپنا شعور ہے (مردہ کو اپنا شعور بھی
 نہیں ہوتا) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا ایسا ہی
 حشر کرتا ہے، جو اس کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں
 اور ہدایت کے راستے سے کترا جاتے ہیں جو
 اس آیت کے منکر ہیں، میں نے ان کفار و
 مشرکین کو آسمان اور زمین کی پیدائش کے
 وقت گواہ نہیں بنایا، اور نہ ان کی پیدائش
 کے وقت جو اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کرتے ہیں،
 اور برا عقائد رکھتے ہیں جن کا خیال ہے کہ انہوں
 نے ربوبیت کی حقیقت پر انسانی قوی مادی ہو سکتے
 ہیں جو اپنی عقلوں پر نازاں ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ
 ان کی موجودگی میں پیغمبروں کی تقلید اور ان کے

لہ تہافت افلاسہ ص ۱۴۴

اتباع کی ضرورت نہیں لایا حال اس کا انجام یہ ہوگا
ان کی زبان سے (معقولات کے نام سے) ایسی ایسی
مضمک خیز باتیں نکلیں کہ اگر کوئی خواب بھی ایسا بیان
کرے تو لوگ تعجب کریں۔

تہافتِ افلاسفہ کا اثر

فلسفہ پر یہ دلیرانہ تنقید اور کسی حد تک تحقیر علم کلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز تھا جس کا سہرا
امام غزالیؒ کے سر ہے بعد میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کی تکمیل کی اور فلسفہ اور منطق کی لاش کی تشریح (پوسٹ
مارٹم) کا فرض انجام دیا فلسفہ کی جراحی کے اس سلسلہ کا آغاز امام غزالیؒ ہی کی تصنیفات سے ہوتا ہے۔
تہافتِ افلاسفہ نے فلسفہ کے خیالی طلسم پر کاری ضرب لگائی، اور اس کی عظمت ذہنی تقدس کو کافی
نقصان پہنچایا، اس کتاب کی تصنیف نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم و غصہ پیدا کر دیا، مگر
تئو برس تک اس کے جواب میں کوئی شاہانِ شان کتاب تصنیف نہیں ہوئی، یہاں تک کہ پچھٹی صدی ہجری
کے آخر میں فلسفہ کے شہور پر جوش و کیل اور ارسطو کے حلقہ بگوش ابن رشد (م ۱۱۹۵ء) نے تہافتِ افلاسفہ
کے نام سے اس کا جواب لکھا، علماء مغرب کہتے ہیں کہ اگر ابن رشد فلسفہ کی حمایت کے لئے نہ کہرا ہو جاتا تو
فلسفہ غزالیؒ کے حلوں سے نیم جان ہو چکا تھا، ابن رشد کی حمایت نے اس کو تئو برس تک کے لئے پھر زندگی
عطا کر دی۔

باطنیت پر حملہ

فلسفہ کے علاوہ امام غزالیؒ نے فتنہ باطنیت کی طرف بھی توجہ کی انھوں نے قیام بغداد اور

مدرسہ نظامیہ کی تدریس کے زمانہ میں باطنیوں کی تردید میں خلیفہ وقت کے اشارہ سے المستظہری تالیف کی تھی جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی خودنوشت تلاش حق کی کہانی "المنقذ من الضلال" میں کیا ہے اس کتاب کے علاوہ اس موضوع پر ان کی تین کتابیں اور ہیں، جو غالباً اس بازگشت زمانہ کی تصنیف ہیں حجۃ الحق، "مفصل اختلاف"، "قاصم الباطنیہ" ان کی تصنیفات کی فہرست میں اس موضوع پر دو کتابیں "فضائح الاباحیہ" اور "مواہم الباطنیہ" اور بھی ملتی ہیں، باطنیت کے رد کے لئے درحقیقت اہل سنت کے حلقہ میں ان سے زیادہ موزوں آدمی ملنا مشکل تھا، وہ فلسفہ و تصوف اور ظاہری علوم اور حقائق و معارف دونوں کو چوں سے واقف تھے، اور باطنیہ کی اسرار فروشی اور ان کی عقلی سازش کا آسانی سے پردہ فاش کر سکتے تھے، باطنیہ کا بڑا اثر فلسفہ اور اس کی اصطلاحات تھیں، اس لئے امام غزالی جیسا جامع شخص اور عقلیات کا مبصر ان کی تردید کا کام کر سکتا تھا، چنانچہ اس کام کو انہوں نے بخوبی انجام دیا اور ان کو علمی طور پر بے وقعت اور بے اثر بنا دیا۔

زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ

امام غزالی کا دوسرا اصلاحی کارنامہ زندگی و معاشرت کا اسلامی جائزہ اور اس کی اصلاح و تجدید کی کوشش تھی، ان کی اس کوشش کا نمونہ اور کامیاب نمونہ ان کی زندہ جاوید تصنیف "احیاء علوم الدین" ہے۔

احیاء علوم الدین

تاریخ اسلام میں جن چند کتابوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ اور ان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے، اور جن سے اسلامی حلقے طویل عرصہ تک متاثر رہے ہیں، ان میں احیاء علوم الدین کو ممتاز مقام ملے، ان تینوں کتابوں کا تذکرہ امام غزالی نے جو اہل قرآن میں کیا ہے۔

ماصل ہے، حافظ زین الدین العراقي صاحب الفیہ (م ۸۰۶ھ) جنھوں نے اجیار کی احادیث کی تخریج کی ہے، کہتے ہیں کہ امام غزالیؒ کی اجیار العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہے، عبدالغافر فارسی جو امام غزالیؒ کے معاصر اور امام احرارین کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں کہ اجیار العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی، شیخ محمد کا زرونی کا دعویٰ تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو میں اجیار العلوم سے ان کو دوبارہ زندہ کر دوں گا، حافظ ابن جوزی نے بھی بعض باتوں سے اختلاف کے باوجود اس کتاب کی تاثیر اور مقبولیت کا اعتراف کیا ہے، اور اس کا خلاصہ منہاج القاصدین کے نام سے لکھا۔

یہ کتاب خاص حالات و کیفیات اور خاص جذبہ کے ساتھ لکھی گئی ہے، بغداد سے انھوں نے طلب حق اور تلاش یقین کا جو سفر شروع کیا تھا، اور جو دس برس کے مجاہدات اور بادیہ پیمائی کے بعد کامیابی پر ختم ہوا، اجیار العلوم اس سفر کی سوغات تھی، جو امام غزالیؒ اہل وطن کے لئے لائے، یہ ان کے قلبی تاثرات، علمی تجربات، اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات کا آئینہ ہے۔

مولانا شبلی نے الغزالی میں لکھا ہے:-

بغداد میں ان کو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا، تمام مذاہب کو چھاننا کسی سے تسلی نہیں ہوئی آخر تصوف کی طرف رخ کیا، لیکن وہ قال کی چیز تھی، بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا، اور اس کا پہلا زینہ اصلاح باطن اور تزکیہ نفس تھا، امام صاحب کے مشاغل اس کیفیت کے بالکل سدا رہ تھے، قبول عام و ناموری جاہ و

منزلت مناظرات و مجادلات اور پھر تزکیہ نفس شتان بینہما۔ ع

اسی رہ کہ می روی تو بمنزل نمی رود

اوسب پھوڑ چھاڑ ایک کلی ہیں بغداد سے نکلے، اور دشت پیمائی شروع کی سخت مجاہدات اور ایضاً کعبہ بزم روضک رسائی پائی، یہاں پہنچ کر مکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے لیکن۔

اور ۳۰۳ھ تعریف اہیاء فضائل الاجیار (شیخ عبدالقادر اکسینی)

بیاد آرزویاں بادہ پیا را

کے لحاظ سے افادہ عام پر نظر پڑی دیکھا تو آؤں کا آواگرا ہوا ہے، امیر و غریب عام و خاص عالم و جاہل، رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، علماء جو دلیل راہ بن سکتے تھے، طلب جاہ میں مصروف ہیں، وہ یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے، اور اس حالت میں یہ کتاب لکھی، دوسرا پیر میں خود لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھایا ہے، اور سعادتِ اخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں، علماء جو دلیل راہ تھے، زمانہ ان سے خالی ہوتا جاتا ہے، جو رہ گئے ہیں، وہ نام کے عالم ہیں، جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گردیدہ بنا لیا ہے، اور جنہوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے، مناظرہ (جو غرور و نمود کا ذریعہ ہے) و عطا (جس میں عوام کی دلگیری کے لئے رنگین اور مستح فقرے استعمال کئے جاتے ہیں) فتویٰ (جو مقدمات کے فیصل کرنے کا ذریعہ ہے) باقی آخرت کا علم تو وہ تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے، اور لوگ اس کو بھول بھلا چکے، یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، اور ہر سکوت ٹوٹ گئی ہے۔

تنقید و احتساب

کتاب کی تالیف سے جو اصلاح و تربیت امام غزالی کے پیش نظر تھی اس کے لئے آمادگی اور شوق اور اپنی اور اپنے ماحول کی اصلاح کا تقاضا پیدا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کمزوریوں اور خواہیوں کا نشانہ ہی کی جائے، جو علمی و دینی حلقوں اور مسلم معاشرہ میں بالعموم پھیلی ہوئی تھیں، نیز اس حقیقت کو آشکارا کیا جائے کہ نفس و شیطان نے کس کس طرح سے مختلف طبقوں کو فریب دے رکھا ہے، دینی مفاد میں حقائق کس طرح تبدیل ہو گئے ہیں، لوگ حقائق و مقاصد سے ہٹ کر ظواہر و اشکال اور رسوم میں کس طرح گرفتار ہیں، اور مقصد اصلی سعادتِ اخروی اور رضائے الہی سے کس طرح غافل ہیں، اس کے لئے انہوں نے

چنانچہ زمانہ کی زندگی اور معاصر سوسائٹی کا پورا جائزہ لیا، اور اس کی بے لاگ تنقید کی، اور ہر طبقہ کے امراض اور مغالطوں کو صفائی کے ساتھ بیان کیا، مقاصد اور وسائل و آلات میں فرق کیا، علوم میں دنیاوی علوم اور دینی علوم اور پھر علوم محمودہ اور علوم مذمومہ فرض اور فرض کفایہ کی تقسیم کی، وقت کے فریضہ اور اصل کام کی طرف توجہ دلائی، اہل دولت اور اغنیاء کی کوتاہیوں اور ان کی مخصوص بیماریوں کو کھول کر بیان کیا، سلاطین و حکام پرچرات کے ساتھ تنقید کی، اور ان کے جبر و ظلم، خلاف شرع اعمال و قوانین کی مذمت کی، اس کے علاوہ جمہور و عوام کے امراض اور مختلف طبقوں اور مقامات کے منکرات، مذموم عادات اور مخالف دین رسوم و بدعات کی تفصیل کی، اس طرح یہ کتاب اسلام میں پہلی مفصل و مدلل کتاب ہے، جس میں پوری زندگی اور گہرے ہوئے اسلامی معاشرہ کا وقت کے ساتھ احتساب کیا گیا ہے، اور اخلاقی بیماریوں کے عوارض و اسباب و ان کا طریق علاج بتایا گیا ہے۔

علماء و اہل دین

امام غزالی کے نزدیک اس عالمگیر فساد دینی و اخلاقی انحطاط کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء پر ہے، جو ان کے نزدیک امت کا نمک ہیں، اگر نمک بگڑ جائے تو اس کو کون سی چیز درست کر سکتی ہے، بقول شاعر:-

يا معشر القراء يا ملح البلد ما يصلح الملح اذ الملح فسد

اے جماعت علماء اے وہ جو شہر کا نمک ہے۔ بھلا یہ تیلادو کہ جب نمک ہی بگڑ جائے تو پھر اس کی اصلاح کس سے کی جائے

ایک جگہ امراض قلب کی کثرت اور عام غفلت کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الثالثة وهو الداء العضال فقد تيسر اسباب اور وہ لا علاج مرض کی حیثیت رکھتا

الطبيب فان الاطباء هم العلماء ہے یہ ہے کہ مرض موجود ہیں اور طبیب مفقود،

وقد مرضوا في هذا الاعمار مرضاً طبیب علماء ہیں اور وہ خود اس زمانہ میں بری

شدیداً و عجزوا عن علاجہ۔ طرح بیمار ہیں اور علاج سے عاجز ہیں۔

ان کے نزدیک سلاطین و حکام کی خرابی کا سبب بھی علماء کی کمزوری اور اپنے فرائض سے غفلت ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وبالجملة انما فسدت الرعية	خلاصہ یہ ہے کہ رعیت کی خرابی کا سبب سلاطین
فساد الملوك وفساد الملوك	کی خرابی ہے اور سلاطین کی خرابی کا سبب علماء
فساد العلماء فلولا القضاء الشوع	کی خرابی ہے اس لئے کہ اگر خدا تیرس قاضی اور
والعلماء الشوع لقل فساد الملوك	علماء سورہ نہ ہوتے تو سلاطین اس طرح نہ بگڑتے
خوفامن انكارهم	اور ان کو علماء کی روک ٹوک کا کھٹکا ہوتا۔

ان کو علماء وقت سے شکایت ہے کہ وہ علماء سلف کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور کلمہ حق عند سلطان جار کا فریضہ انجام نہیں دیتے، ان کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ خود بہت سے علماء دنیا طلبی اور جاہ طلبی کا شکار ہو گئے ہیں، وہ سلاطین وقت اور ارباب حکومت کے سامنے علماء حق کی جرات و بیباکی اور احتساب و انکار کے موثر واقعات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:-

• یہ تھا علماء کا طرز عمل اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شان ان کو سلاطین کی شان و شوکت کی ذرا پرواہ نہ تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتے ہیں اور ان کو اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی خالق فرمائے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر بھی راضی تھے کہ ان کو شہادت نصیب نہ ہو، مگر ان کی نیت خالص تھی اس لئے ان کے کلام سے پتہ چوم ہو جاتے تھے اور بڑے سے بڑے سنگ ل مٹا ڈھرتے تھے، البتہ تو حالت یہ ہے کہ طبع و نیا نے علماء کی زبانیں گنگ کر رکھی ہیں اور وہ خاموش ہیں، اگر بولتے بھی ہیں تو ان کے اقوال و حالات میں مطابقت نہیں ہوتی اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا، اگر آج بھی وہ خلوص و صداقت کے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو ان کو ضرور کامیابی ہو، کیونکہ رعیت کی خرابی سلاطین کی خرابی

کانتیجہ ہے، اور سلاطین کی خرابی علماء کی خرابی کا نتیجہ ہے اور علماء کی خرابی کی وجہ دولت اور جاہ کی محبت کا غلبہ ہے اور جس پر دنیا کی محبت غالب آجائے وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر بھی احتساب اور روک ٹوک نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ سلاطین و اکابر!

امام غزالی کے زمانہ میں ایک عالم کا علم فقہ کی جزئیات اور اختلافی مسائل میں مشغول تھا، مباحثہ و مناظرہ کا بازار گھر گھر اور ملک کے چپے چپے پر گرم تھا، مجالس و تقریبات اور بادشاہوں کے درباروں کی رونق بھی انہی مذہبی و فقہی مباحثوں اور مناظروں سے تھی، اس بارہ میں علماء و طلبہ کا انہماک اور علوانا بڑھ گیا تھا کہ تمام دوسرے علوم و مشاغل اور خدمتِ دین کے شعبے نظر انداز ہوتے جا رہے تھے، حدیث ہے کہ اصلاحِ نفس تہذیبِ اخلاق اور سعادتِ اخروی کا جس علم اور کوشش پر انحصار تھا، اس سے بھی توجہ ہٹ گئی تھی، امام غزالی اس صورت حال کی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

۱۰ اگر کسی فقیہ سے ان مضامین (صبر و شکر، خوف ورجاء وغیرہ) بغض و حسد و کینہ، ناشکری، دغا، فریب وغیرہ) میں سے کسی کی بابت حتیٰ کہ اخلاص و توکل اور ریاضے بچنے کے طریقوں کے متعلق سوال کیا جائے جس کا جاننا اس کے لئے فرض عین ہے، اور اس کی طرف سے غفلت کرنے میں آخرت کی تباہی کا خطرہ ہے تو وہ جواب نہ دے سکے گا، اور اگر آپ معان و ظہار سبقِ دہی کو دریافت کریں تو وہ ایسی ایسی باریک جزئیات کے دفتر کے دفتر تائے گا، جس کی ضرورت مدتوں پیش نہیں آتی، اور اگر کبھی ضرورت پیش آجائے تو شہر میں ان کے متعلق فتویٰ دینے والا، اور بتانے والا ہر وقت موجود ہے، لیکن یہ عالم دن رات انہی جزئیات کے سلسلہ میں محنت کرتا رہے گا، اور ان کے خطا و درس میں مشغول رہے گا اور اس چیز سے غفلت برتے گا، جو دینی حیثیت سے اس کے لئے ضروری ہے، اگر اس سے کبھی اس بارہ میں سوال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس علم میں اس لئے مشغول ہوں کہ وہ علم دین ہے اور فرض کفایہ ہے اور وہ اس کے تعلیم و تعلم کے بارہ میں اپنے کو کبھی

مخالفت دیتا ہے اور دوسروں کو بھی، حالانکہ بھدار آدمی خوب جانتا ہے کہ اگر اس کا مقصد فرض کفایہ کے حق کو ادا کرنا ہو، اور اپنی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہونا ہوتا تو وہ اس فرض کفایہ پر فرض عین کو مقدم رکھتا، بلکہ دوسرے فرض کفایہ بھی ہیں جن کو مقدم ہونا چاہئے، مثلاً کتنے شہر ہیں جن میں صرف غیر مسلم طبیب ہیں جن کی شہادت احکام فقہ میں قبول نہیں کی جاسکتی، لیکن ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی عالم (اس کی اور ضرورت کو محسوس کر کے) علم طب کی طرف توجہ کرتا ہو، اس کے بالمقابل علم فقہ یا مخصوص خلافیات و بدلیات پر طلبہ ٹوٹ پڑتے ہیں، حالانکہ شہر ایسے علماء سے بھرا ہوا ہے، جن کا مشغلہ فتویٰ نویسی اور مسئلہ بتلانا ہے، میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء دین ایسے فرض کفایہ میں مشغول ہونے کو کیسے درست سمجھتے ہیں، جس کو ایک جماعت کی جماعت منجملے ہوئے ہے اور ایسے فرض کفایہ کو انہوں نے کیسے چھوڑ رکھا ہے، جس کی طرف کوئی توجہ کرنے والا نہیں کیا، اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ ہے کہ طب کے ذریعے سے اوقات کی تولیت و وصیتوں کی تنفیذ اور تسمیوں کے مال کی نگرانی و انتظام اور منصب قضا و افتاء پر تقرار اور معصروں اور محققوں میں فوقیت و امتیاز اور شریعت اور حلیوں پر حکومت وغلبہ حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

کوئی شہر بھی ایسا نہیں ہے جہاں کچھ ایسے کام نہ ہوں جو فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی طرف توجہ کرنے والا کوئی نہیں، اور علماء کو ان کی طرف مطلق التفات نہیں زیادہ وہ جگہ کہ جہاں سے نہیں بلکہ جگہ کہ جہاں سے لے کر اکثر اسلامی شہروں میں سلمان طبیب بے جود نہیں جن کی شہادت شرعی کاموں میں مستعمل اور علماء اس مسئلے سے کلمہ پڑھی نہیں رکھتے، اس طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض کفایہ ہے (لیکن متروک ہو رہا ہے)۔
وہ ایک جگہ عام جہالت و غفلت، دین سے ناواقفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے اور تبلیغ اور عمومی تعلیم کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

اس شخص کے لئے جس کو اپنے دین کی واقعی فکر ہے یہ (تسلیم و تسلیم) خود ایسا مشغلہ ہے کہ پھر اس نادر وقوع بڑی تیار
دور کار تفصیلات اور ان علوم میں موثقانہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہو سکتی جو خود فرض کفایہ ہیں۔

امام غزالی متفقانہ و مورخانہ حیثیت سے اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ اختلافی مسائل نے پچھلے دور میں کیوں
اس قدر اہمیت اور مقبولیت حاصل کر لی، اور علمائے اس کو اپنی ذہانتوں اور محنتوں کا میدان بنا لیا،
اور ان کی بہترین توجہات اس میں صرف ہونے لگیں، امام غزالی کے نزدیک اس کے کچھ تاریخی اسباب ہیں،
اور ان کے نتیجے میں ایسا ہونا بالکل قدرتی بات ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:-

۱۰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین حضرات خلفائے راشدین خود بڑے عالم فقیر اور صاحب
فتویٰ تھے ان کو شاذ و نادر کسی خاص موقع پر دوسرے اہل علم صحابہ سے مدد لینے کی ضرورت پیش آتی تھی، اس لئے
علماء صحابہ علوم آخرت کے لئے فارغ اور ان میں مہنگ تھے اگر کوئی فتویٰ کا موقع پیش آتا، تو وہ ایک دوسرے
پر معمول کرتے اور بہترین متوجہ الی اللہ رہتے جیسا کہ ان کے حالات میں منقول ہے، جب ان لوگوں کی نوبت آتی جو
خلافت کا استحقاق اور قابلیت نہیں رکھتے تھے اور ان میں خود فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے کی صلاحیت
نہیں تھی تو ان کو مجبوراً دوسرے علماء سے مدد لینا پڑی اور ان کو ساتھ رکھنا پڑا، تاکہ ان کے وہ فتویٰ حاصل
کرتے رہیں، علماء تابعین میں ابھی ایسے لوگ زندہ تھے جو قدیم روش پر تھے اور جن میں دین کی حقیقت اور
سلف کی شان تھی، جب ان کو بلایا جاتا تو وہ گریز کرتے اور اعراض کرتے، خلفاء (بنی امیہ و بنی عباس)
کو ان کو تلاش کرنا پڑتا، اور مہذبہ قضا اور حکومت کے لئے ان سے اصرار کرنے کی کوشش پیش آتی، ان کے
زمانہ کے لوگوں نے جب علماء کی یہ شان، سلاطین و حکام کا ایسا رجوع اور اہل علم کا یہ استغناء اور بے پرواہی
دیکھی تو وہ سمجھے کہ حصول جاہ و عزت کے لئے فقہ کا علم بہترین نسخہ ہے، اسی سے حکام کا تقرب اور قضا و
افتخار کا منصب حاصل ہوتا ہے پس وہ اسی طرف متوجہ ہو گئے، انھوں نے حکام کے سامنے خود اپنی پیشکش کی اور

ان سے مراسم پیدا کئے اور عہدوں اور اعمال کے خود امیدوار بنے بعض کو تو کچھ ہاتھ نہ آیا بعض
 کامیاب ہوئے جو کامیاب بھی ہوئے وہ امیدواری کی ذلت سے محفوظ نہیں رہے اور ان کو اپنے مقام سے نیچے
 اترا اور عیاشانہ اور بتذل سلح پر آنا پڑا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء جو پہلے مطلوب تھے اب طالب بن گئے
 پہلے حکام سے استغناء اور اعراض کی وجہ سے سوز تھے اب ان کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے ذلیل و
 خوار ہو گئے، البتہ اس کلیہ سے ہر دور میں کچھ اللہ کے بندے مستثنیٰ رہے ہیں۔

ان زمانوں میں سب سے زیادہ اہمیت اور توجہ احکام اور فتاویٰ کی طرف تھی اور انتظامات اور عدالت
 کے سلسلے میں ان کی ضرورت بھی زیادہ تھی اس کے بعد بعض رؤسا و حکام کو اصول و عقائد سے کچی
 پیدا ہوئی اور اس کا شوق ہوا کہ ہر فریق کے دلائل و مباحث نہیں اور ان کا بکت و مباحثہ نہیں لوگوں کو
 ان رؤسا کی حکام کے اس ذوق کا علم ہوا تو وہ علم کلام کی طرف رجوع ہوئے، مصنفین نے اس موضوع پر
 بہ کثرت تصنیفات کیں اور مناظرے کے اصول و قواعد کو مرتب کیا اور مدد و قدرح کو ایک فن بنا دیا اور لوگوں
 کا یہ بیان تھا کہ ان کا مقصود دین کی طرف سے مدافعت و جواب ہی سنت کی نصرت اور بدعت کی
 تردید و مخالفت ہے، ٹھیک جیسے ان لوگوں کے پہلے کے لوگ یہ کہتے تھے کہ فتاویٰ میں شمولیت سے مقصود
 محض دین خدمت، خلق اور زندگان خدا پر شفقت اور خیر خواہی ہے اس کے بعد کچھ رؤسا و حکام ایسے
 ہوئے جو علم کلام و مناظرہ کو نظر استخوان نہیں دیکھتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس میں تعصب و جنگ
 جدل اور بعض اوقات خوزری و فساد کی نوبت آجاتی ہے ان کو فقہی بحث و مناظرہ سے رغبت تھی
 اور اس تحقیق کا شوق تھا کہ خصوصیت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی میں کس کا مذہب زیادہ صحیح ہے،
 لوگوں نے دیکھے کہ کلام و عقائد کو بالائے طاق رکھ دیا، اور اختلافی مسائل بالخصوص امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے
 اختلافات کو موضوع سخن بنایا، اور امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام احمد وغیرہ کے مذاہب اختلاف کو نظر انداز کیا
 (اس لئے کہ ان کے اختلافات سے حکام کو کچی نہ تھی) ان کا کہنا تھا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ شریعت کی باریکیوں کو

ظاہر کریں، مذاہب کے وجوہ و اسباب کو بیان کریں، اور فتاویٰ کے اصول کو مرتب و مدون کریں انھوں نے اس میں کثرت سے تصنیفات کیں، اور استنباطات کئے، اور مجادلہ اور تصنیف کے فن کو ترقی دی، اور مشغلہ ابھی تک جاری ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کیا دکھائے گا، اور اس میں کیا تغیر ہوگا تو دراصل اختلافی مسائل اور مناظرہ سے علماء کی کچھ پی اور ان کے انہماک کا سبب یہ ہے جو ہم نے بیان کیا، اگر اہل دنیا اور ارباب اقتدار کو (امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے علاوہ) کسی اور امام یا (اختلافی مسائل و مناظرہ کے علاوہ) کسی اور علم سے دلچسپی ہو جائے تو علماء بھی اسی کی طرف جھک پڑیں گے، اور اس کی وجہ یہی بیان کریں گے کہ ان کا مقصد علم دین اور قربت خداوندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد امام غزالی نے تفصیل کے ساتھ مناظرہ اور بحث و مجادلہ کے اخلاقی و روحانی نقصانات و مفاسد اور اس کے شرور و آفات بیان کئے، وہ عرصہ تک اس میدان کے شہسوار رہ چکے تھے، اس لئے اس سلسلہ میں ان کا بیان چشم دید شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، اور مشاہدات اور ذاتی تجربات پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بڑا مغالطہ الفاظ کا تھا، امام غزالی کے زمانہ کے علوم مروجہ اور ان کی بگڑی ہوئی شکلوں کے لئے جو الفاظ عنوان کا کام دیتے تھے، وہ قدیم الفاظ تھے، جو قرآن و حدیث، صحابہ کے کلام اور علماء سلف کی سیرتوں میں بہ کثرت آتے ہیں، مثلاً اختلافی مسائل فقہ کی نادر الوقوع جزئیات اور باریکیوں کے لئے بے تکلف "فقہ" کا لفظ استعمال ہوتا تھا، ہر طرح کے علمی اشغال اور شرعی و غیر شرعی علم کے لئے مطلق علم کا لفظ بولا جاتا تھا، علم کلام اور اس کے فلسفیانہ مباحث کو "توحید" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، بے سرو پا روایات و سطحیات اور عبارات آرائی و رنگین بیانی کو "تذکرہ" کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا، ہر طرح کے نامانوس مضامین اور پیچیدہ عبارات کو "حکمت" کا خطاب دیا جاتا تھا، اور پھر ان سب خود ساختہ اعمال و اشغال پر وہ سب فضائل چسپاں کئے جاتے تھے، جو قرآن و حدیث میں ان علوم کی حقیقتوں کے بارہ میں وارد ہوئے ہیں، مثلاً فقہ

کی اس بگڑی ہوئی شکل (محض اختلافات و جزئیات کے لئے) قرآن مجید کی آیت لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ اور
 حدیث مَنْ يَتَدَبَّرِهَا مِنْ خَيْرٍ أَفْقَهُهَا فِي الدِّينِ "فلسفہ اور پانچویں صدی کے علم کلام کے لئے وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ
 فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" کی بشارت، جاہل اور ناخدا ترس اعظموں کے مامیانہ مواعظ کے لئے فَذَكِّرْ إِنَّمَا
 أَنْتَ مُذَكِّرٌ" اور دوسری آیات و احادیث منطبق کی جاتی تھیں امام غزالی نے اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا
 اور تفصیل سے بتلایا کہ یہ الفاظ اپنی اصل حقیقت کھو چکے ہیں اور اپنے اصل مفہوم سے دور ہوتے ہوئے کہیں سے
 کہیں پہنچ گئے ہیں، قرونِ اولیٰ میں ان کا جو مفہوم تھا، اس سے علماء کے ان موجودہ مشاغل کو کوئی مناسبت نہیں
 ان کی یہ بحث الفاظ کے سفر کی ایک کچھپ رو داد اور اصطلاحات اور عنوانات کے تغیر کی ایک سبق آموز تالیف ہے
 اور بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ ہے، جو علمی اور دینی حلقوں میں اس وقت پھیلی ہوئی تھیں۔

حکام و سلاطین

دوسرا جو امام غزالی کے نزدیک اس عالمگیر فساد و اخلاقی انحطاط اور دینی تنزل کا ذمہ دار تھا، وہ
 اہل حکومت اور سلاطین و امراء کا طبقہ تھا، امام غزالی سے دو سو برس پہلے حضرت عبداللہ ابن مبارک نے
 انہی دونوں (علماء و سلاطین) کے گروہوں کو دیکھا، بگاڑنے والا قرار دیا تھا۔

وَمَنْ أَضَلَّ مِنَ الْأَمْلُوكِ وَلِمَا رَسَعُوا فِيهَا

امام غزالی نے ایک ایسے زمانہ میں کہ بادشاہ مطلق العنان اور ہر طرح کے قوانین و ضوابط سے
 بالاتر تھے، اور ان پر اعتراض کرنا موت کو پیام دینا تھا، اس طبقہ کا پوری جرات کے ساتھ احتساب کیا،
 ان پر آزادانہ تنقید کی، ان کے زمانہ میں بادشاہوں کے عطیوں اور پیشکشوں کو قبول کرنے کا عام رواج

لے چنانچہ فلسفہ کا دسی کتابوں پر حتیٰ کہ طب کی بعض بعض کتابوں کے سرورق پر اب بھی یہ آیت نظر آتی ہے۔

۳۳۱۲۵۰ ج ۱ ص ۲۵۰

تھا امام غزالی نے اموال سلطان کو ناجائز اور بالعموم مشتبہ اور حرام بتلایا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

اغلب اموال السلاطین حرام فی
 هذه الاعصار والجمالات فی ایدیم
 معدوم او عزیز
 دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

ان اموال السلاطین فی عصرنا حرام
 کثیرا واكثر ما کیف لا والحلال
 هو الصدقات والحق والتعمیر ولا
 وجود لها ولین یدخل متواقیب اللہ
 وطریق الا الجزیة وانها لومنی انواع
 من الظلم لا یحل اخذها بل فانهم یحرمون
 حدود الشریع فی اللغو والظلمة
 والوفاء لیس بالشرط ثم اذا نسی ذلك
 انما ینصب الیہ من الفرائض المضرورة
 علی المسلمین ومن المصلحت والشرایع
 منوی الظلم لمرایع شرع و مشاہد
 عشیرة

سلاطین کے مال ہاے عنازہ میں یا سب وہ ہیں
 میں میں کا ہر حصہ اور کچھ تو یہ کہا نہیں میں لگا
 ظلمت کی نکتہ نے املا قیامت کا یہ ہے ان کا
 کہیں جو نہیں ان میں سے کہ لہ عزیز اور شکر پونے
 نہیں پالنے کے کہ موت بڑیکہ ان کا اس کا حال
 یہ کہہ نہ لگتا ظلمہ حرام و حلال کیا گیا
 جو اس کا حلال کہا جائے نہیں مال سلطنت
 حد و شریعت کے بلکہ کہ یہ مال کا متعلق شریعت
 کا چپاں کیا جائے نہ وہی حلال کیا گیا
 اس کا یہی شریعت کے کہ کہ ان کا کیا گیا ہے اس
 فریاد ہے کہ جلتے ہیں پیر لہ ان پرتو نہ نزع
 ان کا بلکہ ان کے خلیفہ ختم لہ ان کا
 ان کے پونے چاہئے کہ ہاں ہاں ہاں ہاں

ان اموال السلاطین فی عصرنا حرام

اس جزیہ کو بھی کوئی نسبت نہیں۔

امام غزالی اس سے ترقی کر کے یہاں تک لکھتے ہیں کہ سلاطین وقت سے ان قوم کا قبول کرنا بھی مناسب نہیں جن کے متعلق تحقیق یا گمان غالب ہے کہ وہ مشتبہہ اور ناجائز نہیں ہیں اس لئے کہ اس میں بکثرت دینی مفاسد ہیں، اس موقع پر گذشتہ عہد کی مثالیں دی جاسکتی تھیں کہ سلف میں بعض علماء و صلحاء نے اپنے بچے زمانہ کے خلفاء و سلاطین کی پیشکش بعض اوقات قبول کی ہیں، امام غزالی اس عہد کے لوگ و سلاطین اور ان دونوں زمانوں کے حالات کا فرق بیان کرتے ہیں:-

• دور اول کے ظالم سلاطین خلفاء راشدین کے عہد کے قرب کی وجہ سے اپنے ظالمانہ رویہ کا احساس رکھتے تھے، اور ان کو صحابہ و تابعین کی دیکھنی اور استمالت کا خیال رہا کرتا تھا، اور اس بات کی فکر کرتے تھے کہ وہ کسی طرح ان کے عطیے اور انعامات قبول کر لیں، وہ ان کے پاس سیدھے اور نذرانے بغیر ان کی طلب کے اور ان کی شان اور مرتبہ پر زور آئے بغیر ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے، بلکہ ان کے قبول کر لینے پر ان کے احسان مند ہوتے تھے۔ رسترت کا اظہار کرتے تھے، وہ حضرات بھی ان چیزوں کو لے کر تقسیم کر دیا کرتے تھے، وہ سلاطین کی اغراض میں ان کا ساتھ نہیں دیتے تھے، ان سے طاقات کرنے آتے تھے، ان کے ساتھ اجتماع کو پسند کرتے تھے، ان کو ان کی درازی عمر اور جاہ و اقبال کے باقی رہنے کی خواہش تھی، بلکہ وہ ایسے ظالموں کے لئے بد دعا کرتے تھے، ان کے بارہ میں آذرانہ اظہار خیال کرتے تھے، اور ان کے منہا ان کے خلاف شرع امور پر نکتہ یاکرتے تھے اور تردید کرتے تھے، اس لئے اس کا خطو نہ تھا کہ جتنا ان کو سلاطین کے قائدہ پہنچا ہے، اتنا ہی ان کو سلاطین کے اس تعلق سے دینی نقصان پہنچے گا، اس لئے ان کے قبول کرنے میں کوئی قباحت نہ تھی۔

لیکن اس کے برعکس آج سلاطین ان ہی لوگوں کے ساتھ یہ فیاضی کرتے ہیں جن کے متعلق ان کو یہ امید ہوتی ہے کہ وہ ان سے کام لے سکیں گے، ان سے ان کو سہارا حاصل ہوگا، وہ ان سے اپنی اغراض پوری کر سکیں گے، ان سے ان کے درباروں اور مجلسوں کی رونق بڑھے گی، اور وہ ہمیشہ دعا گوئی، شائستگی اور

حاضر وغائب ان کی تعریف و توصیف میں لگے رہیں گے اس سلسلہ میں پہلا درجہ سوال کی ذلت کا ہے دوسرا خدمت کے لئے آمد و رفت کا تیسرا تعریف و دعا گوئی کا، چوتھا یہ کہ ضرورت کے وقت ان کے اعزاز میں ان کی مدد کی جائے، پانچواں حاضر باشی اور دباورداری جلوس کی شرکت، چھٹا اظہار محبت دوستی اور حریفوں کے مقابلہ میں ان کی امداد و نصرت، ساتواں ان کے ظلم اور ان کے محبوب اور بد اعمالیوں کی پرہیزگاری، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی درجہ کے لئے تیار نہیں ہے، تو خواہ وہ امام شافعی کے مرتبہ کا ہو یا سنیوں کا ایک پیسہ بھی ان پر خرچ کرنا گوارا نہیں کریں گے اس لئے اس زمانہ میں ان بادشاہوں سے ایسے مال کا قبول کرنا بھی جائز نہیں جس کے متعلق یہ علم ہے کہ وہ حلال ہے، اس لئے کہ اس کے وہ خٹکے ہوں گے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، اس مال کا تو کیا ذکر جس کے متعلق معلوم ہے کہ حرام یا مشتبہ ہے، اب اگر کوئی شخص ان سلاطین کے اموال کو جو رات کے ساتھ قبول کرتا ہے، اور صحابہ و تابعین کی مثال دیتا ہے تو وہ درحقیقت فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس کرتا ہے، اس لئے کہ ان کے اموال کو قبول کرنے کے بعد ان سے ملنے جلنے اور اخلاط کی مزدورت پیش آئے گی، ان کا کھانا کرنا پڑے گا، ان کے اہلکاروں اور عمال کی خدمت کرنا پڑے گی، اور ان سے دینا اور ان کے سامنے جھکنا گوارا کرنا پڑے گا، پھر ان کی تعریف اور ان کے مدد پر حاضری دینے سے چارہ نہیں، اور یہ سب محصیت کی باتیں ہیں۔

جب گذشتہ بیان سے سلاطین کی آمدنی کے ابواب اور اس میں سے حلال و حرام کی... تفصیل معلوم ہوگئی تو اگر کسی طرح یہ ممکن ہو کہ انسان شاہی رقوم میں سے اتنا جز قبول کرے جو حلال ہے، اور وہ اس کا حق ہے، اور وہ رقم اس کے پاس گھر بیٹھے آتی ہو، اور کسی حاکم یا ملازم کی تلاش و خدمت اور ان سلاطین و حکام کی تعریف و تصدیق کی ضرورت بھی نہ ہو، اور نہ ان کی امداد و اعانت کی شرطا ہو، تو پھر (مسئلہ کے اعتبار سے) ایسی رقم کا قبول کرنا حرام نہیں ہے، لیکن دوسری خرابیوں اور بعد کے نتائج کے لحاظ سے مکر وہ ضرور ہے۔

ایک دوسری جگہ سلاطین سے کنارہ کشی اور ان کے افعال و مظالم سے نفرت کی تبلیغ کرتے ہیں۔

المحالة الثانية ان يعتزل عنهم فلا يرام
دوسری حالت یہ ہے کہ انسان ملن سلاطین سے الگ

ولا يرونه وهو الواجب والسلامة
تھلک رہے کہ ان کا سامنا ہی نہ ہونے پائے اور نہ وہ

فيه فعليه ان يعتقد بغضهم على
ہے اور اسی میں حفاظت میں انسان کو ان کے مظالم کی بنا

ظلمهم ولا يجب بقائهم ولا يثني
پران سے بغض کا اعتقاد رکھنا چاہئے وہ نہ ان کی

عليهم فلا يستخبر عن احوالهم ولا يتقرب
زندگی کا خواہشمند ہو نہ ان کی تعریف کے نہ ان کے

الى المصلين بهم۔
علاقہ کی جستجو رکھے نہ ان کے مقربین سے میل جول۔

شخصی سلطنت اور جابر و مستبد بادشاہوں اور خود مختار وزراء و حکام کے اس دور میں کہ جب

پوری کی پوری قوم اور اس کے بیش قیمت سے بیش قیمت افراد کی زندگی ان کے رحم و کرم پر تھی اور جب شہر

پر قتل عام ہو سکتا تھا، امام غزالی کی یہ صاف گوئی اور سلطنت کے نظام باایات آمد و صرف پر یہ کھلی

ہوئی تنقید اور علماء کو سلاطین و حکام کے عطیوں کو قبول نہ کرنے کی ترقیب و تبلیغ (جو حکومت سے

عدم تعاون اور اظہار ناراضگی یا بے تعلقی کی علامت سمجھی جاتی تھی) ایک چھا خاصا جہاد تھا، جس کی

نزاکت کا اندازہ اخبارات اور تقریروں کی آزادی کے اس عہد اور جمہوری اورہ دری (خواہ

برائے نام) دور میں صحیح طور پر نہیں لگایا جاسکتا۔

امام غزالی نے صرف تحریر و تصنیف پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جب ان کو بادشاہ وقت

سے ملنے کا اتفاق ہوا تو بھرے دربار میں بھی انہوں نے کلمہ حق بلند کیا، ملک شاہ سلوٹی کا

بیٹا سلطان سنجر پورے خراسان کا فرمازاوا تھا، امام غزالی نے ملاقات کے وقت اس سے

خطاب کر کے کہا کہ:-

• افسوس کہ مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی

گردیں طوقہائے زرین کے بارے میں

محمد بن ملک شاہ کو جو سب سے بڑا بھائی اور اپنے وقت کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، ایک ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا، جس میں اس کو حاکمانہ ذمہ داریوں، خوفِ خدا، اور اصلاحِ ملکی کی طرف متوجہ کیا۔

مشرقی سلطنتوں میں عموماً حکومت کا تمام نظم و نسق چونکہ وزراء کے ہاتھ میں ہوتا تھا، اور وہی رو بہت حکومت کے منظم اور ذمہ دار ہوتے تھے، اس لئے انہی کی اصلاح و توجہ سے مملکت کی اصلاح ہو سکتی تھی، امام غزالی اس حقیقت سے واقف تھے، اس لئے انھوں نے سلاطین سلجوقیہ سے زیادہ ان کے وزراء کی طرف توجہ کی، ان کو مفصل خطوط اور ہدایت نامے لکھے، اور بڑی جرأت و صفائی کے ساتھ حکومت کی بددیواری، حقوق کی پامالی، حکام کی مردم آزاری، اہل کاران دولت کی دولت ستانی، ذمہ داروں کی غفلت کی طرف توجہ دلائی اور خدا کا خوف دلا کر اور پچھلے وزراء اور صدور حکومت کا انجام یاد دلا کر اصلاح و تنظیم کی طرف متوجہ کیا، ان کے یہ خطوط شخصی جرأت، اظہارِ حق اور تاثیر و قوت انشاء و تحریر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

فخر الملک کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

• ہاں کہ میں شہر از قحط و ظلم و یران بود و تاخیر تو از اسفرائین و دامناں بود ہمہ می ترسیدند و ہتھانان از بیم غلامی فرو افتند و ظالمان از مظلومان عذری خواستند اکتوں کہ اینجا رسیدی ہمہ ہر اس و خوف بر خاست و ہتھانان و جازان بتدبر غلامان نہادند و ظالمان دگر گشتند اگر کسی کار این شہر بخواند این شکایت می کند دشمن دین تست، ہاں کہ دعائے مردمان طوس بہ نیکی و بدی بجز بامت و عمید را این نصیحت بسیار کردم نپذیرفت تا حال سے عبرت ہمہ گشت بشو این سخنہائے تلخ با منفعت از کسی کہ او طح گاہ تو را بہر سلاطین و داع کردہ است تا این سخن می تواند گفت و قدر این بشناس کہ نہ ہانا از کسے دگر گشتی

لے مکتوبات امام غزالی ص ۱۷۱ سے یہ ہدایت نامہ ایک رسالہ کی شکل میں ہے، اور نصیحت الملوک کے نام سے موسوم ہے

چونکہ محمد شاہ کی زبان فارسی تھی، اس لئے یہ کتاب بھی فارسی زبان میں ہے۔

بدانکہ ہر کس کہ خیرا میں گویا با تو طبع وے حجاب است میان او و کلمہ حق ہے
مخیر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

۱۱۳۰ فریاد رسیدن خلق بر عموم واجب است کہ کار ظلم از حد گذشتہ و بعد ازاں کہ من شاہد این حال
می بودم قریب یک سال است کہ از طوس ہجرت کردہ ام تا باشد کہ از شاہدہ ظالمان بے رحمت
و بے حرمت خلاص یابم چون حکم ضروری معاودت افتاد ظلم بچنان متواتر است ہے
پھر وزیر سابقین کا انجام لکھ کر مخیر الدین کو متنبہ کرتے ہیں۔

و بحقیقت شناسد کہ بیچ وزیر بدیں بلا مبتلا نبود کہ وے دلدوزگار بیچ وزیر آن ظلم و خرابی نہ
رفت کہ اکٹوں می رود، و اگر چہ وے کارہ است و لیکن در خبر چنین است کہ چون ظالمان راز و قیامت
مواخذہ کنند ہم متعلقان را وہم ایشان را بدان ظلم بگیرند، مسلمانان را کار با ستخان رسیدت سال گذشتہ
و ہر دینارے کہ قسمت کردند ماضیان آن از رحمت بشد و بساطان رسید و در میانہ انزال حوٹان و
ظالمان ہر دند۔

مسلمانوں کے دوسرے طبقے

طبقہ اعلیٰ و طبقہ اسلاطین و حکام کے علاوہ انھوں نے عام زندگی کا بھی جائزہ لیا ہے، اس میں جس قدر
غیر دینی عناصر بدعات و منکرات، مغالطے اور خود فریبیاں داخل ہو گئی ہیں، ان کی تنقید کی ہے، اجماعاً العلوم
کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی اشتغال اور عالمانہ زندگی کے باوجود وہ اس وقت کی سوسائٹی اور
عام زندگی سے واقف ہیں، اور ان کا زندگی کا مطالعہ بڑا وسیع اور ہمہ گیر ہے، انھوں نے مسلمانوں کی عمومی
زندگی اور امت کے مختلف طبقات اور ان کی مختلف بیماریاں اور کمزوریوں کی جو نشاندہی کی ہے، اس سے
ان کی قوت مشاہدہ اور قوت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، انھوں نے ایک مستقل باب ان منکرات کی تفصیل میں

لکھا ہے جو عادات میں داخل ہو چکے ہیں اور لوگوں کو ان کا منکر (خلافِ شرع و اخلاق) ہونا محسوس نہیں ہوتا، اس سلسلہ میں انھوں نے پوری شہری زندگی پر نظر ڈالی ہے اور اس کے نمایاں منکرات کا تذکرہ کیا ہے اور مساجد سے لے کر بازاروں، سڑکوں، حمام اور دعوت کی محفلوں تک کے منکرات کو شمار کر دیا ہے۔

انھوں نے آجیاد العلوم کا ایک مستقل حصہ (کتاب فی الغرور) ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو مختلف قسم کے مغالطوں اور فریب نفس میں مبتلا ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے ہر طبقہ کے فریب خوردہ اشخاص اور ان کی غلط فہمیوں اور خود فریبیوں کا حال بیان کیا ہے اور ان کے بعض ایسے نفسیاتی امراض اور خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن کو صرف ایک دقیق النظر مصلح اور ایک تجربہ کار ماہر نفسیات ہی دیکھ سکتا ہے، اس باب میں انھوں نے علماء عباد و زہاد امراء و اغنیاء اور اہل تصوف سب کا جائزہ لیا ہے اور سب کے خصوصی امراض اور بے اعتدالیوں کا پردہ فاش کیا ہے اور ہر ایک کے متعلق بڑے پتہ کی باتیں لکھی ہیں جس سے ان کی ذہانت دقیقہ رسی اور حقیقت شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان کے زمانہ کے علمائے جن جن علوم کے اشتغال میں حد سے تجاوز کر رکھا تھا، مثلاً فقہی جزئیات و خلافیات علم کلام و مباحثہ و مجادلہ و عطا و تذکرہ علم حدیث اور اس کے تعلقات نحو، لغت، شعر و مفردات کی تحقیق و حفظ میں غلو و مبالغہ اور زاہدوں کے لطوفاط و حالات کے یاد رکھنے پر اکتفا، اس سب پر انھوں نے تنقید کی اور ان کو اپنے ان مضامین کے بارہ میں جو غلط فہمی اور خوش گمانی تھی، اس کی تحقیق کی اور حقیقتِ حال بیان کی اور آخر میں اپنا یہ تجربہ بیان کیا، جو بالکل قرن قیاس ہے کہ دنیاوی علوم مثلاً طب و حساب اور صنعتوں کے علم میں اس قدر خوش گمانی اور خود فریبی نہیں ہے جتنی علوم شرعیہ میں ہے، اس لئے کہ کسی شخص کا یہ خیال نہیں ہے کہ دنیاوی علوم فی نفسہ ذریعہ مغفرت ہیں، بخلاف علوم شرعیہ کے کہ وہ اپنے نتائج و مقاصد سے قطع نظر کر کے بجائے خود بھی ذریعہ مغفرت و تقرب سمجھے جاتے ہیں، اپنے زمانہ کے عباد و زہاد اور اہل تصوف

کو بھی انھوں نے بڑی گہری نظر سے دیکھا ہے اور ان کی بڑی باریک باریک کوتاہیوں، خوش فہمیوں اور خود فریبیوں کو محسوس کیا ہے، ان کے بہت سے ظاہری اعمال و رسوم کی تہ میں ان کو نفس پرستی، جاہ طلبی، ریاکاری، ظاہری نقالی اور بے روح رسمیت نظر آئی ہے اور انھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اس کو ظاہر کر دیا۔ اہل دولت اور اغنیاء پر بھی انھوں نے بڑی صحیح گرفت کی ہے اور اس سلسلہ میں ان کے قلم سے حقائق نکل گئے ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں:-

ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر دوپیر صرفت کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے، وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، سفر ان کو بہت آسان معلوم ہوگا اور پیسہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی، وہ حج سے محروم وہی دست واپس آئیں گے وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا، اس کے ساتھ کوئی سلوک اور عنقراری نہیں کریں گے۔

ابونصر تارکیتے ہیں کہ ایک شخص بشر بن امارت کے پاس آئے اور کہا کہ میرا تصدق کا ہے، آپ کا کچھ کام ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تم نے خرچ کے لئے کیا رکھا ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم، بشر نے کہا کہ تمہارا حج سے مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا شوق کعبہ یا طلب رضا، اس نے کہا طلب رضا انھوں نے فرمایا کہ اچھا اگر میں تیریں ایسی تدبیر بتلا دوں کہ تم گھر بیٹھے اللہ کی رضا حاصل کرو اور تم کو فقیر بنانے کے لئے تیار ہو، اس نے کہا بھئی فرمایا کہ اچھا پھر چاہو، اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے دو جو مقروض ہیں، وہ اس سے اپنا قرض ادا کر دیں، فقیر اپنی حالت درست کرے، صاحب حیا اپنے بال بچوں کا سامان کرے، یتیم کا منتظم یتیم کو کچھ دے کہ اس کا دل خوش کرے اور

اگر تہاری طبیعت گوارا کرے تو ایک ہی کو پورا مال دے آو اس لئے کہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بیکس کی امداد کسی کی مصیبت دور کرنا، کمزور کی اعانت سونفلی جوں سے افضل ہے، جاؤ جیسا میں تم سے کہا ہے ویسا ہی کر کے آؤ ورنہ اپنے دل کی بات ہم سے کہہ دو اس نے کہا کہ شیخ سچی بات یہ ہے کہ سفر کا رجحان غالب ہے، بشر سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ مال جب گندہ اور مشتبہہ ہوتا ہے تو نفس تقاضا کرتا ہے، کہ اس سے اس کی خواہش پوری کی جائے اور وہ اس وقت اعمال صالحہ کو سامنے لاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔

دولت مندوں کا ایک گروہ بر بنائے نخل و دولت کی حفاظت میں مشغول رہتا ہے، اور ایسی بدنی عبادت سے اس کو کھپتی ہوتی ہے جس میں کچھ خرچ نہیں، مثلاً دن کا روزہ، رات کی عبادت، آیتہ قرآن وہ بھی فریب میں مبتلا ہیں، اس لئے کہ مہلک نخل ان کے باطن پرستوی ہے، اور اس کے ازالہ کے لئے مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہے، لیکن وہ ایسے اعمال میں مشغول ہیں، جس کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے کپڑے کے اندر سانپ گھس گیا ہے، اور اس کا کام تمام ہونے والا ہے، اور وہ سکنجبین کے تیار کرنے میں مشغول ہے، تاکہ صفر کو نسکین ہو، حالانکہ جو سانپ کا مارا ہے، اس کو سکنجبین کی ضرورت کب پڑے گی؟ بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں دولت مند کثرت سے روزہ رکھتا ہے، اور نمازیں پڑھتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ بیچارہ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں مشغول ہے، اس کے مناسب حال تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا، مساکین پر خرچ کرتا، یہ اس سے افضل تھا کہ اپنے نفس کو بھوکا رکھتا ہے اور اپنے لئے (نفل) نمازیں پڑھتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ دنیا بھی سمیٹنے میں مشغول ہے، اور فقیر کو محروم رکھتا ہے؟

عوام کے امراض اور خود فریبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۳۵ ایضاً ج ۳ ص ۳۵

۳۵ احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۳۵

عوام دولت مندوں اور فقرا میں سے کچھ لوگ ہیں جن کو مجالس و عطا کی شرکت سے دھوکا لگا ہے، ان کا اعتقاد ہے کہ محض ان مجالس میں شرکت کافی ہے، انہوں نے اس کو ایک معمول بنایا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ عمل اور نصیحت پذیری کے بغیر بھی محض مجلس و عطا میں شرکت باعث اجر ہے، وہ بڑے دھوکہ میں مبتلا ہیں، اس لئے کہ مجلس و عطا کی فضیلت محض اس لئے ہے کہ اس سے خیر کی ترغیب ہوتی ہے، اگر اس سے خیر کی آمادگی اور اس کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا تو اس میں کچھ خیر نہیں، رغبت بھی اس لئے محمود ہے کہ وہ عمل کی محرک ہے، اگر اس میں عمل پر آمادہ کرنے کی قوت نہیں تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں، جو چیز کسی مقصد کا ذریعہ ہوتی ہے اس کی قیمت محض مقصد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہے، اگر وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو تو وہ بے قیمت ہے، کبھی و اعطاء سے مجلس و عطا اور گریہ و بکا کی فضیلتیں سن کر اس کا دھوکا ہوتا ہے، کبھی کبھی اس پر عورتوں کی طرح ایسی رقت طاری ہوتی ہے، اور وہ روتے لگتا ہے، لیکن عزم کا کہیں پتہ نہیں ہوتا، کبھی کبھی کوئی ڈرانے والی بات سنتا ہے اور وہ تالیاں پیٹتا ہے، اور کہتا ہے، الہی تو یہ ایذا یا تیری پناہ، اور وہ سمجھتا ہے کہ اس نے حق ادا کر دیا، حالانکہ وہ دھوکہ میں ہے، اس کی مثال اس مرض کی سی ہے، جو کسی طبی کے مطب میں بیٹھتا ہے، اور نسخے سنتا رہتا ہے، لیکن اس سے اس کو صحت نہیں ہو سکتی، یا ایک بھوکا آدمی کسی سے کھانے کے انواع و اقسام کی فہرست سنتا ہے، اس کی بھوک نہیں مٹ سکتی، اور اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا، اسی طرح سے طاعات و اعمال کی تشریح و تفصیل کا سنتے رہنا اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آئے گا، اسی طرح سے ہر دھوکہ جو تمہاری حالت میں ایسا تغیر نہ پیدا کرے جس سے تمہارے اعمال میں تغیر ہو جائے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف اتنا مت اور رجوع (قوی ہو یا ضعیف) پیدا ہو، اور دنیا سے بے رغبتی اور اعراض پیدا ہو، وہ دھوکہ تمہارے لئے وبال اور تمہارے خلاف ایک دلیل کا کام دے گا، اگر تم خالی فونی و عطا کو وسیلہ نجات اور ذریعہ مغفرت سمجھتے ہو، دھوکہ میں

ایک اصلاحی و تربیتی کتاب

لیکن احیاء العلوم زری تنقیدی کتاب نہیں ہے، وہ اصلاح و تربیت کی ایک جامع اور مفصل کتاب ہے اس کے مصنف نے ایک ایسی کتاب تالیف کرنے کی کوشش کی ہے جو ایک طالب حق کے لئے اپنی اصلاح و تربیت اور دوسروں کی تعلیم و تبلیغ کے لئے تنہا کافی ہو سکے اور بڑی حد تک ایک وسیع اسلامی کتب خانہ کی قائم مقامی کر سکے اور دینی زندگی کا دستور العمل بن سکے، اس لئے یہ کتاب عقائد و فقہ، تزکیہ نفس و تہذیبِ خلاق اور حصول کیفیتِ احسانی (جس کے مجموعہ کا نام تصوف ہے) تینوں شعبوں کی جامع ہے اس کتاب کی ایک نمایاں صفت اس کی تاثیر ہے، مولانا شبلی کے اس تاثر میں ہزاروں پڑھنے والے شریک ہوں گے کہ احیاء العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ شتر کی طرح دل میں چھب جاتا ہے، ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے، ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی، خود امام صاحب تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے، مصنف کے ان حالات و کیفیات کا جو اس سفر اور کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں ان پر طاری تھیں، اور جن سے یہ کتاب متاثر ہوئی ہے، پڑھنے والوں پر بعض اوقات یہ اثر پڑتا ہے کہ دل دنیا سے بالکل اچاٹ ہو جاتا ہے، زہد و تقشف کا ایک شدید اور بعض اوقات غیر معتدل رجحان پیدا ہوتا ہے، خون و ہیبت کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جو کبھی کبھی صحت و مشاغل پر اثر انداز ہوتی ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے کہ خود مصنف پر اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں ہیبت کا غلبہ تھا، اس لئے بہت سے مشائخ بتدیوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا مشورہ نہیں دیتے، اعتدال کامل اور توازن صحیح تو صرف سیرت نبوی اور احادیث لے امام غزالی چونکہ شافعی ہیں اور فقہ شافعی کا اس زمانہ میں زور بھی تھا، اس لئے اس کتاب میں انہوں نے فقہ شافعی ہی کو

اختیار کیا ہے۔ لے الغزالی ص ۳۳

کے مجموعہ کے مطالعہ اور کسی نمونہ کمال کی صحبت و تربیت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

احیاء العلوم اور فلسفہ اخلاق

امام غزالی صرف ایک بلند پایہ فقیہ، ایک صاحب جہاد حکم اور ایک صاحب دل صوفی نہیں ہیں، اخلاقیات اسلامی اور فلسفہ اخلاق کے ایک نامور مصنف اور ایک دقیق النظر اور کٹر رس ماہر اخلاق و نفسیات بھی ہیں، اخلاق اسلامی اور فلسفہ اخلاق کی کوئی تاریخ ان کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، اس موضوع پر بھی ان کا ایک کارنامہ ہے، امراض قلب اور کیفیات نفسانی پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ان کی وقت نظر اور سلامت فکر کا نمونہ ہے، یہاں اس کا بھی ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حب جاہ

احیاء العلوم میں "بیان سبب کون الجاہ محبوباً بالطبع حتی لا یخلو عنہ قلب لآبتدین" (جاہ انسان کو کیوں طبعی طور پر محبوب ہے، یہاں تک کہ شدید مجاہدہ کے کسی قلب کا بھی اس سے خالی ہونا مشکل ہے) کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جس بنا پر سونا چاندی اور مال کی بقیہ اقسام محبوب ہیں، بعینہ اسی بنا پر جاہ بھی محبوب ہوتا ہے، بلکہ جس طرح سونا چاندی سے زیادہ محبوب ہے، خواہ وہ مقدار میں برابر ہی کیوں نہ ہوں، اسی طرح جاہ کو مال پر فوقیت حاصل ہونا چاہئے، یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ درہم و دینار کی ذات میں کوئی کشش اور معنویت نہیں، اس لئے نہ وہ کھانے کے کام کے ہیں، نہ پینے کے، نہ شادی بیاہ کے، نہ پوشاک و لباس کے اپنی

لے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد یوسف استاد جامعہ القاہرہ کی تصنیفات "تاریخ الاخلاق" اور "فلسفۃ الاخلاق"

وصلاتها بالفلسفة الاخریة

ذات کے لحاظ سے تو وہ اور یکساں برابر ہی ہیں، لیکن ان دونوں میں کشش اور محبوبیت محض اس بنا پر ہے کہ وہ محبوبیات کا ذریعہ اور خواہشات کی تکمیل کا سامان ہیں، یہی معاملہ جاہ کا ہے، اس لئے کہ جاہ دلوں کی تسخیر کا نام ہے، اور جس طرح سے سونے چاندی کی ملکیت ایسی قدرت عطا کرتی ہے جس سے انسان اپنے تمام اغراض و مقاصد تک پہنچ سکتا ہے، اسی طرح سے بندگانِ خدا کے قلوب کی تسخیر تمام اغراض و مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے، اسی بنا پر سونا چاندی اور جاہ انسان کو محبوب ہے۔

لیکن محبوبیت میں شریک ہونے کے ساتھ جاہ کو مال پرکھی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے، اور اس کی محبوبیت مال کی محبوبیت سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، اس کے تین نمایاں اسباب ہیں، پہلا سبب تو یہ ہے کہ جاہ کے ذریعہ سے مال تک پہنچنا، مال کے ذریعہ سے جاہ تک پہنچنے کے مقابلہ میں آسان ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک عالم بازا جس کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے، اگر مال حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں اس لئے کہ لوگوں کے مال و دولت ان لوگوں کے دلوں کے تابع ہوتے ہیں، اب اگر ان کے دل کسی کے تابع ہو جائیں تو ان کے مال بھی اسی کے تابع ہو جائیں گے، اور وہ اپنی دولت بھی اسی کے قدموں پر نثار کر دیں گے، اس کے برخلاف ایک کم مرتبہ اور ذلیل آدمی جس میں کمال کی کوئی صفت نہیں ہے، اگر اس کو کوئی خزانہ بھی مل جائے اور اس کو وہ جاہ حاصل نہیں ہے، جس سے وہ اپنے مال کی حفاظت کر سکے، اگر اس مال کے ذریعہ جاہ تک پہنچنا چاہے گا تو نہیں پہنچ سکے گا، اس لئے کہ جاہ مال کا آرا اور وسیلہ ہے، جو جاہ کا مالک ہے، وہ باسانی مال کا بھی مالک بن سکتا ہے، لیکن جو مال کا مالک ہے، وہ ہر حالت میں جاہ کا مالک نہیں بن سکتا، اس لئے جاہ مال سے زیادہ محبوب ہوا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ مال کے لئے ہر وقت خطرہ ہے کہ وہ کسی آزمائش میں آجائے، چوری یا غصب کے ذریعہ تلف ہو جائے، یا بادشاہ اور ظالم بھی اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں، یوں بھی اس کو محافظوں، پہرہ داروں اور محفوظانہ قوتوں کی ضرورت ہے، پھر بھی اس کے لئے ہزار خطرے ہیں، لیکن دل جب کسی کا غلام بن جائے،

توان کے لئے کوئی آفت نہیں وہ دراصل محفوظ خزانے ہیں جو چوروں غارت گروں اور غاصبین کی دست رس سے باہر ہیں ملکیتوں میں سب سے محفوظ ملکیت زمین اور جائداد ہے، لیکن اس میں بھی غاصبانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کا خطرہ ہے اور پرہ اور حفاظت کی اس کو بھی ضرورت ہے، لیکن دلوں کے خزانے خود ہی محفوظ و مامون ہیں اور جاہ کو کسی غصب و سرقت کا خطرہ نہیں ہاں دلوں پر بھی تھوڑا بہت تصرف کیا جاسکتا ہے اور جس سے عقیدت مندی ہے اس کی طرف سے اعتقاد پھیرا جاسکتا ہے اور بدگمانی پیدا کی جاسکتی ہے، لیکن اس کا ازالہ مشکل نہیں اور ایسا عمل ہر ایک کے لئے آسان نہیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ قلوب کی ملکیت میں ازبیا و نمو اور اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے لئے کسی محنت و جفاکشی کی ضرورت نہیں اس لئے کہ قلوب جب کسی شخص کے علم یا عمل کی وجہ سے اس کے حلقہ بگوش اور معتقد ہو جاتے ہیں تو زبانیں اس کے کلمات کا کلمہ پڑھنے لگتی ہیں لوگوں و سروں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور نئے نئے دل اس کے مفتوح ہوتے جاتے ہیں اسی بنا پر انسان طبعی طور پر شہرت اور ناموری کا دلدادہ ہے اس لئے کہ جب اس کا چرچا دوسرے شہروں اور ملکوں میں ہوتا ہے نئے نئے دل شکار ہوتے ہیں اور اس کے حلقہ بگوش بنتے ہیں اسی طرح اس کی محبت و عظمت ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی اور بڑھتی رہتی ہے اور کہیں جا کر رکتی نہیں برخلاف مال کے جو جتنی مقدار کا مالک ہے اس کا مالک ہے اس میں بغیر محنت اور جانفشانی کے اضافہ نہیں ہو سکتا، لیکن جاہ خود بخود نمود پذیر ہے اور اس کی کوئی حد نہیں مال میں ٹھہراؤ اور وقوف ہے جاہ پھلتا پھولتا رہتا ہے اسی لئے جب جاہ میں ترقی ہو جاتی ہے اور شہرت عام حاصل ہو جاتی ہے اور لوگ کسی شخص کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں تو مال دولت اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتا ہے یہ تو مال کی جاہ پر ترجیح کے نمایاں اسباب ہیں اگر تفصیل کی جائے تو اور بہت سے وجوہ نکلیں گے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ اس تقریر کا نتیجہ تو یہ ہے کہ انسان کو مال و جاہ سے اسی قدر محبت ہونی

چاہئے کہ ان کے ذریعہ لذتیں حاصل کر کے اکلقتیں دور کر دے، اس لئے کہ سال و جاہ محبوباً کا ذریعہ ہیں اور محبوبات کے حصول کا ذریعہ بھی محبوب ہوتا ہے، لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ بات یہیں جا کر نہیں رکتی اور انسان اموال کے جمع کرنے، خزانہ پر خزانہ اور ذخیرہ پر ذخیرہ کرنے میں مصروف رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ ضروریات کی سرحد کو بھی پار کر جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا وہ حال ہو جاتا ہے (جو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے) کہ اگر بندے کے پاس سونے کی دو گھاٹیاں ہوں تو وہ تیسری کا خواہشمند ہوگا اسی طرح سے انسان جاہ میں وسعت و ترقی کی فکر میں رہتا ہے، اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی شہرت ان دور دراز ملکوں تک بھی پہنچ جائے، جن کے تعلق وہ قطعی طور پر جانتا ہے کہ وہ ان ملکوں میں کبھی قدم بھی نہیں رکھے گا، اور کبھی وہاں کے رہنے والوں سے ملاقات کی بھی امید نہیں کہ ان کی تعظیم سے اس کو خوشی حاصل ہوگی یا وہ اپنی دولت اس پر خرچ کریں گے، یا اس کی غرض برآری کریں گے، یہ سب جانتے ہوئے بھی اس کو اس بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے، اور دل میں اس کا مزہ لیتا رہتا ہے کہ اس کا ان ملکوں میں چرچا ہو، اور اس کو وہاں جاہ حاصل ہو، بظاہر یہ ایک حماقت کی بات معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ ایک ایسی چیز کی خواہش ہے جس کا دنیا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب ہے کہ واقعی جاہ کی ایسی محبت دلوں کی ایک عمومی کیفیت ہے، جس کا ازالہ ممکن نہیں، اس کے دو سبب ہیں، ایک، علیٰ جس کا ادراک سب کر سکتے ہیں، ایک، خفی جو بڑا سبب ہے، لیکن اتنا نازک ہے کہ خفی تو خفی ذکی بھی اس کو مشکل محسوس کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اس کا تعلق نفس و طبیعت کی ایک ایسی خاصیت ہے جس کا علم باریک بین اور ان اشخاص کو ہے جو طبائع انسانی کی گہرائیوں میں غوطہ کھا سکتے ہیں، پہلا سبب تو یہ ہے کہ انسان فطرۃً محبوب کے بارہ میں بدگمان واقع ہوا ہے، اور خطرات کو دور کرنا چاہتا ہے

ع عشق است و ہزار بدگمانی

انسان کی بسر اوقات کے لئے خواہ ضروری سامان موجود ہو، لیکن اس کی آرزوئیں بہت

طویل ہوتی ہیں، اس کے دل میں بار بار خطرہ گذرتا ہے، کہ جو مال فی الحال اس کی ضروریات کے لئے کافی ہے شاید تلف ہو جائے اور اس کو دوسرے مال کی ضرورت ہو، جب اس کے دل میں اس کا خیال آتا ہے تو اس کے دل میں فکر و غم کا بوش اٹھتا ہے، غلش اس کی بھی دور ہو سکتی ہے، جب اس کو دوسرے مال کے مل جانے سے اطمینان حاصل ہو جائے کہ اگر یہ پہلا مال ضائع ہو گیا، یا اس پر کوئی آفت آئی تو یہ دوسرا مال موجود ہے، اپنی ذات سے کچھ پی اور زندگی کی محبت کی بنا پر اپنی زندگی کا بہت طویل اندازہ لگاتا ہے، اور نئی نئی ضرورتوں کے پیش آنے کا حق رکھتا ہے، اور نئے نئے خطروں اور نئی نئی آفتوں کو فرم کر تارہتا ہے، اور ان کے تصور سے لرزہ بر اندام رہتا ہے، اس لئے ان خطروں کو ذرا مل کرنے کے وسائل سوچتا رہتا ہے، اور اس کا سب سے بڑا وسیلہ اس کی نظر میں یہ ہے کہ مال اتنا کثیر ہو کہ اگر اس کے کسی حصہ پر کوئی زد پڑے تو دوسرے حصہ سے وہ اپنا کام نکال سکے، یہ خوف اور فکر مندی اس کو مال کی کسی مخصوص مقدار پر قانع نہیں ہونے دیتی، اور وہ کسی حد پر بھی جا کر نہیں ٹھہرتا، یہاں تک کہ ساری دنیا کو اپنی ملک بنا لینے کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "دو دریں ایسے ہیں، جو کبھی سیر نہیں ہوتے، علم کا دریں، اور مال کا دریں، بینہ یہی علت دور دراز کے شہروں اور میگانہ لوگوں کے دلوں میں اعتقاد اور جاہ پیدا ہونے کی خواہش میں ہوتی ہے، حسب جاہ کا مرعہ بھی ان خیالی خطرات کو سوچتا رہتا ہے، جو پیش آسکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ اس کو اپنے وطن کو خیر باد کہنا پڑے، ممکن ہے کہ دوسرے ملکوں کے لوگ اس کے شہر میں آجائیں اور اس کو ان سے کام پڑ جائے، اور جب تک یہ سب کچھ ممکن ہے اور یہ کوئی ناممکن الوقوع بات نہیں ہے کہ اس کو ان کی ضرورت پڑے، نفس کو اس بات کی فرحت و لذت ہوتی ہے کہ اس کا اعتقاد اور عظمت ان بعید الوطن لوگوں کے دل میں قائم ہے جن سے کبھی کام پڑ سکتا ہے۔

دوسرا سبب جو زیادہ طاقت ور ہے، وہ یہ کہ روح ایک مربانی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے
 "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" حکم ربانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ علوم
 کاشفہ کے اسرار میں سے ہے، اور اس کے اظہار کی اجازت نہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا
 حقیقت کا اظہار نہیں فرمایا، لیکن اس کی حقیقت کا علم حاصل کئے بغیر بھی تم کو اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ
 قلب میں ایک تو ایسی صفات (کھلنے پینے اور جماع) کا میلان پایا جاتا ہے، ایک میلان درندوں کی صفات
 قتل و ضرب و ایذا کا، اور ایک شیطانی صفات کمر و فریب کا اور اسی کے ساتھ ایک میلان صفات ربوبیت
 کبر و عظمت، عزت و تبحر اور سر بلندی کا بھی پایا جاتا ہے، اس لئے کہ قلب انسانی مختلف اصول و عناصر
 سے مرکب ہے، جن کی شرح و تفصیل میں بڑی طوالت ہے، قلب میں امر ربانی کا جو حصہ ہے، اس کی بنا پر انسان
 کے اندر طبعی طور پر ربوبیت کی خواہش پائی جاتی ہے، ربوبیت کیا ہے؟ کمال میں یکتائی اور مستقل وجود جو
 کسی کا شرمندہ احسان نہ ہو، اس لئے کمال صفات الوہیت میں سے ہے، اور وہ انسان کو بالطبع محبوب ہے
 اور کمال یہی ہے کہ وجود میں یکتا ہو، اس لئے کہ وجود میں کسی اور کی شرکت یقیناً ایک نقص ہے، آفتاب کا
 کمال یہ ہے کہ وہی ایک آفتاب ہے، اگر کوئی دوسرا آفتاب ہوتا، تو یہ اس آفتاب کے چہرہ کمال کے لئے داغ
 ہوتا، اس لئے کہ وہ اپنی شان آفتابی میں یکتا نہ ہوتا اور وجود کی یکتائی اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کو حاصل
 ہے، اس لئے اس کے سامنے کوئی موجود (حقیقی) نہیں، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ اس کی قدرت کا
 ایک کرشمہ ہے، جو اپنے بل بوتے پر نہیں رہ سکتا، وہ اسی کے سہارے قائم ہے، تو درحقیقت اس کے
 سامنے کوئی موجود ہی نہیں، اس لئے کہ معیت کے لئے رتبہ کی مساوات ضروری ہے، اور رتبہ کی مساوات
 کمال کے لئے نقص ہے، کمال وہی ہے، جس کا کوئی ہم مرتبہ نہ ہو، اور جس طرح سے آفتاب کے نور کی تابش
 آفاق عالم میں آفتاب کا نقص نہیں بلکہ اس کا کمال ہے، آفتاب کے لئے نقص تو دوسرے ہم مرتبہ آفتاب کا
 وجود ہے، جبکہ اس کی ضرورت بھی نہیں، اسی طرح سے عالم میں ہر چیز کا وجود انوارِ قدرت کی تابش کا فیضان

ہے، یہ سب تابع ہیں، تنوع نہیں، پس ربوبیت کی شان وجود کی کیتائی ہے، اور یہی کمال ہے انسان بھی بالطبع اس بات کا خواہشمند ہے کہ وہ کمال میں کینا ہو، بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ہر انسان کے باطن میں وہی بات مضمر ہے جس کو فرعون نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "أَنَا رَبُّكُمْ الْأَخْلَى" لیکن اس کو اس کا موقع نہیں ملتا، عبودیت نفس اسی لئے نفس پر شاق اور ربوبیت اسی لئے طبعاً سہل اور مرغوب ہے، یہ اسی نسبت ربانی کی وجہ سے ہے جس کی طرف "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" میں اشارہ ہے۔

لیکن جب انتہائے کمال تک پہنچنے سے عاجز رہا تو اس کے کمال کی خواہش بالکل زائل نہیں ہوئی، اب بھی وہ کمال کا خواہشمند اور تمہنی ہے، اور اس کو کمال سے بالذات لذت حاصل ہوتی ہے، کمال کے علاوہ کسی اور مقصود کی خاطر نہیں (جس کا کمال ذریعہ ہے) بلکہ نفس کمال کی خاطر دنیا میں جو بھی موجود ہے، اس کو اپنی ذات سے محبت اور اپنی ذات کے کمال سے محبت، اور ہر ایک کو ہلاکت اور فنا نامرغوب ہے، اس لئے کہ اس میں اپنی ذات اور اپنی صفات کمال کا فنا سمجھتا ہے، کمال تو یہی ہے کہ وجود میں کیتائی حاصل ہو اور تمام موجودات پر غلبہ اور حکمرانی، اس لئے کہ کمال ترین کمال یہ ہے کہ دوسرے کا وجود تمہارا ہی رہن منت ہو، اگر وہ تمہارا رہن منت نہیں ہے تو کم از کم اتنا ہو کہ تم اس پر غالب ہو، اس بنا پر سب پر غلبہ حاصل کرنا انسان کو طبعی طور پر محبوب ہے، اس لئے کہ یہ کمال کی ایک قسم ہے، ہر موجود جو اپنی ذات کا نشا سا ہے، وہ اپنی ذات کا عاشق ہے، اور اپنی ذات کے کمال کا بھی عاشق ہے، اور اس سے اس کو لذت حاصل ہوتی ہے، اگر کسی چیز پر غلبہ کے معنی یہ ہیں کہ تم اس پر اثر ڈال سکو اپنے ارادہ کے مطابق اس میں تغیر کر سکو اور اپنی مرضی کے مطابق اس میں تصرف کرو، انسان نے چاہا تو یہ تھا کہ اس کو تمام موجودات پر غلبہ حاصل ہو جائے، لیکن موجودات میں کچھ موجود ایسے ہیں جو

لہ مولانا روم نے اس مضمون کو بیان کیا ہے:-

نفس مارا کتر از فرعون نیست یک اوراعون ماراعون نیست

کسی تغیر کو قبول نہیں کرتے، جیسے اللہ کی ذات و صفات، اور بعض موجود ایسے ہیں جو تغیر کو قبول کرتے ہیں، لیکن ان پر مخلوق کی کوئی دست رس نہیں، اور اس پر ان کا کوئی زور نہیں چلتا، جیسے افلاک کو اکب، ملکوت، سماوات، نفوس، ملائکہ، جن و شیاطین اور جیسے پہاڑ و سمندر اور ان کے بیچ کی چیزیں، تیسری قسم وہ ہے جس میں انسان اپنی قدرت سے تغیر کر سکتا ہے، جیسے زمین اور اس کے اجزاء، معدنیات، نباتات، حیوانات اور انہی میں سے انسانوں کے دل بھی ہیں، جو بدن ہی کی طرح تاثر اور تغیر قبول کرتے ہیں جب موجودات کی ایک قسم وہ ہوتی ہیں پر انسان تصرف کی قدرت رکھتا ہے، جیسے ارضیات، اور ایک وہ جن پر قدرت نہیں رکھتا، جیسے ذات الہی، ملائکہ، افلاک، تو انسان کے اندر اس کی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کم سے کم آسمانوں کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے، ان کی حقیقت کو سمجھے، اور ان کے اسرار کو فاش کرے، اس لئے کہ یہ بھی ایک طرح کا غلبہ ہے، اس لئے جس کا پورا پورا علم حاصل ہو جاتا ہے، وہ علم کے ماتحت ہو جاتا ہے، اور عالم ایک طرح سے غالب کی شان رکھتا ہے، (گویا اس علم سے اس کے جذبہ حکومت و استعلاء کی کسی درجہ میں تسکین ہوتی ہے) اسی بنا پر اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، ملائکہ، افلاک، کو اکب، عجائب، سموات، سیاروں اور سمندروں کے عجائبات وغیرہ کے علم کا شوق ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا تغلب ہی اور تغلب کمال کی ایک قسم ہے، اسی بنا پر تم دیکھتے ہو گے کہ جو شخص کوئی عجیب چیز بنا نہیں سکتا، وہ کم سے کم اس بنانے کا طریقہ جانتے کا خواہشمند ہوتا ہے، (گویا اس طرح سے وہ صنعت کی خواہش کی تسکین کرتا ہے) جو شرطی وضع کرنے سے عاجز ہے، وہ کم سے کم شرطی کھینے کا طریقہ سیکھ لینا چاہتا ہے، اور یہ جاننا چاہتا ہے کہ شرطی کیسے بنائی گئی ہے، جو شخص کسی ہنر یا شعبہ یا جراثیم کے لئے کو دیکھتا ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایسا آدہ بنانے سے قاصر ہے، تو وہ اس کے بنانے کی کیفیت جاننا چاہتا ہے، اس کو اپنے اس عجز سے تکلیف اور علم کے کمال سے لذت حاصل ہوتی ہے، گویا وہ اس کی کمی اس سے پوری کرنا چاہتا ہے۔

دوسری قسم جس پر انسان قدرت حاصل کر سکتا ہے، جیسے ارضیات وغیرہ تو وہ طبعی طور پر ان پر غلبہ اور اتنی قدرت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ ان میں اپنی نشانہ کے مطابق تصرف کر سکے، ان کا بھی دو قسمیں ہیں، اجسام اور ارواح، اجسام تو روپیہ پیسہ سامان ہے، لہذا کے بارہ میں تو انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کو ان میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہو، وہ ان کو اٹھا بٹھا سکے، جس کو چاہے لے، جس کو چاہے نہ لے، اس لئے کہ یہ قدرت ہے، اور قدرت کمال ہے، اور کمال صفات ربوبیت میں ہے، اور ربوبیت بالطبع محبوب، اسی لئے اس کو اموال کی محبت ہے، چاہے اس کو اپنے پہننے کھانے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے کبھی بھی اس کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح سے غلام رکھنا، اور آزار و شریف لوگوں کو اپنا غلام بنانا خواہ زبردستی اور غلبے ہو، یہاں تک کہ ان اجسام اور ان کی ذات میں تصرف کر سکے، یعنی بیگار لے سکے، چاہے ان کے دل غلام نہ بنیں، اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان غلاموں کے دل میں اس کا اعتقاد نہیں ہوتا، اور ان کو جسے محبت نہیں ہوتی، لیکن کبھی بعض غلبے کی محبت کا قائم مقام بن جاتا ہے، انسان کو ایسا وہ اب بھی لذت اور عزیز ہے، جو زبردستی کی بنا پر ہو، اس لئے کہ اس میں قدر کا اظہار ہوتا ہے، اور انسان اس کو لڑاؤ کا دوسری قسم آدمیوں کے نفوس اور قلوب میں، اور یہ روئے زمین کی سب سے زیادہ بیش قیمت اور نفیس چیز ہے، اور انسان چاہتا ہے کہ اس کو ان قلوب پر غلبہ و قدرت حاصل ہو جائے، تاکہ وہ اس کے لئے مسخر ہو جائیں، اور اس کے ایک اشارہ پر کما کریں، اس لئے کہ اس میں غلبہ کا کمال پایا جاتا ہے، اور صفات ربوبیت کے شاہدیت کے قلوب صرف محبت مسخر ہوتے ہیں، اور محبت کمال کے اعتقاد سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر کمال محبوب ہے، اور کمال اس لئے محبوب ہے کہ وہ صفات اللہ میں سے ہے، اور صفات اللہ سب انسان کو بالطبع محبوب ہیں، اس لئے کہ انسان میں ایک نسبت ربانی پائی جاتی ہے، اور یہ نسبت غیر فانی ہے، نہ موت اس کو ختم کر سکتی ہے، اور نہ مٹی اس پر قابو پاسکتی ہے، یہی نسبت ربانی ایمان و معرفت کا محل ہے، وہی بعائے الہی تک پہنچنے والی ہے، اور وہی اس کے لئے کوشش کرنے والی ہے، جاہ کے معنی قلوب کا مسخر ہونا ہے، اور جس کے لئے قلوب مسخر

ہو گئے اس کو ان پر قدرت و استیلا حاصل ہو گیا، اور قدرت و استیلا کمال ہے اور کمال اوصافِ ربوبیت میں سے ہے پس قلب کو جو چیز بالطبع محبوب ہے، وہ کمال ہے، خواہ علم سے حاصل ہو، خواہ قدرت سے، مال و جاہ بھی اسبابِ قدرت ہیں، اس لئے کہ وہ محبوب کا وسیلہ ہیں اور محبوب کا وسیلہ بھی محبوب ہوتا ہے، پھر نہ معلوم کی کوئی انتہا ہے نہ مقدرات کی کوئی انتہا ہے اور جب تک کہ ایک چیز بھی دنیا میں باقی ہے، جو معلوم کی جاسکتی ہے، اور ایک چیز بھی دنیا میں موجود ہے، جس پر قدرت حاصل کی جاسکتی ہے، تو نہ شوق کو سکون اور نہ نقص کو زوال، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزیں کبھی آسودہ نہیں ہو سکتی یہ

محاسبہ و نفس

کتاب کا موثر ترین حصہ وہ ہے، جہاں امام غزالی نصیحت اور ترغیب و ترہیب پر قلم اٹھاتے ہیں، اور دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی عظمت، ایمان و عمل صالح کی ضرورت، اصلاح و تہذیبِ نفس کی اہمیت اور امراضِ قلبی و نفسانی کی مضرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں، اس موقع پر وہ بیک وقت ایک شہدہ بیان و اعطاء ایک نکتہ شناس حکیم اور ایک تجربہ کار و ماہر نفسیات معالج کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، جو اپنے مخاطبین کے حالات اور کمزوریوں اور ضرورتوں سے خوب واقف ہے، وہ ان کی طرف سے ان گہتر و کالت کرتا ہے، اور بڑی قابلیت اور انصاف کے ساتھ ان کے عذر اور دلائل پیش کرتا ہے، پھر ایک ماہر مفسر و عالم نفسیاتی کی طرح ان میں سے ایک ایک کا جواب دیتا ہے، پھر ایک شفیق معالج اور ایک خیر خواہ مری کی طرح ان کا علاج تجویز کرتا ہے، اس لئے ان کے مواضع صرف و اعطاء نہ تاثیر ہی کا نمونہ نہیں، حکمت و بلاغت کا بھی نمونہ ہیں، ہر دور میں ہزاروں آدمیوں نے ان کے مواضع و مکالمات سے فائدہ اٹھایا ہے، اور کثیر التعداد آدمیوں کی اصلاح و انقلاب کا ذریعہ بنے ہیں، کتاب کے آخری پونچھ حصے (ربع رابع) میں اس کا بڑا ذخیرہ ہے، یہاں اس کا ایک اقتباس

پیش کیا جاتا ہے، جہاں انہوں نے نفس کو زبردستی کی ہے اور پڑھنے والوں کو تعلیم دی ہے کہ ان کو اپنے نفس سے کس طرح مکالمہ کرنا چاہئے اور منزلِ آخرت کے لئے کس طرح اس کو تیار کرنا چاہئے۔ المرابطة الساجدة فی توبیح النفس ومعابقتها“ عنوان کے تحت نفس سے مکالمہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:-

• اے نفس ذرا انصاف کر اگر ایک یہودی تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں لذیذ ترین کھانا تیرے لئے مضر ہے تو تو صبر کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی خاطر تکلیف اٹھاتا ہے، کیا انبیاء کا قول جن کو سحرات کی تائید حاصل ہوتی ہے اور فرمان الہی اور صحفِ سماوی کا مضمون تیرے لئے اس سے بھی کم اثر رکھتا ہے؟ جتنا کہ اس یہودی کا ایک قیاس و اندازہ، عقل کی کمی اور علم کی کمی اور کوتاہی کے ساتھ تعجب ہے، اگر ایک بچہ کتا ہے کہ تیرے کپڑوں میں بچھو ہے تو بغیر دلیل طلب کیے اور سوچے سمجھے اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے، کیا انبیاء علماء اور یار اور حکما کی تفقہ بات تیرے نزدیک اس بچہ کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ یا جہنم کی آگ اس کی بیڑیاں، اس کے گز اس کا عذاب، اس کا زقوم اور اس کے آنکڑے، اس کے سانپ، بچھو اور زہریلی چیزیں تیرے لئے ایک بچھو سے بھی کم تکلیف دہ ہیں جس کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے، عقل مندوں کا شیوہ نہیں، اگر کہیں بہائم کو تیری حالت کا علم ہو جائے تو وہ تجھ پر ہنسیں اور تیری دانائی کا مذاق اڑائیں، پس اگر اے نفس! تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں اور ان پر تیرا ایمان ہے تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں تساہل اور مالِ مٹول سے کام لیتا ہے، حالانکہ موت کین گاہ میں منتظر ہے کہ وہ بغیر بہلت کے تجھے اچکے جائے اور فرض کر کہ تجھے سو برس کی بہلت بھی ملی گئی ہے تو کیا تیرا خیال ہے کہ جس کو ایک گھاٹی طے کرنی ہے اور وہ اس گھاٹی کے نشیب میں اطمینان سے اپنے جانور کو کھلا رہا ہے وہ بھی بھی اس گھاٹی کو طے کر سکے گا، اگر تو یہ گمان رکھتا ہے تو تو کس قدر نادان ہے، ایسے شخص کے بارہ میں تیری کیا رائے ہے جو علم حاصل کرنے کی غرض سے پردیس کا سفر کرتا ہے اور وہاں کئی سال بیماری اور تسطل میں گزار دیتا ہے، اس خیال سے کہ وطن کی واپسی کے سال سب علم حاصل کرے گا، تو اس کی عقل پر ہنستا ہے اور اس کے

اس وہم کا مذاق اڑاتا ہے کہ علم و تفقہ اتنی قلیل مدت میں حاصل ہو جائے گا، یا قضا کا منصب لغیر علم و تفقہ کے توکل کی برکت سے ہاتھ آجائے گا، پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آخر عمر کی کوشش مفید ہوتی ہے اور بلند درجات تک لے جاتی ہے، تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی آج کا دن تیری عمر کا آخری دن ہو تو اس دن تو اس کام میں کیوں مشغول نہیں ہوتا، اگر اشر تعالیٰ نے تجھے تباہی دیا ہے کہ تجھے بہلت دے دی گئی ہے، تو پھر بھی عجلت کرنے سے کیا چیز مانع ہے، اور آج کل آج کل کرنے کی کیا وجہ ہے، یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ تجھے اپنی خواہشات نفس کی مخالفت مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں محنت و مشقت ہے، کیا تو اس دن کا منظر ہے، جب خواہشات کی مخالفت تیرے لئے آسان ہو جائے گی، ایسا دن تو اشر تعالیٰ نے مطلق پیدا ہی نہیں کیا، اور نہ پیدا کرے گا، جنت ہمیشہ ناگوار یوں اور مکارہ سے گھری ہے، اور مکارہ کبھی نفس کے لئے آسان نہیں ہو سکتے، ایسا ہونا محال ہے، کتنا ایسا ہوتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ کل سے یہ کام کریں گے، تجھے معلوم نہیں کہ جو کل آچکی ہے، وہ گذشتہ دن کے حکم میں ہے، جو کام تو آج انجام نہیں دے سکا، کل اس کا انجام دینا تیرے لئے اور بھی مشکل ہے، اس لئے کہ شہوت کی مثال ایک تناور درخت کی سی ہے جس کو آدمی اکھاڑتا اپنا فرض سمجھتا ہے، اگر کوئی اس کے اکھاڑنے سے عاجز ہو گیا، اور اس نے اس کو کل پر رکھا تو اس کی مثال اس نوجوان کی سی ہے، جس سے ایک رخت اکھاڑا نہیں گیا، اور اس نے اس کام کو دوسرے سال کے لئے ملتوی کر دیا، وہ جانتا ہے کہ جتنا زمانہ گزے گا، درخت تنگم اور اس کی جڑیں مضبوط اور وسیع ہو جائیں گی، اور اکھاڑنے والے کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوگا، ظاہر ہے کہ جس کو شباب میں نہیں اکھاڑ سکا، اس کو بڑھاپے میں کیا اکھاڑے گا، بڑھاپے کی ورزش اور محنت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے، بھڑیے کی تربیت و اصلاح ایک عذاب، سرسبز شاخ لچک بھتی ہے، اور جھکائی جاسکتی ہے، جب کھ جائے گی، اور ایک زمانہ گزر جائے گا تو اس کا موڑنا ناممکن ہو جائے گا، پس اگر اے نفس! تو ان حقائق پر ایمان نہیں رکھتا، اور سہل انگاری سے کام لیتا ہے، تو تجھے کیا ہو گیا ہے کہ حکمت و دانش کا دعویٰ دار ہے، اس سے بڑھ۔ اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے، غائباً تو یہ کہے کہ استقامت سے

روکنے والی چیز شہوت پرستی اور آلام و مصائب پر بے صبری ہے اگر یہی بات ہے تو تیری عبادت کتنی بڑھی ہوئی ہے اور تیرا عذر کتنا ننگ ہے اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو ایسی لذت کیوں نہیں تلاش کرتا جو تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک ہو اور ابد الابد تک کے لئے ہو اور یہ نعمت جنت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے اگر تو خواہشات کا حل لیں ہے اور تجھے لذت ہی عزیز ہے تو ان کی خاطر بھی تجھے نفس کی وقتی خواہشات کی مخالفت کرنی چاہئے، اس لئے کہ بسا اوقات ایک لقمہ کئی لقموں سے محروم کر دیتا ہے تیرا کیا خیال ہے اس مرضی کے بارے میں جس کو طیب نے صرف تین روز کے لئے ٹھنڈے پانی سے پرہیز بتایا ہو تاکہ وہ صحت حاصل کر سکے پھر زندگی بھر ٹھنڈے پانی کا لطف اٹھائے، اس نے اس کو خبردار کر دیا ہو کہ ٹھنڈا پانی اس حالت میں اس کے لئے سخت مضر ہے اگر اس نے بد پرہیزی کی تو زندگی بھر اس ٹھنڈے پانی سے اس کو ہاتھ دھولینا پڑے گا اس وقت سچ بتلا عقل کا تقاضا کیا ہے؟ کیا اس کو تین دن صبر کر لینا چاہئے تاکہ زندگی آرام سے گزرے؟ اپنی خواہش پوری کر لینی چاہئے پھر تین سو دن یا تین ہزار دن برابر اس نعمت سے محروم رہے؟ تین دن کی کبھی پوری عمر کے مقابلہ میں وہ حقیقت نہیں جو تیری پوری عمر کی ابد الابد کی زندگی کے مقابلہ میں ہے (جو اہل جنت اور اہل جہنم کی مدت ہے) کیا تو کہہ سکتا ہے کہ خواہشات نفسانی کے ضبط کرنے کی تکلیف طبقات جہنم میں عذاب نامے زیادہ سخت اور طویل ہے؟ جو شخص ایک معمولی تکلیف بھی نہیں برداشت کر سکتا، وہ عذاب الہی کو کیسے برداشت کر سکتا ہے!

میں دیکھتا ہوں کہ تو دو وجوہ سے اپنے نفس کو ڈھیل دیتا ہے ایک کفرِ غنی اور ایک صریح حماقت کفرِ غنی یہ ہے کہ یوم حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے اور ثواب عقاب سے تو ناواقف ہے اور صریح حماقت اللہ تعالیٰ کی تدبیرِ غنی اور اس کے استدراج کا خیال کئے بغیر اس کے عفو و کرم پر اعتماد ہے اس کے باوجود کہ تو روٹی کے ایک ٹکڑے، غلہ کے ایک انہ اور زبان سے نکلے ہوئے ایک کلمہ کے لئے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لئے تیار

نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کے لئے ہزار جتن کرتا ہے اور اسی جہالت کی وجہ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہے کہ الکیس من دان نضہ و عمل مطا بعد الموت والأحق من اتباع نضہ هو اھا و تمثی علی اللہ الامانی“ (ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کی پیچھے لگا دے اور اللہ پر آرزوئیں باندھتا ہے) افسوس اے نفس! تجھ کو زندگی کے دام ہرگز کمین سے ہوشیار رہنا چاہئے تھا اور شیطان کے فریب نہیں کھانا چاہئے تھا، تجھے اپنے اوپر ترس کھانا چاہئے، تجھے اپنی ہی فکر کا حکم دیا گیا ہے، دیکھ تو اپنے اوقات خالص ذکر و تیرے پاس گئی چنی سانسیں ہیں، اگر تیری ایک سانس بھی رائگاں گئی تو گویا تیرے سرمایہ کالیک حصہ ضائع ہو گیا پس غنیمت سمجھ صحت کو مرض سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے، دولت کو غربت سے پہلے، شباب کو ضعفی سے پہلے، زندگی کو ہلاکت سے پہلے اور آخرت کے لئے تیاری کر، اسی لحاظ سے جتنا تجھے وہاں رہنا ہے، اے نفس! کیا جب موسم سرما سر پر آجاتا ہے تو اس پوری مدت کے لئے تو تیاری نہیں کرتا، خوراک کا ذخیرہ، لباس کی ضروری مقدار اور ایندھن کا لیک ڈھیر جمع نہیں کر لیتا، تو تمام ضروری سامان باٹے کا مہیا کر لیتا ہے، اور اس بھروسہ پر نہیں رہتا کہ ببادہ جزا اول اور ایندھن کے بغیر جاڑا گزارے گا، اور تجھ میں اس کی طاقت ہے، کیا تیرا گمان ہے کہ جہنم کی زہریں جاڑوں کی سخت سردی سے کم ہے، ہرگز نہیں، اور اس کا کوئی امکان نہیں، شدت و برودت میں ان دونوں کے درمیان کوئی تناسب نہیں، کیا تو سمجھتا ہے کہ تو بغیر سی کے اس سے نجات حاصل کرے گا، جیسے کہ سردی بغیر اونی کپڑے، ببادہ آگ اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کے بغیر نہیں جاتی، اسی طرح دوزخ کی گرمی اور سردی تو حید کے قلو اور طاعت کے خندق کے بغیر نہیں جاسکتی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ اس نے تجھے حفاظت کی تدابیر سے آگاہ کر دیا ہے، اور اسباب آسان کر دیئے ہیں، اس کا کرم یہ نہیں کہ وہ سرے سے عذاب ہی کو مال دے، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے، وہ جاڑا پیدا کرتا ہے تو اس کے لئے آگ بھی پیدا کرتا ہے اور تجھے چھان کے طریقہ پر

پتھروں سے اگ نکالنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ تو ان طریقوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے کو ٹھنڈک سے محفوظ رکھے اور جیسے کہ لکڑی خریدنا اور اونی کپڑے حاصل کرنا، خدا کی ضرورت نہیں، انسانوں کی ضرورت ہے، اسی طرح طاعت و عبادت بھی خدا مستغنی ہے، اور یہ تمہارا فریضہ ہے کہ اس کے وسیلہ سے نجات حاصل کرو، "مَنْ أَحْسَنَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَاللَّهُ عَنِّي عَنِ الْعَالَمِينَ" (جس نے اچھائی کی تو اپنے نفس کے لئے اور جس نے برائی کی، اس کا بوجھ بھی اسی پر ہے اور اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے) تیری خرابی ہوئے نفس اجمالت کی قبا چاک کر اور اپنی آخرت کو اپنی دنیا پر قیاس کر "فَمَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَحْكُمُ إِلَّا كُنُفِي وَاحِدَةً" تمہارا پیدا کرنا اور تمہارا برباد کرنا ایک جان کا طبع ہے "لَمَّا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْنِدُكَ" (جیسے ہم نے پیدا کیا تھا پھر اُسے دہراتے ہیں) "لَمَّا بَدَأْنَا خَلْقَ تَعْوَدُونَ" (جیسے اس نے تم کو ابتدا پیدا کیا تھا، ویسے ہی پھر تم واپس ہو جاؤ گے)۔

احیاء کے ناقد

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے احیاء العلوم کی اجمالی تعریف و اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ کلامہ فی الاحیاء غالبہ جیدہ (احیاء میں عموماً ان کا کلام اچھا ہے) اس کے ساتھ وہ چار باتوں میں اس کتاب پر تنقید کرتے ہیں، ان کی پہلی تنقید اس پر ہے کہ اس میں فلاسفہ کے بہت سے اقوال آگئے ہیں اور تو حید ثبوت اور معاد متعلق ان کے بعض خیالات و بیانات شامل ہو گئے ہیں، ان کے نزدیک امام غزالی فلاسفہ کے اثرات سے ضرور کچھ نہ کچھ متاثر ہوئے ہیں، وہ اگرچہ ان کے بڑے ناقد اور مخالف ہیں، مگر ان کی تصنیفات میں ان کے خیالات کی (غیر شعور یا طور پر) کہیں کہیں جھلک جاتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جس فلسفہ و فلاسفہ کے بارہ میں چونکہ بہت تیز ہے، اس لئے کچھ عجیب نہیں کہ ان کے معیار سے امام غزالی کی بعض چیزیں فلسفہ سے متاثر ہوں۔

۱۵ احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۲۵۶، ۲۵۸۔ ۱۶ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔

دوسری تنقید یہ ہے کہ اس میں بعض ایسے کلامی مباحث ہیں، جو ابن تیمیہ کے نزدیک کتاب و سنت کی روح کے پورے طور پر مطابق نہیں ہیں اور ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے، تیسری تنقید یہ ہے کہ اس میں اہل تصوف کے بعض تشددانہ اقوال اور مناظرے ہیں، چوتھی چیز یہ ہے کہ احیاء میں بہت سی ضعیف احادیث و آثار ہیں، بلکہ موضوع روایات تک ہیں، اس کے باوجود شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-

وفيه مع ذلك من كلام المشايخ الصوفية	اس کے باوجود احیاء میں ان مشایخ صوفیہ کا جو صواب
العارفين المتقين في اعمال القلوب	مرکز استقامت تھے اعمال قلوب کے بارہ میں بہت
الموافق للكتاب والسنة ما هو اكثر مما	ایسا کلام ہے جو کتاب و سنت کے موافق ہے اور جس کا
يرد منه فلهذا اختلف فيه اجتهاد	اکثر حصہ قابل قبول ہے اسی بنا پر اس کتاب کے
الناس وتنازعوا فيه	بارہ میں علماء مختلف رائے رکھتے ہیں اور سب اس کے خلاف نہیں۔

علامہ ابن جوزی کی بھی بڑی تنقید ضعیف اور موضوع روایتوں پر ہے، ان کے نزدیک اس کی وجہ امام صحابہ کا حدیث سے عدم اشتغال ہے، حافظ زین الدین العراقي صاحب الفیہ نے احیاء کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے کہ اس کی احادیث کی تخریج کی، ہر راوی اور حدیث کا درجہ اور اس کی حیثیت بیان کر دی ہے۔ ابن جوزی نے امام غزالی کے بعض تاریخی مسامحات اور فرود گذاشتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی طرح ان کو تاریخ سے بھی اشتغال کا موقع نہیں ملا تھا۔

ان کا دوسرا اعتراض اس پر ہے کہ بعض امراض قلب (ریا و حُب جاہ) وغیرہ کے علاج کے سلسلے میں اور نفس کشی اور اصلاح کے لئے انھوں نے صوفیہ کے بعض ایسے واقعات نقل کر دیئے ہیں جو قابل تقلید نہیں ہیں اور فقہی حیثیت سے ان کا جواز بھی ثابت ہونا مشکل ہے، ان نقائص کے باوجود وہ

۱۔ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۱۹۴، اور التاج المکمل لزواب مدینہ حسن خاں ص ۳۸۵

۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۹۴ ۳۔ المنتظم ج ۹ ص ۱۶۹-۱۷۰ ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ص ۱۶۹

اجیار العلوم کی اہمیت و مقبولیت کے قابل ہیں اور انھوں نے خود منہاج القاصدین کے نام سے اس کا اختصار کیا ہے جس میں انھوں نے قابل اعتراض چیزوں کو حذف کر دیا ہے، لیکن اس خلاصہ میں اصل کتاب کی روح اور اس کی تاثیر باقی نہیں رہی ہے۔

امام غزالی اور علم کلام

امام غزالی جس مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے اس کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ متقدمین کے مباحث و تحقیقات کے ناقل محض یا ترجمان و شارح بن کر رہ جائیں اور کہیں ان کی شخصیت نمودار نہ ہونے پائے بد قسمتی سے چوتھی صدی میں علم کلام کا حلقہ بھی (جس کو تمام دوسرے علمی اداروں سے زیادہ اپنے زمانہ کی عقلی اور علمی سطح کے ساتھ چلنے کی ضرورت تھی) جمود و تقلید کا شکار ہو گیا تھا، متکلمین اشاعرہ کو نہ صرف اس پر اصرار تھا کہ ان کے نتائج تحقیقات اور ان کے عقائد تسلیم کئے جائیں بلکہ اس پر بھی اصرار تھا کہ ان عقائد کے ثبوت کے لئے امام ابو الحسن اشعری اور علامہ ابو بکر باقلانی وغیرہ نے جو مقدمات و دلائل قائم کئے ہیں ان کو بھی بعینہ تسلیم کیا جائے اور ان کے علاوہ دوسرے مقدمات و دلائل سے کام نہ لیا جائے امام غزالی نے اپنی تصنیفات میں مجتہدانہ انداز میں اصول و عقائد پر گفتگو کی، اور ان کے ثبوت کے لئے انھوں نے بعض ایسے نئے مقدمات و دلائل قائم کئے جو ان کے نزدیک زیادہ موثر و دلپذیر تھے، صفات باری تعالیٰ..... نبوت، معجزات، تکلیفات شرعیہ، عذاب و ثواب، برزخ، قیامت کے متعلق انھوں نے نئے شکلمانہ انداز سے گفتگو کی، اور ان کے ثبوت کے لئے انھوں نے بہت سے متکلمین کی طرح احتمال آفرینیوں، تشکیکات اور منطقی مقدمات و نتائج کے بجائے زیادہ عام فہم اور اطمینان بخش دلائل فراہم کئے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے پیشرو متکلمین کے استدلال، زبان اور اصطلاحات اور ان کی ترتیب کی پابندی نہیں کی، اور اس طرح اشعری علم کلام کی تجدید کی خدمت انجام دی جس کے لئے متکلمین اشاعرہ کو ان کامنوں اور

ان کی عظیم اہمیت کا معترف ہونا چاہیے تھا، مگر چونکہ انہوں نے یہ کام عام متکلمین کی روش سے بہت کرانجام دیا تھا، اور کہیں کہیں امام ابوالحسن اشعری اور ان کے نامور تلمیذین کی تحقیقات کے اختلاف پایا جاتا تھا، اس لئے اشعری مکتب فکر (جس سے خود امام صاحب منسلک اور منسوب تھے) ان کے اس علم کلام اور ان دلائل و مقدمات پر چسپاں نہیں تھا، اور اس حلقہ کے بہت سے پرچوش علماء اس میں ذیغ و ضلال اور منسلک سلف سے بعد و انحراف محسوس کرتے تھے، احوال العلوم کی تالیف اور اس کی غیر معمولی اشاعت و مقبولیت کے بعد اس مسئلہ پر اشعری علماء میں چہ میگوئیاں بہت بڑھ گئیں اور بہت سے لوگوں کو امام صاحب کے عقائد میں شبہات پیدا ہونے لگے، کسی مخلص نے امام صاحب کو خط لکھا اور اس صورت حال کی اطلاع دینے ہوئے اپنی قلبی تکلیف کا اظہار کیا، امام صاحب نے ان کو مفصل جواب دیا، ایک مستقل رسالہ (فیصل التفرقة بین الامتلاہم والنقد) کے نام سے موجود ہے، اس کے شروع میں وہ تحریر فرماتے ہیں:-

• برادر شفیق! حاسدین کا گروہ جو میری بعض تصنیفات (متعلق باسراء دین) پر نکتہ چینی کر رہا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ یہ تصنیفات قدیمے اسلام اور شائع اہل کلام کے خلاف ہیں، اور یہ کہ اشعری کے عقیدے سے بال برابر بھی ہٹنا کفر ہے، اس پر جو تم کو صدمہ ہوتا ہے، اور تمہارا دل جلتا ہے، میں اس واقعہ ہوں لیکن عزیز من! تم کو صبر کرنا چاہیے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطاعین سے نہ بچ سکے، تو میری کیا ہستی ہے؟ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ اشاعرہ یا معتزلہ یا حنابلہ یا اور دیگر فرقوں کی مخالفت کفر ہے تو سمجھ لو کہ وہ اندھا مقلد ہے، اس کی اصلاح کی کوشش میں اپنے اوقات ضائع نہ کرو، اس کو خاموش کرنے کے لئے مخالفین کا دعویٰ کافی ہے، اس لئے کہ تمام مذاہب (کلامیہ) میں اشعری سے اختلافات پائے جاتے ہیں، اب اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ تمام تفصیلات و جزئیات میں اشعری کا اتباع ضروری ہے، اور اپنی مخالفت بھی کفر ہے، تو اس سے سوال کرو کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ حق اشعری کے ساتھ مخصوص ہے، اور انہی کی اتباع میں منحصر ہے، اگر ایسا ہے تو وہ شاید باقلانی کے کفر کا فتویٰ دیں گے۔

اس لئے کہ صفت بقا میں ان کو اشعری سے اختلاف ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ ذات الہی سے زائد کوئی صفت نہیں ہے اور پھر سوال یہ ہے کہ باقلانی ہی اشعری کی مخالفت کر کے کیوں کفر کے مستحق ہیں، اشعری، باقلانی سے اختلاف کی بنا پر کیوں کفر کے مستحق نہیں اور حق ان میں سے کسی ایک میں کیوں منحصر سمجھا جائے اگر کہا جائے کہ اشعری مقدم ہیں، تو خود اشعری سے مستزاد مقدم ہیں، تو پھر مستزاد کو برحق ہونا چاہئے یا یہ محض علم و فضل کے تفاوت کی بنا پر ہے؟ تو بتلایا جائے کہ علم و فضل کا موازنہ کرنے کے لئے کون سا ترازو ہے جس کی وجہ سے ایک شخص اپنے پیشوا کو علم و فضل میں سب سے بلند مرتبہ مانتا ہے، اگر باقلانی کو اشعری سے اختلاف کرنے کی اجازت ہے، تو باقلانی کے بعد آنے والے اس حق سے کیوں محروم رہیں اور اس میں کسی ایک شخص کی تخصیص کیوں کی جائے؟

علم کلام پر مجتہدانہ گفتگو اور اس میں بیش بہا اضافہ کرنے کے بعد امام غزالی اپنی سلامت طبع، حق پرستی اور ذاتی تجربوں کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچے کہ علم کلام کا فائدہ بہت محدود ہے اور بعض اوقات اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہے، نیز وہ ایک وقتی اور ضرورت کی چیز ہے اور ایک دوا ہے جس کی صحیح المزاج انسان سلیم الطبع انسانوں کو ضرورت نہیں، عمومی چیز جو ایک صانع غذا کا حکم رکھتی ہے اور جس سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، وہ قرآن مجید کا طرز بیان اور استدلال ہے جس سے سب کو اپنا اپنا حصہ ملتا ہے اور کوئی اس سے محروم نہیں، إجماع العوام عن علم الکلام میں جو ان کی آخری تہنیت ہے، لکھتے ہیں۔

فأدلة القرآن مثل الغذاء وينتفع به	قرآنی دلائل غذا کی طرح ہیں جس سے انسان فائدہ
كل انسان وادلة المتكلمين مثل الدواء	اٹھاتا ہے اور تکلمین کے دلائل دوا کی طرح ہیں جس سے
وينتفع به اعمار الناس ويستغربه الاكثر	کوئی کوئی فائدہ اٹھاتا ہے اور اکثر آدمیوں کو اس سے
بل ادلة القرآن كالماء الذي ينتفع به	نقصان ہوتا ہے، بلکہ قرآنی دلائل کی مثال پانی کی ہے

لے فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة۔

بعضی الترضیح والترجیل القوی
 ویاثر الادلة کالاطعمة التي ینتفع
 بها الاقویاء صرّاً وعلنیاً وینفعون بها الغری
 ولا ینتفع بها الصبیان اصلاً
 جس سے مددہ پتیا پو اور طاقتور آدمی کیسے فائدہ
 اٹھاتے ہیں باقی دلائل دکلا یہ کھانے کے اولیٰ و اقسام
 کی طرح ہیں اگر کسی ان طاقتور آدمیوں کو فائدہ پہنچتا ہے
 تو وہی ضرر اور پھول کے لئے وہ مطلقاً کارآمد نہیں۔

علم کلام سے جو نقصان پہنچا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنا مشاہدہ اور تجربہ بیان کرتے ہیں:-
 والدلیل علی تضرر الخلق بہ المشاهدة
 والعیان والتجربة وما تار من الشر
 مندفع التكلم ووقت مناعة الكلام
 سلامة العصر الاول من الصحابة عن مثل
 ذلك
 لوگوں کو علم کلام سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی
 دلیل خود مشاہدہ اور تجربہ ہے اہل تجربہ جانتے ہیں کہ
 جب سے تکلمیں پیدا ہوئے اور علم کلام کا پرچا ہوا
 کسی مصیبت آئی اور خرابی پھیلی صحابہ کا دور اس
 خرابی سے محفوظ تھا۔

تدریس کے لئے دوبارہ اصرار اور امام غزالی کی معذرت

ذوالقعدہ ۵۴۹ھ میں امام غزالی نے نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ کی مسند درس کو دوبارہ آباد کیا تھا، یہ
 سبزیلوٹی (پسر ملک شاہ) کی سلطنت اور فخر الملک (پسر نظام الملک) کی وزارتِ عظمیٰ کا زمانہ تھا،
 (فخر الملک) محرم ۵۵۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا اس کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد
 امام نے مدرسہ نظامیہ کی تدریس سے کنارہ کشی کی اور اپنے وطن طوس میں سکونت اختیار کی، گھر کے پاس ہی
 ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی، جہاں تعلیم و تربیت میں مشغول ہو گئے۔
 ۵۵۰ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ نے جب نظام الملک کے بڑے بیٹے احمد کو وزیر اعظم مقرر کیا تو

لے انجام العوام عن علم الکلام ص ۲۰۰ ۲۰۱ ایضاً

اس نے امام صاحب کو پھر بغداد میں بلانا چاہا، امام غزالی کی جگہ مدرسہ نظامیہ میں اگرچہ پرکردی گئی تھی، مگر

خالی تھی، امام غزالی کا جانشین پورے عالم اسلامی میں ملنا مشکل تھا، مدرسہ نظامیہ سلطنت عباسیہ کی

زینت اور بغداد کی آبرو تھی، اس نقصان کا احساس سب کو تھا، بارگاہِ خلافت سے بھی اس کی تحریک ہوئی کہ

امام غزالی مدرسہ نظامیہ کو پھر زینت بخشیں، تو ام الدین نظام الملک وزیر اعظم نے خود خط لکھا، اور مدرسہ

نظامیہ کی اہمیت اور مرکزیت بیان کی، اور خود خلیفہ عباسی کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا، وہ لکھتا ہے

”و نیز از سرانے عزیز مقدس نبوی (یعنی ایوان خلافت) ذریعت نمودند و بدیر آن را با العنا فرمودند“

و اس خطاب صادر شد تا صدر الدین نے تحفظ اس خبر خواہ اہل زین الدین حجۃ الاسلام فرید الزمان ابو حامد

بن محمد غزالی اور ام الشکر تک، اہتمام نہ گیرد از انچہ او بگمانہ جہاں و قدوہ عالم وانگشت نامے روزگار است“

اس فرمان پر دربارِ خلافت کے تمام ارکان کے دستخط ثبت تھے، اور یہ ظاہر کیا گیا تھا، کہ حاشیہ بوسانِ خلا

فہ اور ارکانِ سلطنت سب امام صاحب کے قدم کے لئے چشم براہ ہیں، احمد بن نظام الملک نے خود امام صاحب کو

جو خط لکھا، اس کا حاصل یہ تھا کہ اگرچہ آپ جہاں تشریف رکھیں گے، وہی جگہ درگاہِ عام بن جائے گی، لیکن

جس طرح آپ مقتدرائے روزگار ہیں، آپ کی قیامگاہ بھی وہی شہر ہونا چاہئے جو عالم اسلام کا مرکز اور قبلہ گاہ ہو،

تا کہ تمام دنیا کے ہر حصہ کے لوگ آسانی و ہاں پہنچ سکیں، امداد ایسا مقام صرف دارالسلام بغداد ہے۔“

امام صاحب نے ان خطوط و فرامین کے جواب میں ایک طویل خط لکھا، اور بغداد میں نہ آنے کے متعدد

عذر لکھے، ایک یہ کہ یہاں (طوس میں) ڈیڑھ سو مستعد طلبہ مصروف تحصیل میں، جن کو بغداد جانے میں زحمت ہوگی،

دوسرے یہ کہ جب میں پہلے بغداد میں تھا تو میرے اہل عیال نہ تھے، اب بال بچوں کا جھگڑا ہے، اور یہ لوگ کہ وطن

کی زحمت نہیں اٹھا سکتے، تیسرے یہ کہ میں نے مقام خلیل میں عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا،

اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں، اس کے سوا دربارِ خلافت میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہونا ہوگا، او

لے صدر الدین محمد نظام الملک موسیٰ کا پوتا اور سلطان سنجر کا وزیر اعظم تھا، جس کی حکومت میں طوس واقع تھا۔

میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا، سب سے بڑھ کر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا، اور بغداد میں میری کوئی جائداد نہیں" عرضِ خلافت اور سلطنت کی طرف سے گو بہت کچھ کہہ ہوئی، لیکن امام صاحب نے صاف انکار کیا، اور گوشہٴ عاقبت سے باہر نہ نکلے۔

بقیہ زندگی اور وفات

امام غزالی نے یہ زمانہ علمی و دینی اشتغال میں گزارا، ان میں اب بھی طالبِ علمانہ روح تھی، وہ حدیث کی طرف ایسی توجہ نہیں کر سکے تھے جیسی انھوں نے علومِ عقلیہ اور بعض علومِ نقلیہ کی طرف کی تھی، اس زمانہ میں ان کو اپنی اس کمی کو پورا کرنے کا خیال ہوا، چنانچہ ایک مشہور محدث حافظ عمر بن ابی الحسن اردبیلی کو اپنے یہاں مہمان رکھ کر ان سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس لیا، اور اس کی سند حاصل کی، یہ اخیر زمانہ ان کا حدیث کے مطالعہ اور اشتغال میں گزارا، ابن عساکر کہتے ہیں:-

وكانت خاتمة امره اقباله على حديث
المصطفى صلى الله عليه وسلم ومجالسة
اهله ومطالعة الصحيين البخاري ومسلم
الذين هما حجة الاسلام^{۲۱}
ان کی زندگی کا آخری کام یہ تھا کہ وہ حدیثِ نبوی
کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور علماء حدیث
کی ہم نشینی اختیار کی اور صحیحین (بخاری و مسلم) کا
مطالعہ شروع کیا جو اسلام میں سند کا درجہ رکھتی ہیں

انتقال سے ایک سال پہلے ۵۰۴ھ میں انھوں نے "المستصفیٰ" لکھی، جو اصولِ فقہ کے ارکانِ ثلاثہ میں شمار کی جاتی ہے، اور علماء نے اس کے ساتھ بڑی اعتراف کی ہے، یہ ان کی آخری تصنیف ہے۔

امام غزالی نے طابراں میں ۱۴ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ کو ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کیا، اور

۲۱۔ الغزالی ص ۲۱۔ ۲۲ تبیین کذب المفتری ص ۲۹۶، ۳۳ یتیم کتابین جو اصولِ فقہ کے تین ستون سمجھے جاتے ہیں

حسب فیلی ہیں، ابوالحسن البصری کی (المعتد) امام احرارین کی (البرہان) اور امام غزالی کی (المستصفیٰ)۔

یہ گنج گرانمایہ اسی خاک میں ودیعت ہوا، ابن جوزی نے ان کے انتقال کا واقعہ ان کے بھائی احمد غزالی کی روایت سے اس طرح بیان کیا ہے :-

• دو شبہ کے دن وہ صبح کے وقت بستر خواب اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی، پھر کفن منگوا یا، اور آنکھوں سے لگا کر کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پڑیہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی!"

امام غزالی کی دو ممتاز خصوصیتیں

امام غزالی کی دو خصوصیتیں بڑی ممتاز ہیں، 'اخلاص' و 'علوہمت' ان کے اخلاص کا اعتراف موافق و مخالفت سب کو ہے، اور وہ ان کی تصنیفات کے لفظ لفظ سے ٹپکتا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اگرچہ ان کے ناقد ہیں، اور ان کی بہت سی چیزوں کے اختلافات ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ان کو بابر تخلص میں شمار کرتے ہیں، ان کی کتابوں کی تاثیر اور مقبولیت کی اصل وجہ ان کا یہی اخلاص ہے، اسی اخلاص نے ان کے اقلیم علم کی مسند شاہی ترک کروائی، اور برسوں دشت و بیاباں کی خاک چھنوائی، اور باوجود طلبی و اصرار کے بادشاہوں کے دربار اور اپنے وقت کے سب سے بڑے اعزاز سے روگرداں اور بے نیاز رکھا، انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آخری چیز جو صدیقین کے قلب سے نکلتی ہے، وہ حقیقت ہے، ان کی آخری زندگی شہادت دیتی ہے کہ وہ اس مقام سے محروم نہیں رہے۔

علوہمت ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے، انھوں نے علم و عمل کے دائرہ میں اپنے زمانہ کی سطح اور اپنے معاصرین کی کسی منزل پر قناعت نہیں کی، وہ علم و عمل کے جس ترقی یافتہ مقام پر پہنچے، ان کا نور میں یہی صدائے گونج مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

علوم نقلیہ میں بھی وہ اپنے زمانہ اور اپنے معاصرین کی عام سطح سے بہت بلند ہیں، فقہ و اصول تین

انہوں نے جو تصنیفات کیں، صدیوں تک علماء ان کی شرح و تفسیر میں مشغول رہے پھر اپنے زمانہ کے رواج اور علمائے نقلیات کے دستور کے خلاف انہوں نے علوم عقلیہ کی طرف توجہ کی اور منطق و فلسفہ کا اس طرح مطالعہ کیا کہ بقول قاضی ابوبکر بن العربی فلسفہ کے جگر اور فلاسفہ کے شکم میں اتر گئے اور پھر ان کی تنقید و تردید میں ایسی کتابیں لکھیں جن سے اس کی عمارت ایک صدی تک متزلزل رہی۔

عمل کے سلسلہ میں اپنی ذہنی، علمی، اخلاقی، اور روحانی ترقی و تکمیل کا انہوں نے کوئی گوشہ فرو گذار نہیں کیا، علمی تبحر اور جامعیت و کمال کے ساتھ اپنے وقت کے ایک مخلص و مبصر شیخ طریقت شیخ ابوعلی فاریدی (م ۵۷۷ھ) سے بیعت کی، اور تصوف کی تعلیم حاصل کی، پھر اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر کے اس کے مقاصد و غایات کو پہنچنے، اور اذواق صحیحہ سے لذت آشنا ہوئے۔

اصلاح و انقلاب کے سلسلہ میں صرف تصنیف و تالیف پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ایک نئی اسلامی سلطنت کی داغ بیل پڑنے میں بھی ان کا ہاتھ ہے، مولانا شبلی لکھتے ہیں:-

امام صاحب کو ان باتوں پر تسلی نہ تھی، وہ دیکھتے تھے کہ موجودہ سلطنتوں کا سرے سے خمیر ہی بگڑ گیا ہے، اس لئے جب تک اسلامی اصول کے موافق ایک نئی سلطنت نہ قائم کی جائے، اصل مقصد نہیں حاصل ہو سکتا لیکن امام صاحب کو ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ سے اتنی فرصت نہ تھی کہ ایسے بڑے کام میں ہاتھ ڈال سکتے، اتفاق یہ کہ جب حیار العلوم شائع ہوئی اور ۱۲۵۵ھ میں اسپین میں پہنچی تو علی بن یوسف بن تاشفین نے جو اسپین کا بادشاہ تھا، تعصب اور تنگ دلی سے اس کتاب کے جلانے کا حکم دیا، اور نہایت بیدریگی اس حکم کی تعمیل کی گئی، امام صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو سخت رنج ہوا، اسی اشار میں اسپین سے ایک شخص امام صاحب کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے آیا جس کا نام محمد بن عبدالشکر تومرت تھا، یہ ایک نہایت معزز خاندان کا آدمی تھا، اور اس کے آباء و اجداد ہمیشہ سے آزادی پسند اور صاحبِ وصل چلے آتے تھے،

لئے شرح حیار العلوم۔

امام صاحب کی خدمت میں رہ کر اس نے تمام علوم میں نہایت کمال پیدا کیا، اور اپنے ذاتی حوصلہ یا اہانتا کی فیض صحبت سے یہ ارادہ کیا کہ اسپین میں علی بن یوسف کی سلطنت کو ٹاکرا ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالے یہ خیال اس نے امام صاحب کے سامنے پیش کیا، امام صاحب نے چونکہ خود ایک عادلانہ سلطنت کے خواہشمند تھے اس رائے کو پسند کیا لیکن پہلے یہ دریافت کیا کہ اس مہم کے انجام دینے کے اسباب بھی یہاں نہیں محمد بن عبداللہ نے اطمینان دلایا، تو امام صاحب نے نہایت خوشی سے اجازت دی، علامہ ابن خلدون اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

وَبَقِيَ فِيمَا زَعَمُوا بِالْحَمْدِ الْغَزَالِي وَفَاضِيَةً
بِذَاتِ صَدْرِهِ فَارَادَ عَلَيْهِ مَلَاكَانَ فِيهِ
الْإِسْلَامَ يُؤَمِّنُهُ بِأَقْطَارِ الْأَرْضِ مِنْ اِخْتِلَالِ
جِيسَاكَ لَو كُونِ كَا خِيَالِ هَيْ وَهُ الْوَحَادِ غَزَالِي مِ طَاوُ
اِنْ اِنِ دِلِي خِيَالَاتِ كِي تَمَعْلَقِي مَشُورَه كِيَا اِنَا اَمَانَتِي
اِس كِي تَانِيْدِي كِي كِيُوْنِكُ اِس زَمَانَتِي مِيْلَا مِلَامُ تَمَامُ دُنْيَا

لے چونکہ محمد بن عبداللہ نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی اور اسی اصول پر قائم کی جو امام غزالی کا نشانہ تھا، اس لئے اس کا ایک مختصر سا حال پیش کیا، اثنافعیہ ابن اسکی سے نقل کرتے ہیں:-

محمد بن عبداللہ اقصا مغرب کا رہنے والا تھا، اول اپنے وطن میں نشوونما پایا، پھر شرق کا سفر کیا اور فقہ و کلام کی تحصیل کا وہ جہاں پر بیزگار عابد اور قناعت پسند تھا فانیہ تحصیل ہو کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کمر بستہ ہوا، مصر میں پہنچا تو اس سختی سے لوگوں کو سنا ہی کے روکا کہ لوگ اس کے دشمن ہو گئے، اور اس کو شہر بدر کر دیا، مصر سے اسکندریہ اور چند روز وہاں اتنا کی پھر بلاد مغرب کی طرف روانہ ہوا، وہاں میں ہدیہ پہنچا اور اپنے کام میں مشغول ہوا، وہاں پہل کر گیا یہ اور بجایہ سے مراکش گیا، یہاں بھی نہایت آزادی امر بالمعروف کی خدمت انجام دی، یہاں تک کہ خود شاہی خاندان سے متعرض ہوا، بادشاہ وقت علی بن یوسف تاشقین نے اس کو دربار میں طلب کیا، ادباً کے طرار نے اس کا کہ ایسے عادل اور منصف بادشاہ کی حکومت سے ناراضی کی کیا وجہ بیان کر سکتے ہو، محمد بن عبداللہ نے نہایت جوش کے ساتھ کہا کہ کیا اس شہر میں علانیہ شراب کی خرید و فروخت نہیں ہوتی؟ اور کیا تیموں کے مال پر دست رازی نہیں کی جاتی؟ اس کی پر جوش تقریر سے بادشاہ بھی متاثر ہوا، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، محمد مراکش سے نکل کر انعامت میں آیا، اور رفتہ رفتہ ایک جماعت کے ساتھ ہو گئی، پھر تیل میں قیام کر کے قبیلہ مصادک کی اعانت سے سلطنت کی بنیاد ڈالی، شروع کی اور کالیاب ہوا۔

الدولة وتفويض اركان السلطان
 الجامع للأمة المقيم للملة بعد ان سألہ
 عن له من العصاة والقبائل التي
 يكون بها الاعتزاز والمنعة -

میں ضعیف ہو رہا تھا اور کوئی ایسا سلطان موجود
 نہ تھا جو تمام امت کو فراہم کر سکے اور دین اسلام کو
 قائم رکھے لیکن پہلے امام خاندان سے پوچھ لیا کہ تمہارے
 پاس اتنا مسرتسا ان اور جمعیت کیا نہیں جس سے

قوت اور حفاظت ہو سکے۔

غرض محمد بن عبدالشہین تو مرت نے واپس جا کر امر بالمعروف کے شعار سے ایک نئی سلطنت کی بنیاد
 لائی، جو مدت تک قائم رہی اور موحدین کے لقب سے پکاری جاتی تھی، غلی بن یوسف کی حکومت میں جو رونوعدی
 بہت پھیل گئی تھی، فوج کے لوگ علانیہ لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے تھے اور عفت آب خاتونوں کے ناموں
 کو برباد کرتے تھے، علی بن یوسف کے خاندان میں ایک مدت سے یہ الشاد ستور چلا آتا تھا کہ مرد منہ پر نقاب ڈالنے
 لگے تھے، اور عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں، اس لحاظ سے یہ لوگ ملتین کہلاتے تھے، محمد بن تو مرت نے اول اول انہی
 دونوں بدعتوں کے مٹانے پر کمر باندھی اور رفتہ رفتہ اسی سلسلہ میں ملتین کی حکومت برباد ہو کر ایک نئی سلطنت
 قائم ہو گئی، محمد بن تو مرت نے خود فرمانروائی کا قصد نہیں کیا، بلکہ ایک لائق شخص کو جس کا نام عبدالؤمن تھا تخت نشین کیا،
 عبدالؤمن اور اس کے خاندان نے جس طرز پر حکومت کی وہ بالکل اس اصول کے موافق تھی جو امام غزالی کی
 کتاب میں ابن خلدون کتاب الثبالت اخبار بربر فصل ثالث میں عبدالؤمن اور اس کی اولاد کے متعلق لکھتے ہیں:-

ان کی حکومت کا یہ انداز تھا کہ علماء کی عزت کی جاتی تھی اور تمام واقعات اور معاملات میں ان سے مشورہ لے کر
 کا گیا جاتا تھا اور خواہوں کی فریادیں جاتی تھی رعایا پر حال ظلم کرتے تھے تو ان کو سزا دی جاتی تھی ظالموں کا
 ہاتھ روک دیا گیا تھا شاہی ایوانوں میں مسجدیں تعمیر کی گئی تھیں تمام سرحدی ناکے جہاں یورپ کا ڈانڈا ملتا تھا
 فوجی طاقت سے مضبوط کر دیئے گئے تھے اور غزوات و فتوحات کو روز افزوں ترقی تھی

امام غزالی کا عالم اسلام پر اثر

ان علمی و عملی کمالات، طاقتور اور جامع شخصیت کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے عالم اسلام پر بڑا گہرا اثر ڈالا، ان کی عمد آفریں تصنیفات اور مباحث نے علمی حلقوں میں ایک ذہنی توجہ اور فکری حریت پیدا کر دی اور ان کو نئی غذا اور طاقت پہنچائی، اسلام کی جو چند شخصیتیں صدیوں تک عالم اسلام کے دل و دماغ پر اور اس کے علمی و فکری حلقوں پر حاوی رہی ہیں ان میں سے ایک امام غزالی کی شخصیت بھی ہے، جن کی اثر آفرینی علمی پایہ ان کی تصنیفات کی اہمیت اور تاثر مخالف اور موافق سب کو تسلیم رہی ہے، صدہا انقلابات کے بعد ان کا نام اور کام آج بھی زندہ ہے اور ان کی تصنیفات ایک بڑے حلقہ میں وسیع اور مقبول ہیں اور پڑھنے والوں کو آج بھی متاثر کرتی ہیں۔

عمومی دعوت و تہذیب کی ضرورت و اصلاح عام اور بغداد کے داعی الی اللہ

امام غزالی کی موثر شخصیت ان کے علمی و اصلاحی کارناموں کی عظمت کے باوجود عمومی دعوت و تہذیب کی ضرورت باقی تھی، مسلمانوں کی بڑی تعداد علمی شہات اور خصوصی امراض کے بجائے عام اخلاقی کمزوریوں اور علمی کوتاہیوں اور غفلت اور جہالت کا شکار تھی اور اس کا جلد مدد اور ضروری تھا، اس لئے فوری طور پر ایک سحر بیان خطیب اور ایک ایسی بلند روحانی شخصیت کی ضرورت تھی جس کا عوام سے زیادہ ربط اور جو اپنی دعوت و مواعظ تہذیب و اصلاح سے جمہور اہل اسلام میں دینی روح اور نئی ایمانی زندگی پیدا کر دے، مطلق العنان حکومت نے چار سو برس تک مسلمانوں کے اخلاق کو متاثر کیا تھا، اور بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس کا مقصد زندگی حصول دولت یا جاہ و عزت تھا، اور جو اگرچہ اعتقادی طور پر خدا و آخرت کا منکر نہ تھا، مگر عملاً خدا فراموش، آخرت سے غافل اور عیش میں مست تھا، عجیب تہذیب و معاشرہ

نے بھی اسلامی زندگی میں اپنے بچے گرو رکھے تھے اور عجمی عادات اور جاہلی رسوم جزو زندگی بن گئی تھیں زندگی کا معیار بہت بلند ہو گیا تھا، سوسائٹی کے مطالبات بہت بڑھ گئے تھے، حکام رس مزاج شناس موقع پرست لوگوں کی ایک مستقل قوم پیدا ہو گئی تھی، متوسط طبقہ امرا کے نقش قدم پر تھا، اور عوام اور محنت کش متوسط طبقہ کے اخلاق و عادات سے تاثر ہو رہے تھے، جن کو وسائل معیشت حاصل تھے، وہ غلط طریقہ پران کو استعمال کر رہے تھے، اور زندگی سے تمتع اور لطف اندوزی میں مصروف تھے، جو امیرانہ ٹھاٹ سے محروم تھے، وہ کوفت میں مبتلا تھے، اور اپنے کو چوپایہ سے بدتر سمجھتے تھے، اہل دولت ایتار و ہمدردی اور جذبہ شکر سے خالی اور تنگ حال اور محنت کش، صبر و قناعت، اور یقین و خودداری محروم ہوتے جا رہے تھے، اس طرح زندگی ایک بحرانی کیفیت میں مبتلا تھی، اس وقت ایک ایسی دعوت کی ضرورت تھی جو دنیا طلبی کے بحران کو کم کرے، ایمان کو بیدار کرے، اور آخرت کے یقین کو ابھارے، خدا طلبی کا ذوق پیدا کرے، اللہ تعالیٰ کی سچی معرفت، اس کی بندگی اور رضامندی میں عالی سمتی، اور بلند و صلگی سے کام لے، اور اس راستہ میں سبقت کرنے کی دعوت دے، توحید کامل کو واٹنگان بیان کیا جائے، اہل دنیا اور ارباب دولت کی بے وقعتی، اور اسباب کی کمزوری کو طاقت اور وضاحت سے بیان کیا جائے۔

داعی کی علمی صلاحیتیں

پانچویں صدی تا بیخ اسلام میں علوم و فنون کی ترقی میں خاص امتیاز رکھتی ہے، اس صدی میں دینی، عقلی اور ادبی علوم میں بڑے بڑے باکمال اور ائمہ فن پیدا ہوئے ہیں، اسی صدی کے آخر میں علامہ ابوالحسن شیرازی (م ۵۴۶ھ) اور امام غزالی (م ۵۰۵ھ) جیسے تبحر عالم اور صاحب فنون، ابوالوفار ابن عقیل (م ۵۱۳ھ) جیسے فقیہ اور محقق، عبدالقادر جیلانی (م ۵۴۱ھ) جیسے صاحب ذوق اور مجتہد فن، ابو زکریا تبریزی (م ۵۳۰ھ) جیسے لغوی اور نحوی، ابوالقاسم اکبریری (م ۵۱۶ھ) جیسے شار اور صاحب طرز نظر آتے ہیں، جنہوں نے صدیوں دعاغوں اور مذاقوں پر حکومت کی ہے، اس مردم خیز عہد اور بغداد جیسی شاداب سرزمین میں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

تعلیم و تکمیل

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی ولادت گیلان میں ۳۷۰ھ میں ہوئی، آپ کا نسب دس واسطوں سے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، ۱۸ سال کی عمر میں غالباً ۳۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے، یہی وہ سال ہے جس سال امام غزالی نے تلاش حق و حصول یقین کے لئے بغداد کو خیر باد کہا تھا، یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرا جلیل القدر مصلح اور داعی الی اللہ کا وہاں ورود ہوا، آپ بغداد میں پوری عالی ہمتی اور بلند وصلگی کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے، عبادت و مجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود اپنے تحصیل علم میں قناعت و زہد سے کام نہیں لیا، ہر علم کو اس کے باکمال استادوں اور صاحب فن عالموں سے حاصل کیا، اور اس میں پوری دستگاہ پیدا کی، آپ کے اساتذہ میں ابو الوفاء ابن عقیل، محمد بن اکسن، ابوالقلانی اور ابو زکریا تبریزی جیسے نامور علماء و ائمہ فن کا نام

لے جیلان یا گیلان کو ولیم بھی کہا جاتا ہے، یہ ایران کے شمالی مغربی حصہ کا ایک صوبہ ہے اس کے شمال میں روسی سرزمین تالیس واقع ہے، جنوب میں برز کا پہاڑی سلسلہ ہے، جو اس کو آذربائیجان اور عراق عجم سے علیحدہ کرتا ہے، جنوب میں ازندان کا مشرقی حصہ ہے اور شمال میں بحر قزوین کا مغربی حصہ، وہ ایران کے بہت خوبصورت علاقوں میں شمار ہوتا ہے (دائرة المعارف)۔

۳۷۰ھ ابن کثیر ج ۱۲ ص ۱۳۹ ۳۷۰ھ ابدایہ والنہایہ (البغستانی) ج ۱۲ ص ۱۳۹

نظر آتا ہے، طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی، اور قاضی ابوسعید مخزومی سے تکمیل کی اور اجازت حاصل کی۔

اصلاح و ارشاد اور رجوع عام

ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے ہند دوس اور سند ارشاد کو بیک وقت زینت دی اپنے استاد و شیخ شیخ مخزومی کے مدرسہ میں تدریس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آگئی، مخلصین نے عمارت میں اضافہ کر کے اس کو آپ کی مجالس کے قابل بنا دیا، لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں، شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب مغنی کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء و فقہاء کا کچھ شمارہ نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چار سو دو تین شمار کی گئی ہیں، جو آپ کے ارشادات قلب بند کرنے کے لئے لائی جاتیں۔

حامد و اخلاق

بایں رفعت و منزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، ایک بچہ اور ایک لڑکی بھی

لے شہزادی نے لکھا ہے کہ مریدین کی تربیت میں ان کو بلند مقام حاصل تھا، اور بغداد کے اکثر شائخ اور موفیہ انہما سے وابستہ تھے، ۳۲۹ھ میں انتقال ہوا طبقاً اکبری ج ۱ ص ۱۵۱ اصل نام مبارک بن علی بن حسین ہے، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث کا سلام، اور امام احمد کے مذہب پر علوم فنیہ میں کمال پیدا کیا، اور زیادہ تر مناظرہ اور درس اتارنے مشغولیت رکھی، ستودہ صفا معتدل مسلک رکھنے والے اور اپنے فیصلوں

میں بہت صاحب الرائے تھے، ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ ۳۵۰ھ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ذیل طبقات احنابلہ (ابن رجب)

بہاؤ شاہ نے لگتی تو کھڑے ہو کر سنتے اور اس کا کام کرتے، غریبوں اور فقراء کے پاس بیٹھتے، اور ان کے کپڑوں کو صاف کرتے، جوں تکالتے، لیکن اس کے برسات کسی معزز آدمی اور ارکانِ سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے، خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا، پھر برآمد ہوتے، تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے، کبھی کسی وزیر یا سلطان کے دروازہ نہیں گئے۔

آپ کے دیکھنے والے اور آپ کے معاصرین آپ کے حسن اخلاق، علو حوصلہ، تواضع و انکسار، سخاوت و ایثار اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، ایک بزرگ (حرادہ) جنھوں نے بڑی طویل عمر پائی، اور بہت سے بزرگوں اور ناموروں کو دیکھا، اور ان کی صحبت اٹھائی، فرماتے ہیں:-

مارأت عینای احسن خلقا ولا اوسع	میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر سے بڑھ کر
صدراً اولاً کرم نفساً ولا اللطف قلباً	کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم نفس، رقیب قلباً
ولا لقطعہداً اور دامن سیدنا الشیخ	محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا، آپ
عبدالقادر ولقد کان مع جلالة قدره	عظمت اور علوم مرتبت اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے
وعلم منزلته وسعة علمه یقف	کی رعایت فرماتے، بڑے کا توقیر کرتے، سلام میں بسنت
مع الصغیر ولوقر الکبیر ویدأ بالسلام	فرماتے، کمزوروں کے پاس اٹھتے بیٹھے، غریبوں کے ساتھ
ویمالی الضعفاء ویتواضع للفقراء	تواضع و انکساری سے پیش آتے، حالانکہ آپ کسی
وما قام لاحد من العظماء ولا الاعیان	سربراہ اور وہ یا رئیس کے لئے تعظیماً کھڑے نہیں ہوئے
ولا القریب و وزیر ولا سلطان	اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازہ پر گئے۔

الامام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشعری ان الفاظ میں آپ کی تعریف کرتے ہیں:-

کان مجاب الدعوة سریع الدمعة آپ سجاہ الدعوات تھے (اگر کوئی عبرت اور

لہ الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۷ ۱۲۸ ایضاً ص ۱۲۹ ایضاً

دائم الذکر کثیر الفکر رقیق القلب
 دائم البشر کریم النفس یعنی الید
 عزیر العلم شریف الاخلاق طیب
 الاعراق مع قدر راسخ فی العبادۃ
 والاجتهاد
 رقت کی بات کی جاتی تو جلدی آنکھوں میں آنسو
 آجاتے ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے بڑے رقیق
 القلب تھے، خندہ پیشانی، خشکے رو کریم النفس،
 فرخ دست، وسیع علم بلند اخلاق، عالی نسب،
 عبادات اور مجاہدہ میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

مفتی عراق محی الدین ابو عبد اللہ محمد بن حامد البغدادی لکھتے ہیں۔

ایحد الناس عن الفحش اقرب
 الناس الی الحق شدید الباس
 اذا انتھکت محام اللہ عزوجل
 لا یغضب لنفسه ولا یتصر لغيره
 غیر منہب بات سے انتہائی دور رہی اور معقول
 بات بہت قریب اگر احکام خداوندی اور
 حدِ الہی میں کسی پر دست درازی ہوتی تو آپ کو
 جلال آجاتا، خود اپنے معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا، او
 اللہ عزوجل کے علاوہ کسی چیز کے لئے انتقام نہ لیتے
 کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے خواہ بدن کا
 کپڑا ہی کیوں نہ اتار کر دینا پڑے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے اور ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرنے کا خاص ذوق تھا، علامہ ابن
 النجار آپ سے نقل کرتے ہیں کہ "اگر ساری دنیا کی (دولت) میرے قبضہ میں ہوتی تو میں بھوکوں کو کھانا کھلا دوں
 یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری سہیلی میں سوراخ ہے، کوئی چیز اس میں ٹھہرتی نہیں اگر ہزار
 دینار میرے پاس آئیں تو رات نہ گزرنے پائے، صاحب "قلائد الجواہر" لکھتے ہیں کہ حکم تھا کہ رات کو وسیع
 دسترخوان بچھے، خود مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے،

لہ قلائد الجواہر ۹ ۷۵ ایضاً

طلبہ کی باتوں کو برداشت کرتے اور نچلے فرماتے ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی ان کا مقرب اور ان کے یہاں معزز نہیں، ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا، اس کا حال دریافت فرماتے اور اس کی فکر رکھتے، تعلقات کا بڑا پاس اور کاٹھا، غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرتے، اگر کوئی کسی بات پر تم کھالیتا تو اس کو مان لیتے اور جو کچھ (حقیقت حال جانتے تھے) اس کا اخفا فرماتے!

مردہ دلوں کی مسیحائی

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامت کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے، شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ اور امام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تو اترو کو پہنچ گئی ہیں ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک باد بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان سوال دی اور عالم اسلام میں ایمان و روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی، شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔

جیلانی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانہ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا، اور

۱۔ قلائد الجواہر ص ۹ ۲۔ ذیل طبقات الخاں بلابن رجب ص ۳۰۳ ۳۔ قلائد الجواہر مختلف کتب تذکرہ

بکثرت یہودی، عیسائی، اور اہل ذمہ مسلمان ہوئے۔

تعلیمی مشاغل و خدمات

اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس و اخلاق کی اصلاح و تربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس و تدریس، افتاء اور تصبیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت سے غافل نہ تھے، عقائد و اصول میں امام احمد اور محدثین کے مسلک پر تھے، مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو آپ بڑی تقویت حاصل ہوئی، اور اس کے مقابلہ میں اعتقادی و عملی بدعات کا بازار سرد ہو گیا، ابن اسماعیل کہتے ہیں کہ تبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی، اور ان کا پورا بھاری ہو گیا۔ مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافات ائمہ اور ان کے دلائل کا پڑھاتے تھے، صبح شام تفسیر حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے، ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی، بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے، علماء عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے، اور بڑی تعریف کرتے۔

ایک مرتبہ استفاء آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اگر اس نے قسم پوری نہیں کی تو اس کی بیوی کو تین طلاق، علماء استفاء سن کر حیرت میں پڑ گئے کہ ایسی کون سی عبادت ہو سکتی ہے جس میں وہ بالکل تنہا ہو، اور وہ زمین پر کوئی شخص بھی اس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو، حضرت شیخ زکریا کے پاس استفاء آیا تو بے تکلف فرمایا کہ طلاق اس کے لئے خالی کر دیا جائے، اور وہ سات چکر کر کے خانہ کعبہ کا طواف تنہا مکمل کرے، علمائے یہ جو اب سن کر بے ساختہ داد تحسین دی اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کرے، اور اپنی

لے قلائد الجواہر و مختلف کتب تذکرہ۔ ۲۵ الطبقات الکبریٰ للشمس الراجحی ص ۱۳۶، و طبقات الخلیل ابن رجب۔

تہ قسم پوری کرے اس لئے کہ طواف بیت الشریح موقوف ہے اور طواف اس شخص کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں ہے۔

۱۱ استقامت و تحقیق

حضرت شیخ استقامت کا پہلا ڈٹھے اتباع کامل، علم راسخ، اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہو گیا تھا آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کے لئے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، جو اس کے خلاف دعویٰ کرے، وہ شیطان ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

• ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لئے سب محرمات حلال کر دیئے ہیں، میں نے کہا دور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی، اور وہ صورت دھواں بن گئی، اور ایک آواز آئی کہ عبدالقادر! خدا نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا، ورنہ اس طرح میں شتر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے، کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے، فرمایا اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کر دیا!

یہی آپ کا ارشاد ہے کہ اگر حدود الہی (احکام شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو، اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو، اس کو مضبوط تھام لو، نفس کی خواہشات کو جواب دو، اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے۔

(۱) الطبقات الکبریٰ للشرانی ج ۱ ص ۱۲۶، و طبقات الکنا بلہ (ابن ربیع) ۲ ایضاً ص ۱۳۴ ایضاً۔

تفویض و توجید

تسلیم و تفویض اور توجیدِ کامل حضرت کا خصوصی حال تھا، کبھی کبھی تعلیماً اس حال اور اس مقام کی تشریح فرماتے تھے، وہ دراصل آپ کا حال ہے۔

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران
ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:-

• جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نجات نہیں پاتا، تو مخلوقات میں سے اورہوں سے مدد مانگتا ہے، مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دنیا داروں یا امیروں اور درودکھ میں طلبیوں سے، جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا اس وقت اپنے پروردگار کی طرف دعا اور گریہ و زاری و حمد و ثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے، خلق سے رجوع نہیں کرتا، اور جب تک خلق سے مدد مل جاتی ہے، خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے (بھی) کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کے ہاتھوں میں آرتا ہے اور ہمیشہ سوال و دعا، اور گریہ و زاری اور تالیس و اظہار حاجت مندی، امید و بیم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دعا سے (بھی) تھکا دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ کل اسباب (مقطع ہو جاتے ہیں اور وہ سب) علیحدہ ہو جاتا ہے، اس وقت اس میں (احکام) قضا و قدر کا نفاذ ہوتا ہے، اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے، تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہو جاتا ہے اور روح صرف رہ جاتا ہے، اسے فعلِ حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ ضرور بالضرور صاحبِ یقین ہو جاتا ہے، قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی (کچھ) کرنے والا ہے، اور نہ حرکت و سکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی اور برائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزت

ذلت، غنا و فقر، اس وقت (احکام تضاد قدر) میں بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے، جیسے شیر خوار بچہ دایہ کی گود میں یا مردہ غسال کے ہاتھ میں یا (پولو کا) گیند سوار کے قبضہ میں کہ اٹا پٹا جاتا ہے، اور بگاڑا بنایا جاتا ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں، نہ اپنے لئے، نہ کسی اور کے لئے، یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس میں غائب ہو جاتا ہے، اور اپنے مالک و اس کے فعل کے سوا، کچھ دیکھتا سنتا ہے، کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے، تو اس کی صنعت اور اگر سنتا ہے، تو اسی کا کلام، اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے، اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے، اس کے قریبے سعادت پاتا ہے، اس کی تقریب (جاوید) سے آراستہ پیراستہ ہوتا ہے، اس کے وعدہ سے خوش ہوتا ہے، سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے، اس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے، اور اس کے غیر سے وحشت و نفرت کرتا ہے، اس کی یاد میں سرنگوں ہوتا اور جی لگاتا ہے، اس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اس کے نور معرفت سے ہدایت پاتا اور اس کا خرقہ لباس پہنتا ہے، اس کے علوم عجیب و نادر پر مطلع ہوتا ہے، اس کے قدرت کے اسرار سے شرف ہوتا ہے، اس کی ذات پاک سے (ہر بات سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے، پھر ان (نعمتوں) پر حمد و ثنا و شکر و سپاس کرتا ہے)۔

مخلوق خدا پر شفقت

عامۃ الناس اور امت محمدیہ کے ساتھ آپ کو جو تعلق، جو فکر اور اس کے حال پر جو شفقت تھی، اور جو نابین رسول اور مقبولین کی خاص علامت ہے، اس کا اندازہ آپ کی اس تقریر سے ہو سکتا ہے، جس میں آپ نے بازار میں جانے والوں کے احوال و مراتب بیان کئے ہیں، ان میں آخری مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اور دراصل حدیث دیگر میں اپنا ہی حال اور مقام بیان کرتے ہیں۔ اور پانچواں وہ شخص ہے کہ جب بازار میں داخل ہوتا ہے تو اثر سے ان کا دل بھر جاتا ہے، ان لوگوں پر

عالمی فتوح الغیب مقالہ (۳) ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب، کاکوروی (رموز الغیب) ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳

رحمت کرنے کے لئے، اور یہ رحمت اسے کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتی کہ ان لوگوں کے پاس کیا کچھ ہے، وہ تو اپنے داخلہ کے وقت سے باہر نکلنے کے وقت تک بازار والوں کے لئے دعا و استغفار و شفاعت میں اور ان پر رحمت و شفقت میں مشغول رہتا ہے، اس کا دل ان لوگوں کے لئے ان کے حال پر جلتا رہتا ہے، اور آنکھیں روتی رہتی ہیں اور زبان ان نعمتوں پر جو خدا نے ان لوگوں کو اپنے فضل سے دی ہیں، خدا کا شکر اور اس کی حمد و ثنا کرتی رہتی ہے!

حضرت شیخ کا عہد اور ماحول

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بغداد میں ۲۷ سال گزارے اور عباسی خلفاء میں پانچ ان کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مستد خلافت پر بیٹھے، جس وقت وہ بغداد میں رونق افروز ہوئے اس وقت خلیفہ مستظہر باللہ ابو العباس (م ۵۱۲ھ) کا عہد تھا، ان کے بعد بالترتیب مسترشد راشد المقتضی لامر اللہ و المتعبد باللہ تحت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

شیخ کا یہ عہد بہت اہم تاریخی واقعات کے لبریز ہے، سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی کشمکش اس زمانہ میں پورے عروج پر تھی، یہ سلاطین عباسی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے دل و جان سے کوشاں تھے، کبھی خلیفہ کی رضامندی کے ساتھ اور کبھی اس کی مخالفت و ناراضی کے باوجود کبھی کبھی خلیفہ اور سلطان کے لشکروں میں باقاعدہ معرکہ آرائی بھی ہوتی، اور مسلمان ایک دوسرے کے بے دریغ خون بہاتے۔ اس طرح کے واقعات مسترشد کے زمانہ میں کئی مرتبہ پیش آئے، یہ عہد عباسی کا سب سے زیادہ طاقتور اور معقول خلیفہ تھا، اور اکثر معرکوں میں فتح بھی اسی کو حاصل ہوتی، لیکن ۵۱۹ھ میں سلطان

لہ فتوح الغیب مقالہ (۷۲) ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوروی (رموز الغیب) ص ۱۵۱ ۱۵۲ ابن کثیر نے اس کے نتائج میں

لکھا ہے کہ مسترشد بہت شجاع، جواہر مند، فصیح و بلیغ، شیریں کلام اور بہت عبادت گزار خلیفہ تھا، اور خاصاً نماز اور باقی

اور اس کے درمیان جو معرکہ ہوا اس میں اس کو شکست فاش ہوئی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:-

• سلطان کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی، خلیفہ قید کر لیا گیا، اہل بغداد کی املاک کو لوٹ لیا گیا، اور یہ خبر دوسرے تمام صوبوں میں پھیل گئی، بغداد اس المناک خبر سے بہت متاثر ہوا، اور وہاں کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آگیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا، اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں اور خلیفہ کی قید، اور اس کی پریشانیوں و مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے، اور اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے، ملک سجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجے کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کرے، ملک سعود نے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن خلیفہ کو باطنیوں نے بغداد کے راستے میں قتل کر دیا۔

یہ تمام الم انگیز واقعات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نگاہوں کے سامنے گزے انھوں نے مسلمانوں کے باہمی افتراق و خانہ جنگی اور دشمنی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ دنیا کی محبت کی خاطر اولاد ملک و سلطنت اور جاہ و مرتبہ کے حصول کے لئے لوگ سب کچھ کر گزے پر آمادہ ہیں، اور ان کو صرف دربار کی شان و شوکت سے دلچسپی باقی رہ گئی ہے، وہ اہل سلطنت کو تقدس کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں، اور صوبوں اور شہروں کی حکومت حاصل کرنے کے لئے سر دھڑکی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مادی وجود خواہ ان واقعات سے علیحدہ اور دور رہا ہو لیکن اپنے شعور و احساس کے ساتھ وہ اسی آگ میں جل رہے تھے، اور اسی سوز و درد نے ان کو پوری ہمت و طاقت اور اخلاص

(باقی صفحہ ۲۰۷ کا) سب کی نظروں میں محبوب تھا، وہ آخری خلیفہ تھا جس نے خطبہ دینے کی رسم برقرار رکھی، ۴۵ سال ۱۳ ماہ

کی عمر میں اس کو شہید کر دیا گیا، اس کی مدت خلافت ۷ سال اور ۲۰ روز ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ صفحہ ۲۰۷)

کے ساتھ وعظ و ارشاد، دعوت و تربیت، اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی طرف متوجہ کیا، اور انھوں نے نفاق اور حسد دنیا کی تحقیر و تذلیل، ایمانی شعور کے احیاء، عقیدہ آخرت کی تذکیر اور اس سرے فانی کی بے ثباتی کے مقابلہ میں اس حیات جاودانی کی اہمیت، تہذیب اخلاق، توحید خالص اور اخلاص کامل کی دعوت پر سارا زور صرف کر دیا۔

مواعظ و خطبات

حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے، اور وہ تاثر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے، فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس کے وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گراتے ہیں، ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نابین اور عارفین کاملین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین اور مخاطبین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا، اور جن معالطوں میں گرفتار تھے، انھیں کا ازالہ کیا جاتا تھا، اسی لئے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم اپنے مرض کی دوا، اور اپنے سوالات و شبہات کا جواب پاتے تھے، اور تاثر اور عام نفع کی یہ ایک بڑی وجہ تھی، پھر آپ زبان مبارک سے جو فرماتے تھے، وہ دل سے نکلتا تھا، اس لئے دل پر اثر کرتا تھا، آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت و عظمت بھی ہے، اور دل آویزی اور صلاوت بھی، اور صدیقین کے کلام کی یہی شان ہے۔

توحید خالص اور غیر اللہ کی بے حقیقتی

اس وقت ایک عالم کا عالم اہل حکومت اور اہل دولت کے دامن سے وابستہ تھا، لوگوں نے مختلف انسانوں اور مختلف ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ لیا تھا، اسباب کو ارباب کا درجہ دے دیا گیا

القاء اور قضا و قدر کو بھی اپنے جیسے انسانوں سے متعلق سمجھ لیا گیا تھا ایک ایسی فضا میں حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

”کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعبت دابٹل ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست پاٹ بہت بڑا تھا، بہت گہری بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و سپکان، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس ننگے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے تو کیا (یہ تماشہ) دیکھنے والے کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر پٹالے اور اس خون و امید ترک کر دے اور ننگے ہوئے قیدی سے امید و بیم رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے، عقل کے نزدیک بے عقل، بے ادراک دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہے، خدا کی پناہ بینائی کے بعد نابینائی، اور وصول کے بعد جدائی اور قرب و ترقی کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے“

ایک دوسری مجلس میں توحید و اخلاق اور ماسوائے اللہ سے انقطاع کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں۔

”اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات انو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا، اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کھیل سے پاک کرے گا، تم کو تمہاری سزا ہند اور بدبو اور پست سمی اور نفس بدکار و رفیقان گمراہ و گمراہ کن سے نجات دے گا، جو شیاطین خواہشیں اور تمہارے جاہل دوست ہیں، خدا کی راہ کے رہزن اور تم کو نفیس اور ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک

رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آفت؟ کب تک اسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے اول ہے آخر ہے ظاہر ہے باطن ہے دلوں کی محبت رسولوں کا اطمینان گرائیوں سے بیکردوشی بخشش و احسان ان سب کا رجوع اسی کی طرف سے اور اسی کی طرف سے اس کا صدور ہے!

ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح و اشکاف بیان فرماتے ہیں:۔۔۔
 "ساری مخلوق عاجز ہے نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان بس حق تعالیٰ اس کو کھنکھاتوں کر دیتا ہے اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا جو بوجد اور نیکو کار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں گو دولت مند ہیں مگر حق تعالیٰ ان کے اندوں پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں جو شخص اس پر قادر ہو، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہاں بہادر پہلوان ہے بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو اسوائے اللہ سے پاک بنایا، اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہیں!"

معبودانِ باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔۔۔

"آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر اپنے دیناروں پر اپنے درہوں پر اپنی خرید و فروخت پر، اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے، وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص

لے رموز الغیب مقالہ (۶۲) ۱۵۴۵ء فیومن یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مجلس ۱۳ ص ۵۹

جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے، وہ تیرا مبعود ہے اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا مبعود ہے۔
ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکار سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہو جانے کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

تم اکثر کہتے ہو گے اور کہو گے میں جس سے محبت کرتا ہوں اس کی میری محبت رہنے نہیں پاتی اور خشن پڑ جاتا ہے، یا توجہ دانی ہو جاتی ہے یا وہ مرجاتا ہے یا بخش ہو جاتی ہے اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے اے وہ جس کے لئے اور جس پر خدا کی غیرت آتی ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے اس نے تم کو اس لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے اور یہ ارشاد کہ میں نے جن دنوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے بتلا کرتا ہے پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے رکھ چھوڑتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کے مال و اولاد کو باقی نہیں رکھنا اور یہ معاملت اس لئے ہے کہ جب مال و اولاد ہوں تو اسے ان کی محبت بھی رہے گی! خدا سے جو محبت اسے ہے متفرق اور ناقص اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق میں مشترک ہو جائے گی اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب زبردست تو وہ اپنے شریک کو ہلاک و معدوم کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے بندہ کے دل کو خالص کرے خاص اپنے لئے بغیر شریک کے اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو

دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اسے یہاں تک کر دل جب (خدا کے ان معنوی) شریکوں اور برابری کرنے والوں سے جواہل و عیال، دولت و لذت اور خواہشیں ہیں، نیز ولایت و ریاست کرامات و حالات، منازل و مقالات، جنتوں اور درجات اور قرب و نزدیکی کی طلب سے پاک صاف ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی ارادہ اور آرزو باقی نہیں رہتی، اور وہ مثل سوراخ دار برتن کے ہو جاتا ہے جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، کیونکہ وہ خدا کے فعل سے ٹوٹ جاتا ہے، جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے، خدا کا فعل اور اس کی غیرت اس کو توڑ ڈالتی ہے، تب اس کے دل کے گرد عظمت و جبروت و ہیبت کے پردے ڈال دیے جاتے ہیں اور اس کے گرد اگر کبریائی اور سطوت کی خندقیں کھودی جاتی ہیں کہ وہ کسی چیز کا ارادہ گھسنے نہیں پاتا، اس وقت دل کو اسباب یعنی مال اور اہل و عیال و اصحاب اور کرامات و حکم و بیانات کچھ مضرت نہیں ہوتے، کیونکہ یہ سب دل سے باہر رہتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ ان کی غیرت نہیں کرتا، بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے بندہ کے لئے بطور لطف و کرامت و رزق و نعمت کے ہوتی ہیں اور جو لوگ اس کے پاس آتے ہیں، انہیں نفع پہنچانے کے لئے ہے۔

شکستہ دلوں کی تسکین

حضرت شیخ کے زمانہ میں ایک طبقہ ایسا تھا جو اپنے اعمال و اخلاق اور ایمانی کیفیت کے لحاظ سے پست لیکن دنیاوی حیثیت سے بلند اور ہر طرح سے اقبال مند تھا، اس کے برخلاف دوسرا طبقہ معاشرتی حیثیت سے پست، دنیاوی ترقیات سے محروم، بے بضاعت و تہی دست، لیکن اعمال و اخلاق کے لحاظ سے بلند اور ایمانی کیفیات و ترقیات سے بہرہ مند تھا، وہ پہلے طبقہ کی کامیابیوں اور ترقیات کو بعض اوقات رشک کی نگاہ سے دیکھتا، اور اپنے کسی وقت محروم و نامراد سمجھنے لگتا تھا، حضرت شیخ اس شکستہ دل

طبقہ کی دیکھائی فرماتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی جو عنایات ہیں، ان کا ذکر فرماتے ہوئے اس امتیاز و فرق کی حکمت بیان کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

”اے خالی ہاتھ فقیر! وہ کہ جس سے تمام دنیا بگشتہ ہے، اے گناہ بھوکے پیاسے ننگے، بگڑھلے ہوئے، اے ہر سید و خرابات سے نکالے ہوئے، اے ہر درد سے پھنکائے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے، اے وہ کہ جس کے دل میں (نئی ہوئی) آرزوؤں اور اربابوں کے (کشتوں کے) پستے لگے ہیں، مت کہہ کہ خدا نے مجھ کو محتاج کر دیا، دنیا کو مجھ سے پھیر دیا، مجھے پامال کر دیا، چھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی بجائے پریشان کیا اور جمعیت (خاطر) نہ بخشی، مجھے ذلیل کیا، اور دنیا سے میری کفایت نہ کی، مجھے گناہ کیا، اور خلق میں او میرے بھائیوں میں میرا ذکر بلند نہ کیا، اور غیر پرستی تمام نعمتیں نچا اور کر دیں، جس میں اس کے رات دن گزرتے ہیں، اے مجھ پر اور میرے دیار والوں پر فضیلت دی، حالانکہ وہ بھی مسلمان ہے، اور میں بھی، اور ایک ماں باپ آدم و حوا کی اولاد میں، و نون میں (اے فقیر) خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لئے کیا ہے کہ تیری سرشت میا زین (کے مثل) بے ریت ہے، اور رحمت حق کی بارشیں برابر تجھ پر ہو رہی ہیں، از قسم صبر و رضا و یقین موافقت و علم اور ایمان و توحید کے لوازم تیرے گردا گرد ہیں تو تیرے ایمان کا درخت اور اس کی جڑ اور بیج اپنی جگہ پر مضبوط ہے، کلمے سے رہا ہے، پھل رہا ہے، بڑھ رہا ہے، شاخیں پھیلا رہا ہے، سایہ سے رہا ہے، بلند ہو رہا ہے، روزانہ زیادتی اور نمو میں ہے، اس کے بڑھانے اور پرورش کرنے میں پانس اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں، اس بارہ میں خداوند تعالیٰ تیرے حکم سے فارغ ہے، (کہ وہ خود تیری ضروریات کو بخوبی جانتا ہے) اس نے آخرت میں تجھ کو مقام بخشا ہے، اور اس میں تجھ کو مالک بنایا ہے، اور عقبیٰ میں تیرے لئے اتنی کثرت سے بخششیں رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کان نے سنی، نہ کسی انسان کے دل میں گزریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کون سی آنکھوں کی ٹھنڈکان کے لئے چھپا رکھی گئی ہے، اس کام کے بدلے میں جو وہ کرتے رہے ہیں، جو کچھ دنیا میں ان لوگوں نے

احکام کی بجا آوری ممنوعات کے ترک پر صبر، مقدرات میں تفویض و تسلیم اور کل امور میں خدا کی موافقت کی ہے۔

اور وہ غیر جسے خدا نے دنیا عطا فرمائی اور (مال دنیا کا) مالک کیا ہے، اور نعمت دنیاوی دی، اور اس پر اپنا فضل فرمایا، اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس کے ایمان کی جگہ تیلی اور پھریلی زمین ہے کہ اس میں پانی ٹھہرنا اور درخت اگنا اور پھلتی اور پھل کا پیدا ہونا وقت سے خالی نہیں تو اس زمین پر کھاد وغیرہ ڈالی جاتی ہے جس سے پودوں اور درختوں کی پرورش ہو، اور وہ کھاد دنیا اس کا سامان ہے تاکہ اس سے درخت ایمان اور نہال اعمال کی جو اس زمین میں لگے ہیں، حفاظت ہو، اگر یہ چیز اس سے علیحدہ کر دی جائے تو پودے اور درخت سوکھ جائیں گے اور پھل جاتے رہیں گے، پس گھر ہی اجڑ جائے گا، حالانکہ خداوند تعالیٰ اس کے بنانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اے فقیر! دولت مند آدمی کا درخت ایمان کمزور جڑ کا ہوتا ہے، اور اس توٹنے خالی جو تیرے درخت ایمان میں بھری ہوئی ہے، اس کی مضبوطی، اور اس کا ٹکنا و انہی چیزوں کے جو مال دنیا اور طرح طرح کی نعمتیں اس کے پاس تجھ کو نظر آتی ہیں، اگر درخت کی کمزوری میں یہ چیزیں اس سے الگ کر دی جائیں، تو ایمان کا درخت سوکھ کر کفر و انکار (پیدا) ہو جائے گا، اور وہ شخص منافقین و مرتدین و کفار میں شامل ہو جائے گا، البتہ (اگر) خداوند تعالیٰ دولت مند کی طرف صبر و رضا و یقین علم اور طرح طرح کی سزوں کے لشکر بھیجے اور اس سے اس کا ایمان قوی ہو جائے تو پھر اس کو تو نگری اور نعمتوں کے علیحدہ ہو جانے

کی نہ پروا رہے گی؟

دنیا کی صحیح حیثیت

حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس کے بقدر ضرورت

تأنتفاع سے منع نہیں فرماتے اس کی پرستش اور غلامی اور اس سے قلبی تعلق اور عشق سے منع فرماتے ہیں،

ان کے مواعظ و حقیقت حدیث نبوی "انّ الدّٰنیا خلقت لکم و انکم خلقتم للآخرة" (بیشک دنیا

تمہارے لئے پیدا کی گئی) (یعنی تمہاری لونڈی ہے) اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے) کی تفسیر میں ایک موقع پر فرماتے ہیں۔

دنیا میں سے اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو بلکہ اس کو بادشاہ کے

دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو، دنیا خدمت کرتی

ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوتا ہے اس کو

ذیل کرتی ہے کھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و تو نگری کے قدم پر!

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے۔

دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی

قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز، باقی

دروازہ سے آگے گھستا نہ جائز ہے، نہ تیرے لئے عزت ہے!

خلفاء اور حکام وقت پر تنقید

حضرت شیخ صرف مواعظ، پسند و نصیحت اور ترغیب و تشویق ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، جہاں

ضرورت سمجھتے تھے، بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام

دیتے، حکام و سلاطین اور خلیفہ وقت پر بھی تنقید اور ان کے غلط افعال اور فیصلوں کی مذمت سے بھی باز

نہیں رہتے تھے، اور اس بارہ میں کسی کی وجاہت اور اثر و نفوذ کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے، حافظ

عادل الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

۱۳۵۰ھ فیوض یزدانی، مجلس ۲۱، ۱۳۵۰ھ ایضاً۔ مجلس ۵، ۳۶۳

کان یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر
للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاة
والخاصة والعامۃ یصدعہم بیدایہ
علی رؤس الاشهاد ورؤس المناہر فی
المحافل ویبکر علی من یوقی الظلمۃ
ولا تأخذہ فی اللہ لومة لائمہ

آپ خلفاء و وزراء و سلاطین، قضاة خواص و عوام
سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور رزی
مقالی اور جرات کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں و
برسر منبر علی الاعلان ٹوک دیتے، جو کسی ظالم کو حاکم
بناتا، اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں
کسی لامت کرنے والے کی آپ کو پروا نہ ہوتی۔

صاحب قلائد الجواہر لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتدی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفاریحی بن سعید بن یحییٰ بن اظہر
قاضی بنایا جو ابن المرجم الظالم کے لقب سے مشہور تھا تو حضرت نے برسر منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا
ولیت علی المسلمین اظلم الظالمین
ما جوابک خدا عند رب العالمین
ارحم الراحمین۔

تم نے مسلمانوں پر ایسا شخص کو حاکم بنایا ہے جو
ظلم الظالمین ہے کل کو قیامت کے دن تم اس رب
العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے کیا جواب دے گے؟

موتیخ موصوف کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر رزہ براندام ہو گیا، اور اس پر گریہ طاری ہو گیا، اور اس نے
اسی وقت قاضی کو اس عہدہ سے ہٹا دیا۔

حضرت شیخ ان درباری سرکاری علماء اور مشائخ کی بھی پرزد ترمید لے کر پورے دوری فرماتے تھے جنہوں نے
سلاطین اور ناخدا ترمس حکام کی مصاحبت اختیار کی تھی اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا شعار تھا جس کی
وجہ سے ان سلاطین و حکاکو زیادہ جرات اور بے خوفی پیدا ہو گئی تھی، ایک موقع پر اسی طبقہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔
”اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو!
اے بندگان خدا کے ڈاکو! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں (بتلا) ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا ہاں لو!

لے قلائد الجواہر ص ۲۱۵ ایضاً

اور اے زاہد و شاہان و سلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان کے دنیا کا زوال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں، بارالہا منافقوں کی شرکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرمایا ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما، اور زمین کو ان سے پاک کر دے، یا ان کی اصلاح فرما۔
 ایک دوسرے موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں:-
 • تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمت گاری اور حرام خوردی پر آمادہ کر دیا تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان (ظالم) بادشاہوں کا خدمت گار بنا رہے گا، جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے، ان کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا، جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں ہے۔

دین کے لئے دلسوزی اور فکر مندی

حضرت شیخ دینی اور اخلاقی ان خطاط کو (جس کا سب سے بڑا مرکز خود بغداد تھا) دیکھ دیکھ کر گڑھتے تھے، اور عالم اسلام میں جو ایک عام دینی زوال رونما تھا، اس کے آثار دیکھ کر ان کے سینہ میں حسرت اسلامی اور غیرت دینی کا جوش اٹھتا تھا، وہ اپنے اس قلبی احساس اور درد کو بعض اوقات چھپا نہیں سکتے، اور یہ دریا ان کے خطبات اور مواظبات میں سنڈا آتا ہے۔
 ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:-

• جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد کبھی جاتی ہیں، اے باشندگان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھکے گیا ہے اس کو درست

کردیں یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہئے اسے سورج، اسے چاند اور اسے دن
تم سب آؤ!

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:-

”اسلام دور ہے اور ان فاسقوں، اور ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی
باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے (ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے،
اپنے تقدیر اور نظر کے سامنے والوں کی طرف خور کر و کر امر و نہی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے (اور دونوں)
انتقال پا کر ایسے ہو گئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتابی شکار کرنے اور کھیتی اور
موشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی غیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر خوشی کے
مائے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک ونو لے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا
کرتا ہے، اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا رہتا ہے، مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو
مقصود ہے نہ تو اس کو پورا کرتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے (بلکہ اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا
ہے اور اس کی حدود و شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔“

بیعت و تربیت

ان پر تاثیر اور انقلاب آفریں مواعظ سے اگرچہ اہل بختاد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع
پہونچا، اور ہزار ہا انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی، لیکن زندگی کے گہرے تغیرات ہمہ گیر
اصلاح اور مستقل تربیت کے لئے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی
ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں

۱۷ ملفوظات ص ۶۴۹ (فیوض یزدانی) ۱۷ ایضاً ص ۶۶۱ (فیوض یزدانی)

الطالبعین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے ان مجالس کے شرکار و سامعین
 آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ و عطا سن کر چلے جائیں پھر کبھی نہ آئیں یا ہمیشہ آتے رہیں لیکن اپنی حالت پر
 قائم رہیں اور ان کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلا اور دینی اور اخلاقی شکاف باقی رہیں۔

اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مدارس کے
 ذریعہ سے (جن کو بہت سی رسوم و قیود کا پابند ہونا پڑتا ہے) عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا
 تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی و روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی پھر اس کی کیا صورت تھی کہ
 مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں اور پابندیوں کو شعور اور احساس
 ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے افسرہ
 و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اس کے مضمحل قوی میں پھر حرکت اور نشاط پیدا ہو، اس کو کسی
 نخلص خدا شناس پر اعتماد ہو، اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین میں صحیح
 روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ خلافت جس کا یہ اصلی فرض تھا اس لئے کہ
 جس نبی کی نیابت و نسبت پر یہ خلافت قائم تھی بقول سیدنا عمر ابن عبدالعزیز وہ ہدایت کے لئے مبعوث
 ہوا تھا جہاں (تحصیل و حصول) کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھی بلکہ اپنے
 اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھی دوسری طرف وہ اس قدر
 بدگمان تو ہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھی کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں وہ قیادت اور ریاست
 کی آمیزش پاتی، برداشت نہیں کر سکتی تھی اس کو فوراً کچل دیتی۔

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے
 کے لئے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ایمان و عمل
 اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی

سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ نائب پیغمبران کی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کمی یا اثر صحبت اپنے شعلہ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت گری محبت، خلوص ولہبیت، جذبہ اتباع سنت اور شوقِ آخرت پیدا کرے، ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کر انھوں نے ایک نئی زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربہ و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب، اخلاص، اور ان کے اعمال و عبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت و تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں اجیاد و تجدید دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے اور لاکھوں بندگان خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجہ احسان تک پہنچا دیا ہے اس سلسلہ زریں کے سر حلقہ اور گلی سر سید حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا نام اور کام اس طب نبوی کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے، الفاظ و اصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات و حقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ بہل اور عمومی اور اس سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستے سے کام کیا ہے اور ان کی تاریخ محفوظ ہے لیکن حضرت شیخ نے اپنی محبوب و دلاویز شخصیت، خدا داد اور روحانی کمالات، فطری علو استعداد اور ملکہ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادیہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے

سر ہے، آپ سے پہلے وہ انشادوں و مرتب اور کمال و منضبط نہ تھا، نہ اس میں اتنی عمومییت اور وسعت
 ہوئی تھی، جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہو گئی، آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس
 طریقے سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا، اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور
 آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور
 تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان
 نہیں کر سکتا، چین، ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سماٹرا میں
 اور دوسری طرف افریقہ کے بڑے عظیم میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے
 قبول اسلام کا ذریعہ بنا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه وجزاه عن الاسلام خیر الجزاء۔

زمانہ پراثر

حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا، اور ایک بڑی تاثیر الہی
 آپ کی ذات آپ کے کمالات آپ کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار اور خلق اللہ
 میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور ان کی
 سیرت و زندگی سب اسلام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا، اور اس حقیقت کا اظہار
 تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت، تہذیب نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے اور
 اس کا خزانہ عامرہ کبھی جو اہرات و نادرات سے خالی نہیں۔

وفات

ایک طویل مدت تک عالم کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے مستفید کر کے اور عالم اسلام میں

روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالمگیر ذوق پیدا کر کے ۱۹۵۶ء میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور
صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیسیٰؒ آپ کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں۔

• جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے کہ جس میں انتقال فرمایا تو آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ سے
عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے کہ آپ کے بعد اس پر عمل کروں، فرمایا ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو اور خدا کے سوا کسی
سے نہ ڈرو، اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھو، اور اپنے تمام ضروریات اللہ کے سپرد کر دو، صرف اسی پر
بھروسہ رکھو، اور سب کچھ اسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر وثوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید
پر سب کا اجماع ہے، اور فرمایا جب دل خدا کے ساتھ درست ہو جاتا ہے، تو کوئی چیز اس سے چھوٹی نہیں ہے،
اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے، اور فرمایا میں مغز بے پوست ہوں، اور اپنے صاحبزادوں سے
فرمایا میرے گرد سے ہٹ جاؤ، میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں اور باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں،
میرے پاس تمہارے سوا اور لوگ (فرشتے) حاضر ہیں، ان کے لئے جگہ خالی کرو، اور ان کے ساتھ ادب
کرو، یہاں بڑی رحمت نازل ہے، ان کے لئے جگہ تنگ نہ کرو، اور آپ بار بار فرماتے تھے، تم پر سلام اور
خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں! اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے، اور میری اور تمہاری توبہ قبول
کرے، بسم اللہ! آؤ اور واپس نہ جاؤ، اور یہ آپ ایک دن ایک رات برابر فرماتے رہے، اور فرمایا
تم پر افسوس! مجھے کسی چیز کی پروا نہیں، نہ کسی فرشتہ کی، نہ ملک الموت کی، نہ ملک الموت! ہمارے
کارساز تم سے زیادہ ہم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، اور اس دن جس کی شب کو آپ نے رحلت فرمائی
ایک بڑی سخت چیخ ماری تھی، اور آپ کے دو صاحبزادے شیخ عبدالرزاق و شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ
آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلاتے، اور فرماتے تھے، تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور برکتیں! حق
کی طرف رجوع کرو، اور صفت میں داخل ہو، میں ابھی تمہارے پاس آیا، اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ
نری کرو، پھر آپ پر امر حق آیا، اور موت کے نشہ نے غلبہ کیا، اور آپ نے فرمایا، میرے اور تمہارے اور

تمام خلق کے درمیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مجھے کسی پقیاس نہ کرو، اور نہ کسی کو مجھ پر پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ کی تکلیف اور حال دریافت کیا تو فرمایا مجھ سے کوئی نہ پوچھے، میں علم الہی میں پٹے کھا رہا ہوں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ کے مرض کو پوچھا تو فرمایا میرے مرض کو نہ کوئی جانتا ہے، اور نہ کوئی سمجھتا ہے، نہ انسان نہ جن، نہ فرشتہ، خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا، حکم بدل جاتا ہے، اور علم نہیں بدلتا، حکم نسوخ ہو جاتا ہے، علم نسوخ نہیں ہوتا، الشرح چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور باقی رکھتا ہے، اور اس کے پاس اصلی تحریر ہے، جو کچھ وہ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوتی، اور خلق سے باز پرس ہوتی ہے، صفات کی خبریں گزر رہی ہیں، جیسی آئی ہیں، پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ فرمایا میرے کل اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں، مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں، اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے، پھر آپ کا وقت اخیر آیا، تو آپ فرمانے لگے، میرا اس خدا سے مدد چاہتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے، اور زندہ ہے، جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، پاک ہے، وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی، اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ نے لفظ "تَعَزَّزَ" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا، تب آپ بار بار اسے دہراتے تھے یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند اور سخت کر کے لفظ "تَعَزَّزَ" اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا پھر تین بار اللہ اللہ اللہ فرمایا، اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہو گئی، اور زبان تالو سے چپک گئی، اور روح مبارک رخصت ہو گئی۔ رضی اللہ عنہما وارضاهما!

حضرت شیخ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور نفوس و اخلاق کے مربیوں

کی ایک جماعت چھوڑ گئے جس نے آپ کے کام کو جاری رکھا، اور پڑھتی ہوئی مادیت اور غفلت کا مقابلہ کرتے رہے۔

لے حضرت شیخ کے بعد جن عارفین و صلحین نے دعوت و تذکیر اور تربیت نفوس کا کام پوری طاقت اور عزم و ہمت سے جاری رکھا، اور غفلت اور دنیاوی انہماک کا مقابلہ اور اطلاق اور نفسانی امراض کا علاج کیا، ان میں حضرت شیخ کے فیض یافتہ اور شیخ بغدادی شیخ ابوالنجیب سہروردی کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ الشیوخ ابو حفص شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۵۹۳-۵۶۳۲ھ) سب زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے، جو طبعاً سہروردیہ کے بانی اور تصوف کی مقبول کتاب "عوارث المعارف" کے مصنف ہیں۔

ابن خلکان لکھتے ہیں: لم یکن فی اخر عمرہ فی عصرہ مثله وکان شیخ الشیوخ ببغداد (اخیر عمر میں ان کے زمانہ میں ان کی نظیر نہ تھی) اور وہ بغداد کے سب سے بڑے شیخ اور اپنے فن میں مرجع تھے (ابن النجار کہتے ہیں) "انہت الیہ الوریاستہ فی ترمیۃ المریدین ودعاء الخلق الی اہلئہ" (تربیت مریدین اور دعوت الی اللہ کے کام میں وہ مرجع خلائق تھے) ابن خلکان کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ کے مشائخ دور دور سے ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور استفادہ کرتے رہتے تھے، شیخ کے مواعظ سے خلق اللہ کو بہت نفع ہوا، ابن خلکان کے الفاظ ہیں: وکان لہ مجلس وعظ وعلی وعظہ قبول کثیر ولہ نفس مبارک، وہ اہتمام سے وعظ فرمایا کرتے تھے، ان کے وعظ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت عطا فرمائی، اور ان کے انعام تبرک سے لوگوں کو بڑا نفع تھا۔

تصوف کو بدعات سے پاک کرنے اور کتاب و سنت کو اس کا ماخذ بنانے کی کوشش میں حضرت شیخ کا تجدیدی حصہ ہے، ان کی کتاب "عوارث المعارف" کو اگر اس فن کی قدیم کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ان کی اس تجدیدی کام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ شہاب الدین کو بڑے بلند پایہ اور عالی استعداد خلفاء عطا فرمائے جنہوں نے دعوت و تربیت کا کام بڑی قوت و وسعت کے ساتھ انجام دیا، ان کے صرف ایک خلیفہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا الحناتانی سے ہندوستان میں جو فیض پہنچا اور خلق اللہ کو ہدایت ہوئی، وہ ان کی جلالت و قدر اور عظمت شان کے لئے کافی ہے۔

(حاشیہ علی الحاشیہ) لے وفيات الاعیان ج ۳ ص ۱۱۹ (النہضۃ المصریہ) لے مرآة البجنان لیا قلمی ج ۲ ص ۱۱۹

لے وفيات الاعیان ج ۳ ص ۱۲۰ لے نواب صدیق حسن خان مرحوم لکھتے ہیں۔ در تصوف سنی کتب بہتر از اہل اہل

زیست "تقصیر وجود الاحرار" ص ۶۳

علامہ ابن جوزی

عبد الرحمن ابن جوزی دعوت و اصلاح کا ایک دوسرا نمونہ ہیں وہ اپنے زمانہ کے یکتائے روزگار مفسر، محدث، مورخ، ناقد، مصنف اور خطیب ہیں اور ان میں سے ہر موضوع پر ان کی ضخیم تصنیفات اور علمی کارنامے ہیں۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم

۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، گویا حضرت شیخ سے ۲۷ سال چھوٹے ہیں، بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو ماں نے مشہور محدث ابن ناصر کی مسجد میں چھوڑ دیا، ان سے حدیث سننی، قرآن مجید حفظ کیا، اور تجوید میں مہارت پیدا کی، ایشیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی، اور بڑی محنت و انہماک اور جفاکشی سے علم کی تحصیل کی، اپنے صاحبزادہ سے اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

• مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں کتب میں داخل ہوا، بڑی عمر کے طلبہ میرے ہم سبق تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں یا زور سے ہنسا ہوں، سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے کے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا، وہ حدیث و سیرت کی جو بات کہتا، وہ مجھے زبانی

یاد ہو جاتی، پھر گھر جا کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے و جملہ کے کٹارے کھیل کرتے تھے، اور میں کسی کتاب کے اوراق کے کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

میں اساتذہ و شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی، صبح اور شام اس طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق کی احسان مندی سے بچایا۔

کتابت حدیث میں انہماک

حدیث کی سماعت و کتابت میں اتنا اشتغال رہا، اور اپنے ہاتھ سے مرویات حدیث کی اتنی کتابت کی کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور بڑا دہ سے گرم کیا جائے جو حدیث کے لکھنے کے لئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، چنانچہ وہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو گیا اور وہ بچ رہا۔

ذوق مطالعہ

مطالعہ کا ذوق اور اس کی حرص بچپن ہی سے بڑھی ہوئی تھی، بعد از عظیم الشان کتابی ذخیروں اور وسیع کتب خانوں سے مالا مال تھا، ابن جوزی کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا، ان کا مطالعہ کسی خاص فن یا موضوع سے مخصوص نہ تھا، وہ ہر موضوع کی کتابیں پڑھتے تھے، اور ان کو آسودگی نہیں ہوتی تھی، "صید الخصال" میں جو ان کے خیالات و تاثرات کا شکول ہے، لکھتے ہیں:-

• میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب

کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دفتہ ہاتھ آ گیا، اگر میں کہوں کہ میں بیس ہزار

کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا، اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے، مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات و اخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوتِ حافظہ، ذوقِ عبادت اور علومِ نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا، جو ان کتابوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی سطحِ پست معلوم ہونے لگی، اور اس وقت کے طلبہ، علم کی کم ہمتی منکشف ہو گئی۔

تصنیف و تالیف اور تحریر علمی

علامہ ابن جوزی تصنیف و تالیف کی طرف نو عمری ہی سے متوجہ ہوئے، روزانہ چار جزو لکھنے کا زندگی بھر معمول رہا، حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی تالیفات شمار کیں، تو ہزار تک پہنچیں، حدیث میں ایسا بلند پایہ رکھتے تھے کہ دعویٰ سے کہتے تھے کہ ہر حدیث کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال ہے، ادب و انشا و خطابت میں بغداد میں ان کی نظیر نہ تھی۔

تقویٰ اور ذوقِ عبادت

ان علمی کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دیانت و تقویٰ اور ذوقِ عبادت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، ان کے نواسر ابو المنظر کہتے ہیں کہ وہ ہر سہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا، بچپن میں کسی بچہ کے ساتھ کھیلتے نہیں، کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی، ساری عمر ہی حال رہا، ابن النجار کہتے ہیں کہ ان کو از ذوق صحیحہ حاصل تھی، اور حلاوتِ مناجات و لذتِ دعا کے ذوق آشنا تھے، ابن الفارسی کا بیان ہے کہ شب بیدار تھے اور ذکر اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے، ان کی تصنیفات اور حالات و اشارات سے خود معلوم ہوتا ہے کہ چشمِ بینا اور دل بیدار رکھتے تھے، اور جمعیتِ خاطر اور تعلق

معشر کو سرمایہ زندگی سمجھتے تھے اور اس میں کی آنے سے بچپن و مضطرب ہو جاتے تھے، تصدیر خاطر میں اپنی ایک حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

• ابتدائے عمر ہی سے میرے اندر طریق زہد اختیار کرنے کی رغبت اور اندرونی تقاضا تھا، روزے اور نوافل کا اہتمام و التزام تھا، اور تنہائی مرغوب تھی، اس وقت میرے دل کی بڑی اچھی حالت تھی، میری چشم بصیرت روشن اور سرلیح الادراک تھی، عمر کا جو لمحہ بغیر طاعت کے گزر جاتا، اس پر افسوس ہوتا، ایک ایک گھڑی غنیمت معلوم ہوتی، اور زیادہ سے زیادہ عمل اور خدا کی رضا کا کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا، مجھے اللہ کے ساتھ ایک تعلق اور انس اور دعا میں لذت و حلاوت محسوس ہوتی، اس کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ بعض حکام و اہل کاران سلطنت میری حسن تقریر اور وعظ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے مجھے اپنی طرف مائل کیا، اور طبیعت بھی مائل ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حلاوت جو دعا و مناجات میں محسوس ہوتی تھی، جاتی رہی پھر دوسرے حاکم نے اپنی طرف مائل کیا، (مشتبہ چیزوں کے ڈر سے) اس کے اختلاط اور کھانے پینے سے بچتا تھا، اور میری حالت کچھ بڑی نہ تھی، پھر رفتہ رفتہ تاویل کا دروازہ کھل گیا، اور میں نے باحاطت میں آزادی سے کام لیا، تو وہ ساری کیفیت جاتی رہی، جتنا میں ان حاکموں سے ملتا اور ان کے ساتھ ٹھنکاتا بیٹھتا تھا، قلب کی تاریکی بڑھتی جاتی، یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوا کہ وہ روشنی بجھ گئی، اور قلب تاریک ہو گیا، اس صورت حال سے میری طبیعت میں ایک بچپنی پیدا ہوئی، اس بچپنی کا اثر مجلس و عطا کے سامعین پر یہ پڑا کہ وہ بھی بچپن اور متاثر ہونے لگے اس بچپنی کے اثر سے ان کو بکثرت توبہ اور اصلاح کی توفیق ہوتی، اور میں خالی ہاتھ کا خالی ہاتھ رہتا، اپنی اس مفلسی اور بد قسمتی کو دیکھ کر میرا اضطراب اور بڑھا، لیکن کوئی علاج بن نہ آیا، آخر میں نے صاحبین کی قبور کی زیارت کی، اور ان سے اپنے دل کی اصلاح کی دعا کی، بالآخر اللہ کے لطف و کرم نے میری دستگیری کی، اور مجھے کشاں کشاں خلوت کی طرف مائل کیا، جس سے

مجھے وحشت تھی اور وہ دل جو میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا، پھر قابو میں آیا، اور جو حالت مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی تھی اس کا عیب مجھ پر ظاہر ہوا، میں اس خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اور میں نے اپنے ہر بان و شفیق آقا (خدا) کا دل کھول کر شکر ادا کیا!

ظاہری محاسن و اوصاف

ابن جوزی اس لازوال دولت کے ساتھ دولتِ دنیا و دولتِ عاقبت اور دولتِ جمال سے بھی بہرہ مند تھے، موفیٰ عبداللطیف کہتے ہیں کہ وہ نہایت خوش پوشاک، خوش خوراک، خوش مذاق، اور نفیس طبع تھے، ابن الدینی کہتے ہیں کہ وہ شیریں زبان، شیوہ بیان، خوش آواز، موزوں قامت اور خوش اندام تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ فراخ دست اور باحرمت رکھا، اپنی صحت اور اعتدال مزاج کا بڑا اہتمام رکھتے، اور ایسی چیزوں کا استعمال کرتے رہتے، جو ذکاوت و لطافت مزاج میں معین ہیں، صید الخاطر میں جا بجا صحت کی حفاظت، اعتدال مزاج، اور بد پرہیزی سے پرہیز کرنے کی تلقین کی ہے، تلبیس ابلیس میں زہد کے مبالغہ آمیز اور تشددانہ عجیبی رجحانات پر جا بجا تنقید کی ہے۔

بلند ہمتی اور جامعیت کا شوق

ان کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی اور سب کمالات اور جامعیت کا شوق ہے، جس کا اظہار انہوں نے اپنے حالات میں جا بجا کیا ہے، انہوں نے جب کبھی مشہور و موصلہ مندوں اور بلند ہمتوں کا جائزہ لیا ہے، ان کی موصلہ مندی اپنی بلند ہمتی کے سامنے لپست اور محدود و نظر آئی ہے، صید الخاطر میں ایک جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں۔

”انسان کے لئے سب سے بڑی ابتلا اس کی بلند ہمتی ہے، اس لئے کہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے، وہ

بلند سے بلند مراتب کو انتخاب کرنا ہے، پھر کبھی زمانہ مساعد نہیں ہوتا، کبھی وسائل مفقود ہوتے ہیں، تو ایسا شخص ہمیشہ کوفت میں رہتا ہے، مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا فرمایا ہے اور اس کی وجہ سے میں بھی تکلیف میں ہوں، لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش مجھے یہ بلند حوصلہ عطا ہوتا، اس لئے کہ زندگی کا پورا لطف اور بے فکری بے عقلی اور بے حسی کے بغیر نہیں، اور صاحبِ عقل یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی عقل کم کر دی جائے اور زندگی کا لطف بڑھا دیا جائے، میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بلند ہمتی کا بڑی اہمیت سے ذکر کرتے ہیں، لیکن غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی ساری بلند ہمتی صرف ایک ہی صنف اور شعبہ میں ہے، اس کے علاوہ دوسرے شعبوں میں (جو بعض اوقات ان کے شعبہ سے زیادہ اہم ہوتے ہیں) ان کو اپنی کمی یا پستی کی کوئی پروا نہیں، شریفِ رومی اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ ہر جسم کی لاغری کا ایک سبب ہے، اور میرے جسم کی مصیبت میری بلند ہمتی ہے، لیکن میں نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حکومت کے سوا اس کا کوئی مطلع نظر نہ تھا، ابو مسلم خراسانی اپنی جوانی کے زمانہ میں سوتانا تھا، کسی نے اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ دماغ روشن، ہمت بلند، نفس بندیوں کا حریف، اس سبب سے ہوتے ہوئے پست اور محدود زندگی، بھلا نیند کس طرح آئے؟ کسی نے کہا کہ تمہاری تسکین کس طرح ہو سکتی ہے؟ کہا کہ صرف اس طرح کہ سلطنت حاصل ہو جائے، لوگوں نے کہا کہ پھر اس کی کوشش کرو، اس نے کہا کہ یہ خطروں میں پڑے اور جان کی بازی لگانے بغیر ممکن نہیں، لوگوں نے کہا کہ پھر کیا مانع ہے؟ کہا کہ عقل روکتی ہے، پوچھا گیا کہ پھر کیا ارادہ ہے؟ کہا کہ پھر عقل کا مشورہ قبول نہیں کروں گا، اور نادانی کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور سے دوں گا، نادانی سے خطرہ مول لوں گا اور جہاں عقل کے بغیر کام نہیں چلتا، وہاں عقل سے کام لوں گا، اس لئے کہ گناہی اور افلاس لازم و ملزوم ہیں، میں نے اس فریب خوردہ حوصلہ مند (ابو مسلم) کے حالات پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ اس نے سب اہم مسئلہ ہی کی بیخ کنی کر دی، اور وہ مسئلہ آخرت ہے، وہ حکومت کی طلب میں دیوانہ رہا، اس کی خاطر

اس نے کتنا خون بہایا، کتنے بے گناہ بندگان خدا کو قتل کیا، یہاں تک کہ اس کو دنیاوی لذتوں کا ایک قلیل حصہ حاصل ہوا، جو اس کا مطلوب تھا، لیکن اس کو آٹھ سال سے زیادہ اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ ملا، اس کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا، وہ اپنی عقل سے اپنا کوئی بندوبست نہ کر سکا اور (سفاوح کے ہاتھوں) قتل ہو کر دنیا سے بڑی بڑی حالت میں رخصت ہو گیا، اسی طرح تنہائی نے اپنی بند ہمتی اور جوصلہ بندی کا بڑا نرازا نکال دیا ہے، لیکن میں نے دیکھا کہ اس کو محض دنیا کی ہوس تھی۔

لیکن میری عالی ہمتی کا معاملہ عجیب ہے، میں علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک مجھے یقین ہے کہ پہنچ نہیں سکوں گا، اس لئے کہ میں تمام علوم کا حصول چاہتا ہوں، خواہ ان کا کچھ موضوع ہو، پھر ان میں سے ہر علم کی تکمیل اور احاطہ چاہتا ہوں، اور اس مقصد کے ایک حصہ کا حصول بھی اس چھوٹی سی عمر میں ناممکن ہے، پھر میرا یہ حال ہے کہ اگر کسی فن میں کسی کو کمال حاصل ہوتا ہے، اور دوسرے فن میں وہ ناقص ہوتا ہے، تو مجھے وہ ناقص نظر آتا ہے، مثلاً حدیث فقہ سے بے بہرہ ہے، فقہ حدیث سے بے خبر، میرے نزدیک علم کا نقص ہمت کی پستی کا نتیجہ ہے، پھر علم سے میرا مقصود پورا پورا عمل ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ مجھ میں بشر حافی کی احتیاط اور معروف کرخی کا زہد جمع ہو جائے، پھر یہ بات تصانیف کے مطالعہ، عامۃ الناس اور بندگان خدا کو تسلیم و افادہ اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کے شاعلی کے ساتھ بہت مشکل ہے، پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مخلوق سے مستغنی رہوں، اور بجائے ان کا احسان لینے کے ان پر احسان کرنے کے قابل بن سکوں، دماغی ایک علم کے ساتھ اشتغال کسب معاش سے مانع ہے، دوسروں کا ممنون ہونے اور ان کے شلوک و ہدایا کو قبول کرنے کو میری ہمت گوارا نہیں کرتی، پھر مجھے اولاد کی بھی خواہش ہے، اور بلند پایہ تصانیف کا بھی شوق ہے، تاکہ یہ سب میری یادگار اور دنیا سے جانے کے بعد میرے قائم مقام ہوں، اس کا اہتمام کیا جائے تو دل کے پسندیدہ اور محبوب مشغلہ خلوت و تنہائی میں فرق آتا ہے، اور طبیعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے، پھر مجھے طبیعت

مستحبات سے جائز لطف لینے کا بھی شوق ہے، لیکن اس میں مال کی کمی سدراہ ہے، پھر اگر اس کا سامان بھی ہو جائے تو جمعیت خاطر خصت اسی طرح میں ان غذاؤں اور ایسے کھانے پینے کا بھی شائق ہوں، جو جسم کے موافق اور اس کے لئے مفید ہوں، اس لئے کہ میرا جسم نفاست پسند اور شائق واقع ہوا ہے، لیکن مال کی کمی یہاں بھی رکاوٹ بنتی ہے، یہ سب درحقیقت اخذ کو حرج کرنے کی کوشش ہے، بھلا اس مالی ہمتی کا مقابلہ وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں، جن کو صرف دنیا مطلوب ہے، پھر میری خواہش یہ بھی ہے کہ دنیا کا حصول اس طرح ہو کہ میرے دین پر آئینہ نہ آئے، اور وہ بالکل محفوظ ہو، اور نہ میرے علم اور عمل پر کچھ اثر پڑے، میری بے چینی کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے، ایک طرف مجھے شب بیداری عزیز ہے، احتیاط و تقویٰ کا اہتمام ہے، دوسری طرف علم کی اشاعت و افادہ اور تصنیف و تالیف اور جسم کے مناسب غذائیں بھی مطلوب ہیں، اور یہ بغیر قلب کی مشغولیت کے ممکن نہیں، ایک طرف لوگوں سے ملنا جلتا اور ان کی تعلیم بھی ضروری ہے، دوسری طرف خلوت و تنہائی کی دعا و مناجات کی حلاوت میں کمی ہو تو اس پر سخت ناسف و رنج ہوتا ہے، متعلقین کے لئے قوت الاموت کا انتظام کیا جائے تو زہد و احتیاط کے معیار میں فرق آتا ہے، لیکن میں نے اس ساری تکلیف اور کوفت کو گوارا کر رکھا ہے، اور راضی برضا ہو گیا ہوں، اور شاید میری اصلاح و ترقی اسی تکلیف و کشمکش میں ہے، اس لئے کہ بلند ہمت ان اعمال کی فکر میں رہتے ہیں، جو خدا کے یہاں باعث تقرب ہیں، میں اپنے انفاس کی حفاظت کرتا ہوں، اور اس سے احتیاط کرتا ہوں، اور اس سے احتیاط کرتا ہوں، کہ ایک سال بھی کسی لائسنی کام میں صرف ہوں

اگر میرا مطلوب حاصل ہو گیا تو سبحان اللہ ورنہ نیت المؤمن خیر من عملہ

مجالس و عطا اور تاثیر

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس ہیں، ان مجالس و عطا

نے سارے بغداد کو زیر و زبر کر رکھا تھا، خلفاء و سلاطین، وزراء اور اکابر علماء ان میں بڑے بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ آدمی ایک ایک وعظ میں شمار کئے گئے ہیں، دس ہزار ہزار آدمیوں سے تو کسی طرح کبھی کم نہ ہوتے، تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کرتے، وجد و شوق میں گریبا پھاڑتے، لوگوں کی چھین نکل جاتیں، آنسوؤں کی جھریاں لگ جاتیں، توبہ کرنے والوں کا کچھ شمار نہ تھا، اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس ہزار یہودی عیسائی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی۔

ابن جوزی نے اپنی مجالس وعظ میں بدعات و منکرات کی کھل کر تردید کی عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا، اپنی بے مثل خطابت زبردست علمیت اور عام رجوع کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ ہوا، سنت کو ان کے مواعظ و درس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا، اور خلیفہ وقت اور امرا بھی ان کے (جو اس زمانہ میں مسلک سلف اور طریقہ سنت کی نشانی سمجھے جاتے تھے) معتقد اور ان کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے۔

ان کی ناقدانہ تصانیف

ابن جوزی نے زبانی وعظ و تقریر پر اکتفا نہیں کیا، انھوں نے متعدد کتابیں ایسی لکھیں، جنھوں نے علمی طبقہ پر اثر ڈالا، اور غلط رجحانات کی اصلاح کی۔

کتاب الموضوعات

یہ موضوعات حدیث پر ان کی ایک کتاب ہے، جس میں انھوں نے ان حدیثوں کی حقیقت بیان کی ہے، جن سے اس زمانہ کے اہل ہوی یا ضعیف العلم متصوفین استدلال کرتے تھے، اور وہ لوگوں کی گمراہی اور

صدہا غلط فہمیوں کا باعث بنتی تھیں اس طرح انہوں نے اس شاخ پر تیشہ چلایا جس پر اہل بدعت نے ایشیاء بنایا تھا، اگرچہ اس میں ان سے خود کہیں کہیں بے اعتدالی ہوئی ہے، اور انہوں نے کہیں کہیں سخت فیصلہ صادر کیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب نے ایک مفید خدمت انجام دی۔

تلبیس ابلیس

ان کی دوسری ناقذانہ تصنیف تلبیس ابلیس ہے، جو ان کی نقاد طبیعت اور سلفی ذوق کا اصلی نمونہ ہے، اس کتاب میں انہوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے، اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے دیکھا ہے، اور اس کی کمزوریوں بے اعتدالیوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی کی ہے، اور دکھلایا ہے کہ شیطان نے کس کس طرح سے اس امت کو دھوکا دیا ہے، اور کن کن راہوں کے عقائد اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے، انہوں نے اس کتاب میں کسی طبقہ اور کسی شخص کی رعایت نہیں کی، اور کسی کو معاف نہیں کیا ہے، اس میں علماء و محدثین فقہاء و احناف، ادباء شعراء، سلاطین و حکام عباد و زہاد، صوفیہ اہل دین اور عوام کی علیحدہ علیحدہ کمزوریاں، غلط رسوم و عادات مغالطے اور بے اعتدالیاں بیان کی ہیں، یہ کتاب ان کی وسعت نظر زندگی سے واقفیت، باریکی بینی اور دقیقہ رسی کا کامیاب نمونہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے شیطان کی تلبیس و سیاہ کاری کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور مذاہب کی تاریخ اور گمراہ فرقوں کے عقائد سے وہ بہت باخبر تھے۔

مختلف طبقات پر تنقید

اس کتاب میں اگرچہ کہیں کہیں وہ اپنی تنقید میں حد سے بڑھ گئے ہیں، اور انہوں نے فیصلہ کرنے میں

عملت اور شدت سے کام لیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں بڑی کارآمد چیزیں بڑے بیش قیمت

آقبا سات اور بہت ہی صحیح تنقید میں ملتی ہیں اور اکثر جگہ مانتا پڑتا ہے کہ ان کی گرفت صحیح اور ان کی تنقید حق بجانب ہے، یہاں پر اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

اپنے زمانہ کے ان علماء پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جو فقہ کے مسائل و جزئیات میں دن رات منہمک تھے اور اس فن میں موٹنگافیاں کرتے رہتے تھے۔

ان فقہاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور و فکر میں ہے، انھوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے جن سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابہ کرام کے حالات کا مطالعہ و بیان، سب جانتے ہیں کہ محض ازالہ ^{سبت} اور متغیر کے مسائل کے بار بار دہرانے سے قلوب میں نرمی اور خشیت نہیں پیدا ہو سکتی، قلوب کو تذکیر اور مواظف کی ضرورت ہے، تاکہ آخرت طلبی کی ہمت اور شوق پیدا ہو، اختلافی مسائل اگرچہ علوم شریعت سے خارج نہیں، مگر حصول مقصد کے لئے کافی نہیں ہیں، جو سلف کے حالات اور ان کے حقائق و اسرار سے واقف نہیں اور جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے، ان کے حالات سے باخبر نہیں، وہ ان کے راستہ پر کیسے چل سکتا ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ طبیعت چور ہے، اگر اس کو اسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ اہل زمانہ کے طبائع سے اخذ کر لے گی، اور ان ہی کی طرح ہو جائے گی، اور اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا تو ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جائے گی، اور ان کا رنگ اور ان کے سے اخلاق پیدا ہوں گے، سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو، قاضی شریح کے موفیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔

واعظین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ان میں سے اکثر لوگ بڑی آراستہ اور بڑی پر تکلف عبارت بولتے ہیں جو اکثر بے معنی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں مواعظ کا بڑا حصہ حضرت موسیٰ کوہ طور، یوسف زلیخا کے قصوں سے متعلق ہوتا ہے۔ فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے، اسی طرح گناہ سے بچنے کا ذکر کبھی نہیں ہوتا، ایسے مواعظ سے ایک زانی، ایک سود خوار کو توبہ کرنے کی ترغیب اور توفیق کیسے ہو سکتی ہے، اور کب عورت کو شوہر کے حقوق ادا کرنے اور اپنے تعلقات درست کرنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے، اس لئے کہ یہ مواعظ ان مضامین سے خالی ہوتے ہیں، ان واعظوں نے شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے، اسی لئے ان کا بازار خوب گرم ہے، اس لئے کہ حق ہمیشہ طبیعتوں پر جاری ہوتا ہے، اور باطل ہلکا اور خوشگوار لگتا ہے۔ آگے کہتے ہیں:۔

”کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واعظ سچا اور خیر خواہ ہوتا ہے، لیکن جاہ طلبی اس کے دل میں سرایت کر چکی ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت و تعظیم کی جائے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرا واعظ اس کی قائم مقامی کرے، یا اصلاح کے کام میں اس کی مدد کرنا چاہے تو اس کو ناگوار ہوتا ہے، حالانکہ اگر یہ مخلص ہوتا، تو اس کو اس سے کبھی ناگواری نہ ہوتی۔^۱ یہی تنقید ان کی علماء پر بھی ہے کہ:۔

”اگر طلبہ کسی اور عالم یا مدرس کے پاس چلے جائیں، جو علم میں اس سے فائق ہے تو اس عالم کو اس سے بڑی گرانی ہوتی ہے، یہ مخلص کی شان نہیں ہے، اس لئے کہ مخلص علماء اور مدرسین کی مثال طباء کی سی ہے، جو لوہہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر کسی مریض کو کسی طبیب کے ہاتھ سے شفا ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔^۲ حکام و سلاطین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

۱۔ تبیس، تبیس ۱۲۵، ایضاً ۱۳۵، تبیس، تبیس ۱۳۱ (نقد مسالک العلماء، الکاملین)۔

یہ حضرات شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل حلال نہیں ان کو یہ دھوکہ ہے کہ یہ سیاست جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شریعت ناقص ہے اس کو تکمیل اور ضمیر کی ضرورت ہے اور ہم اپنی رائے سے اس کی تکمیل کر رہے ہیں یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے اس لئے کہ شریعت سیاست الہی ہے اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا فَوْضْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) اور ارشاد ہے كَلَّا مَعْجِبَ بِحِكْمِهِ (اس کے حکم کو کوئی مٹانے والا نہیں) تو جو اس سیاست کا مدعی ہے وہ دراصل شریعت میں خلل اور کمی کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ کفر کی بات ہے۔

ان حکام و امراء اور سلاطین کی ایک دوسری کمزوری اور مخالطہ کا ذکر کرتے ہیں:-
 "مما صی پر امرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلی اور کی ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کرتے ہیں شیطان اس کو سمجھاتا ہے کہ اس گناہوں کا پلرا ہکا ہو جائے گا، حالانکہ اس غیر سے اس شر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس گزرا، اس جنگی وائے نے اس کی کشتی روک لی، وہ تاجر اپنے زمانہ کے مشہور مرد صالح مالک بن دینار کے پاس آیا، اور ان کے واقعبیان کیا، مالک بن دینار جنگی وائے کے پاس گئے، اور اس تاجر کی سفارش کی، اس نے اس کی بڑی تمیز کی، اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی، وہیں سے کہلوادیا ہوتا، ہم تمہیں کھیل کرتے پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی، انھوں نے اس برتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ جنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس برتن سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے پھر فرمایا کہ میں تمہارے حق میں کیا دعا کروں جبکہ ہزار آدمی تمہارے لئے بد دعا کرتے ہیں کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی"

ایک جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ "ان امراء اور دنیا داروں کو علماء و فقہار سے زیادہ خلافت شرع پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں کی عقیدت و محبت ہوتی ہے" اور ان پر وہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں، جبکہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے، اس لئے کہ علماء اطباء کی طرح ہیں اور دو میں خرچ کرنا انسان کو بڑا بار معلوم ہوتا ہے، لیکن ان پیروں اور قوالوں پر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا مغنیات (گانے والی عورتوں) پر خرچ کرنا، یہ بھی ان کے لئے گویوں اور مداروں کی طرح سامان تفریح اور لازمہ ریاست ہیں۔

اسی طرح سے یہ لوگ بناوٹی زاہدوں اور تارک دنیا درویشوں کے بڑی جلدی معتقد ہوتے اور ان کو علماء پر ترجیح دیتے ہیں، یہ لوگ اگر سب سے بڑے جاہل کے جسم پر درویشی کا لباس دیکھ لیں تو فوراً معتقد ہو جائیں اور اگر وہ سر کو جھکائے اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے تو فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی اور کہتے ہیں کہ بھلا اس درویش اور فلاں عالم کا کیا مقابلہ یہ تارک دنیا وہ طالب دنیا، یہ اچھی خدائیں کھاتا ہے نہ شادی کرتا ہے، حالانکہ محض جہالت ہے اور شریعت محمدی کی تحقیر ہے کہ ایسے زہد کو علم پر ترجیح دی جائے، خدا کا بڑا احسان ہے کہ یہ لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے، ورنہ اگر آپ کو شادیاں کرتے، پاک صاف چیزیں کھاتے اور میٹھے اور شہد کی رغبت رکھتے ہوئے پاتے تو آپسے بھی بد اعتقاد ہو جاتے۔

عوام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"شیطان نے بہت سے عوام کو یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور تاثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود محفل خیر میں شرکت اور رقت ہے، اس لئے کہ وہ واعظوں سے اس کے فضائل سنتے رہتے ہیں، اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مقصود عمل ہے، تو یہ سننا اور عمل کرنا ان کے لئے گرفت کا باعث اور وبال جان ہے، میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو

جانتا ہوں، جو سالہا سال سے مجلس و عطا میں شریک ہوتے ہیں اور روتے ہیں، متاثر ہوتے ہیں، لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں نہ تجارت میں دھوکہ دینے سے باز آتے ہیں، ارکان صلوة سے جیسے وہ بے خبر برسوں پہلے تھے، ویسے ہی اب بھی ہیں، مسلمانوں کی غیبت، والدین کی نافرمانی میں جس طرح پہلے مبتلا تھے، اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں، شیطان نے ان کو یہ ٹھٹھکا رکھا ہے کہ مجلس و عطا کی حاضری اور گریہ بکاؤں کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علماء و صاحبین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

دولت مندوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ان میں سے بہت سے لوگ مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں، مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے، اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے، چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں، اگر رضائے الہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا اور جانتا ہے، ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک یو آر بنانے کو کہا جائے جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔ اسی طرح سے رمضان مبارک میں شہرت کے لئے موم بتیاں بھجیتے ہیں، حالانکہ ان کی مسجدوں میں سال بھر اندھیرا پڑا رہتا ہے، اس لئے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا سا تیل مسجدوں میں دینے سے وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوتی جو رمضان میں ایک موم بتی بھج دینے سے حاصل ہوتی ہے۔“

”صيد الخاطر“

”صيد الخاطر“ ایک کشکول ہے جس میں مصنف نے اپنے قلبی تاثرات، بے تکلف خیالات، زندگی کے تجربات اور منتشر افکار و حوادث قلب بند کئے ہیں، اور اپنی بہت سی کمزوریوں اور غلطیوں کا بے تکلف

۱۵ تبیس ابلیس علی العوام ص ۳۹۳-۳۹۴ ۱۶ تبیس ابلیس علی اصحاب الاموال ص ۳۹۵

اعتراف کیا ہے، اس کتاب میں جا بجا نفس سے مکالمے، سوال و جواب، ذہنی کشمکش کی روداد، معاشرتی زندگی کے تجربے، عورتوں، لوکروں، اور دوستوں کے متعلق تجربہ کی باتیں، اور مفید ہدایا، روزمرہ کے واقعات کی تحلیل، امراضِ نفسانی کا بیان، مختلف طبقات پر تنقید، نفس کا احتساب اور صدمہ ہاکام کی باتیں ہیں، اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت صداقت اور سادگی و بے تکلفی ہے پوری کتاب اپنے زمانہ کے ادباء و مصنفین کے طرز کے خلاف نہایت رواں و بے تکلف عبارت میں لکھی گئی ہے، اور اپنے موضوع پر غالباً ایک عرب عالم و مصنف کی پہلی کتاب ہے۔

عام واقعات سے بڑے بڑے نتائج

ابن جوزی اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے واقعات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں، اور یہی ایک عامی اور ایک صاحبِ نظر میں فرق ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”میں نے دو مزدوروں کو دیکھا کہ ایک بھاری شہتیر اٹھا کر لے جا رہے ہیں، دونوں کچھ گامے لے رہے ہیں، ایک مصرعہ پڑھتا ہے، دوسرا ترنم کے ساتھ اس کا جواب دیتا ہے، ایک پڑھتا ہے، تو دوسرا کان لگا کر سنتا ہے، پھر دوسرا اس کو دہراتا ہے، یا اسی طرح کے مصرعے جواب دیتا ہے، مجھے خیال ہوا کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کو محنت اور بوجھ کا احساس زیادہ ہو، لیکن اس ترکیب سے ان کا کام آسان ہو جاتا ہے، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ذہن اتنی دیر دوسرے کام میں لگ کر مستالیتا ہے، اور کچھ سرور حاصل کر لیتا ہے، اور جواب کی فکر میں غول ہو کر اس میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے، اور اس طرح راستے طے ہو جاتا ہے، اور بوجھ کے احساس سے غفلت ہو جاتی ہے، اس سے میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ انسان نے شرعی ذمہ داریوں اور فرائض کا بڑا بوجھ اٹھا رکھا ہے، اور سب سے بڑا بوجھ اپنے نفس کی سیاست ہے، بڑا کام یہ ہے کہ اس کو

اس کے مرغوبات سے روکا جائے اور جن چیزوں سے اس کو رغبت نہیں ان پر اس کو قائم رکھا جائے، میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ صبر کے راستے کو تسلی اور نفس کی جائز دلداری کی مدد سے قطع کیا جائے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ رات بھر چلنے سے سواریاں تھک جائیں اور فریاد کریں تو صبح کی روشنی کی امید دلاؤ اور دن چڑھے آرام کرنے کا وعدہ کر لو۔

اسی طرح کی حکایت بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اور ان کے ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے ساتھی کو پیاس لگی، اس نے کہا کہ اس کنویں سے پانی پی لیں، بشرحانی نے کہا کہ اگلے کنویں سے پی لیں گے، جب وہ کنواں آیا تو بشرحانی نے آگے کے کنویں کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں تک صبر کرو، اسی طرح تسلی دیتے ہوئے بہت دور لے آئے پھر اس سے کہا کہ اسی طرح دنیا کا سفر طے ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جس نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، وہ اپنے نفس کو بہلائے گا اور اس کی دُجوئی کرے گا، اور اس سے وعدہ کرتا ہے گا تاکہ وہ اپنے بوجھ کو سنبھال سکے، اور اس پر صبر کرے، بعض بزرگانِ سلف فرماتے تھے کہ اے نفس میں تجھے تیرے مرغوب چیز سے جو روکتا ہوں تو محض شفقت اور خوف کی بنا پر بائزید بسطامی کا قول ہے کہ اپنے نفس کو خدا کی طرف بڑھائے لے جانا اور وہ روتا ہوتا تھا، پھر رفتہ رفتہ ہنستا کھیلتا اللہ کی طرف بڑھنے لگا، یاد رکھنا چاہیے کہ نفس کی خاطر داری اور لاطفت ضروری ہے، اور راستہ اسی طرح طے ہوتا ہے، ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ شکاری کتے جب محلہ کے کتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو محلہ کے کتے تو ان کو بھونکتے ہیں اور بہت شور مچاتے ہیں، اور ان کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ ان کتوں کی بڑی عزت ہے، ان پر جھول پڑی ہے تو ان کو ان پر حسد آتا ہے، لیکن اس کے برخلاف شکاری کتے ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اور ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے بھونکنے کی کچھ پروا نہیں کرتے، اس سے ایسا معلوم

ہوا کہ شکاری کتے گویا ان کتوں کی قوم ہی میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ مقامی کتے موٹے موٹے بدن اور بھدے اعضاء کے ہیں، ان میں امانت کی صفت نہیں، لیکن شکاری کتے نازک اور پھرتیلے ہیں اور جیسا ان کا بدن نازک اور پھرتیلا ہے، اسی طرح ان کے عادات بہذب ہیں، وہ جب شکار کرتے ہیں تو کیا مجال ہے کہ اس کو منہ لگائیں، مالک کے ڈر سے یا اس کے احسانات کے شکر یہ میں وہ اس شکار کو جوں کا توں پہنچا دیتے ہیں، اس سے ایک بات تو میں سمجھا کہ بدن اور اخلاق میں خاص مناسبت ہوتی ہے، اگر وہ لطیف ہے، تو یہ بھی لطیف ہیں، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو اس پر حسد نہیں آتا جس کو وہ اپنے طبقہ یا اپنی سطح کا نہیں سمجھتا، اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ایمان و عقل کی دولت سے سرفراز کرے، اس کو اپنے اس حاسد پر حسد نہیں ہوتا، جو ایمان و عقل سے محروم ہو، اور وہ اس کو قابل التفات نہیں سمجھتا، اس لئے کہ وہ دوسرے عالم میں ہے، اور یہ دوسرے عالم میں وہ دنیا کی بنا پر حسد کرتا ہے، اور اس کا مصلح نظر آخرت ہے، اور دونوں میں بعد المشرقین ہے۔

واقعاتِ زندگی اور نفس سے مکالمہ

وہ واقعات کی پوری تحلیل کرتے ہیں، اور خود اپنی زندگی کے واقعات میں نفس سے حکیمانہ مکالمہ کرتے ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے دعا کی ایک دوسرے صاحب بزرگ دعائیں شریک تھے، دعا قبول ہوئی، لیکن کس کی دعا قبول ہوئی، اس پر ان کا اپنے نفس سے مکالمہ ہوا۔

مجھے ایک مرتبہ ایسا معاملہ پیش آیا جس میں اللہ سے مانگنے اور دعا کی ضرورت تھی، میں نے دعا کی، اور اللہ سے سوال کیا، ایک صاحب صلاح اور اہل خیر بھی میرے ساتھ دعائیں شریک ہو گئے، میں نے قبولیت کے کچھ آثار دیکھے، میرے نفس نے کہا کہ یہ اس بزرگ کی دعا کا نتیجہ ہے، تمہاری دعا کا نتیجہ نہیں، میں نے کہا کہ

مجھے اپنے ایسے گناہوں اور کوتاہیوں کا علم ہے، جن کی وجہ سے واقعی مجھے اس کا حق نہیں کہ میری دعا قبول ہو، لیکن کیا تعجب ہے کہ میری ہی دعا قبول ہوئی ہو، اس لئے کہ یہ مرد صالح ان گناہوں اور تقصیرات سے محفوظ ہے، جن کا مجھے اپنے متعلق علم ہے، لیکن مجھ میں اور اس میں ایک فرق ہے، مجھے اپنی تقصیر کی بنا پر دل شکستگی اور ندامت ہے، اور اس کو اپنے معاملہ پر فرحت و سرور ہے، اور کبھی اعتراضِ تقصیر ایسی ضرورتوں کے موقع پر زیادہ کارآمد اور موثر ہوتا ہے، اور ایک بات میں ہم اور وہ مساوی ہیں، وہ یہ کہ ہم دونوں میں سے کوئی اپنے اعمال کی بنا پر فضل کا طالب نہیں، تو اگر میں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ندامت سے گردن جھکا کر اور اپنے گناہوں کا اعتراض کرتے ہوئے کہوں کہ خدایا مجھے معصن اپنے فضل سے عطا فرما، میں بالکل خالی ہاتھ ہوں تو مجھے امید ہے کہ میری سن لی جائے گی، اور ممکن ہے کہ اس کی نظر اپنے حسن عمل پر پڑے، اور یہ اس کے لئے روک بن جائے، تو اے میرے نفس میرا دل زیادہ نہ توڑو، پہلے ہی بہت ٹوٹا ہوا ہے، مجھے اپنے حالات کا ایسا علم ہے، جس کا تقاضا ادب اور تواضع ہے، پھر اپنی تقصیروں کا اقرار ہے، جس چیز کا میں نے سوال کیا ہے، اس کا بے حد محتاج ہوں اور جس سے سوال کیا ہے، اس کے فضل کا یقین ہے، اور یہ سب باتیں اس عابد کو حاصل نہیں تو انشاء اس کی عبادت میں برکت کرے، میرا تو اعتراضِ تقصیر ہی بڑے کام کی چیز ہے۔
ایک جگہ لکھتے ہیں:-

ایک مرتبہ ایک ایسے عالم میں جو شرعاً مکروہ تھا، مجھے کچھ کشمکش درپیش تھی، نفس کچھ تاہمیں سامنے لاتا تھا، اور کراہت کو نازل سے ہٹاتا تھا، اور درحقیقت اس کی تاویلات فاسد تھیں، اور کراہت کی کھلی دلیل موجود تھی، میں نے انہی کی طرف رجوع کیا، اور دعا کی کہ اس کیفیت کو دور فرمادے، اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کر، میرے درس کے سلسلہ میں سورہ یوسف شروع ہو رہی تھی، میں نے

وہیں سے شروع کیا وہ خیال دل پرستوں تھا، مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ میں نے کیا پڑھا، جب اس آیت پر پہنچا: "قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ" تو میں چونکا، اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں ہی اس آیت کا مخاطب ہوں، مجھے دفعتاً ہوش آیا، اور آنکھوں سے غفلت کا پردہ دور ہوا، میں نے اپنے نفس سے کہا تو نے خیال کیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے، وہ زبردستی اور ظلم سے غلام بنا کر بیچے گئے، انہوں نے اس شخص کا اتنا حق مانا جس نے ان کے ساتھ سلوک کیا تھا اور اس کو اپنا آقا کہا، حالانکہ نہ وہ غلام تھے، نہ ان کا کوئی آقا تھا، پھر اپنی اس حق شناسی کی وجہ یہ بیان کی کہ "أَحْسَنَ مَثْوَايَ" مجھے اچھی طرح سے رکھا، اب ذرا اپنے اوپر غور کرو، حقیقت غلام ہے، ایسے آقا کو تیرے وجود کے وقت برابر تیرے ساتھ احسانات کرتا رہا، اور اتنے بار اس تیری پردہ پوشی کی جس کا کوئی شمار نہیں، تجھے یاد نہیں کہ اس طرح تیری پرورش کی، تجھے سکھایا پڑھایا، تجھے دزدی دی تیری حفاظت کی، خیر کے اسباب ہیا کئے، بہترین راستہ پر تجھے ڈالا، اور ہر مکر و دشمنی سے تجھے بچایا، اور حسن صورت ظاہری کے ساتھ باطنی ذکاوت و وجود طبع عنایت فرمائی، علوم کو تیرے لئے سہل بنا دیا، یہاں تک کہ مختصر سے عرصہ میں تجھے وہ علوم حاصل ہوئے، جو دوسروں کو طویل عرصہ میں نصیب نہیں ہوئے، تیری زبان پر علوم کو رواں کیا اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان کی تعبیر کی قوت عطا فرمائی، اور مخلوق سے تیرے عیوب کو چھپایا، ان کا معاملہ تیرے ساتھ حسن ظن کا رہا، تیرا رزق بغیر اہتمام و تکلف کے تجھے تک پہنچا پا، اور کسی کا احسان مند نہیں بنایا، اور وہ بھی فراغت و اطمینان و کشائش کے ساتھ، بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے کس کس احسان کا تذکرہ کیا جائے، حسن صورت کا یا صحت اعضاء کا یا سلامت مزاج، یا اعتدال ترکیب کا یا لطافت طبع اور دنات ابتذال سے بری ہونے کا، یا بچپن ہی سے سیدھے اور معتدل راستے کی توفیق کا، یا بے حیائیوں اور اغزشوں سے حفاظت کا، یا منقولات کی ترجیح اور حدیث و سنت کی اتباع اور تقلید جاد سے نجات کا

یابتداء کی پیروی اور اس کے سلسلہ میں شمولیت سے محفوظ رہنے کا "وَأَنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ
لَا تَحْصُوهَا" کتنے دشمنوں نے تیرے لئے جال بچھایا، اور اشرنجانے نے اس سے بچایا، کتنے مخالفوں
نے تجھ کو سبک کرنا چاہا، اور اس نے تجھے سرسبندی عطا فرمائی، کتنی نعمتوں سے دوسرے محروم رہے اور
تو ان سے سیراب کیا گیا، کتنے آدمی دنیا سے نامراد چلے گئے، اور تو شاد کام اور فائز المرام ہے اس حالت
میں تیرے دن گزر رہے ہیں کہ تیرا جسم صحیح سالم دین محفوظ، علم روز افزوں، دلی مقاصد پورے اگر کوئی
مقصد بر نہیں آتا تو اس کی طرف سے صبر پیدا کر دیا جاتا ہے، اور تجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پورا
نہ ہونے ہی میں حکمت الہی تھی، یہاں تک کہ تجھے یقین آجاتا ہے کہ یہی تیرے حق میں بہتر تھا، اگر میں
پچھلے احسانات کو گنانا شروع کروں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں، اور وہ ختم نہ ہوں، اور تجھے
معلوم ہے کہ جن احسانات کا تذکرہ میں نے نہیں کیا ہے، وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں، اور جن کا ذکر میں نے
کیا ہے، ان کی طرف بھی میں نے صرف اشارہ کیا ہے، اس سب کے ساتھ تجھ کو ایسا فعل کرنا کیسے
زیب دیتا ہے، جو اس کی مرضی کے خلاف ہے، "مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنُ مَنَاقِبِي إِنَّهُ
لَا يُضِلُّهُ الظَّالِمُونَ"۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"میں نے ایک مرتبہ ایک ایسے سلسلہ پر عمل کیا، جس کی بعض مذاہب (فقہیہ) میں گنجائش تھی، اور
دوسرے مذاہب میں وہ جائز نہ تھا، اس پر عمل کرنے سے مجھے اپنے قلب میں بڑی قساوت محسوس ہوئی،
اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں راندہ درگاہ اور مستحب ہو گیا، اور کچھ محرومی اور گہری تاریکی محسوس ہوئی،
میرے نفس نے کہا کہ یہ کیا بات ہے، تم تو دائرہ فقہاء سے نکلے نہیں، میں نے کہا کہ اے نفس بد! تیرے
سوال کا جواب دو طرح سے ہے، اول تو یہ کہ تو نے اپنے عقیدہ کے خلاف تاویل کی، اگر خود تجھ سے

فتویٰ لیا جاتا تو اس کا فتویٰ نہ دیتا، اس نے کہا کہ اگر میں اس کے جواز کا قائل نہ ہوتا، تو کرتا کیوں؟ میں نے کہا کہ تو اپنے اس خیال کو دوسرے کے لئے بھی فتویٰ کے طور پر پسند نہیں کرتا، دوسری بات یہ ہے کہ تجھے ظلمت کے اس احساس پر خوش ہونا چاہئے، اس لئے کہ اگر تیرے دل میں نور نہ ہوتا تو تجھ پر یہ اثر ہی نہ پڑتا، اس نے کہا کہ بہر حال مجھے اس ظلمت سے جو پلٹ پلٹ کر آتی ہے، وحشت ہے میں نے کہا کہ پھر اس فعل کے ترک کا عزم کر لے اور فرعون کر لے کہ تو نے جس کو ترک کیا ہے، وہ بالاجماع جائز ہے، تب بھی برائے و رے و تقویٰ اس کو چھوڑنے کا وعدہ کر چنانچہ اس عمل سے اس کیفیت سے اس کو نجات ملی:

سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت

وہ باوجود محدث و فقیہ ہونے کے اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ قلب کی اصلاح اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے موثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت ہے، ابلیس اور "صید الخاطر" دونوں میں فقہاء و محدثین اور طلبہ و علماء کو وہ اس کا مشورہ دیتے ہیں، اور اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں، "صید الخاطر" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک و مشغولیت قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں، اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ موثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام و حلال کا خالی علم قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ مؤثر نہیں، قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے، موثر احادیث و حکایات اور سلف صالحین کے حالات سے، اس لئے کہ ان نقول و روایات کا جو مقصود ہے، وہ ان کو حاصل تھا، احکام پر ان کا عمل شکل اور ظاہری تھا، بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب باب حاصل تھا، اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور

نود آزمائش کرتے کے بعد ہے، میں نے دیکھا ہے کہ عموماً محدثین اور طلبہ ابنِ حدیث کی ساری توجہ اونچی سند حدیث اور کثرتِ مرویات کی طرف ہوتی ہے، اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ بدلیات اور جزیف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے، بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے، سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی، علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور و طریقہ اس کے علم کا اصلی پھل تھا، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ و حدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تاکہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو۔

صلیٰ و امت کی سیرت

ابن جوزی نے اسی غرض کے لئے سلف صالحین اور صلحاء امت میں سے بہت سے متقدمین اور مشاہیر کی مستقل سیرتیں لکھی ہیں، مثلاً حضرت حسن بصریؒ، سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت بشر حافیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، حضرت معروف کرخیؒ، ان مستقل تذکروں کے علاوہ ایک جامع تذکرہ صفة الصوفیہ لکھا، جو چار جلدوں میں ہے، یہ دراصل ابو نعیم اصبہانی کی مشہور کتاب خلیۃ اولیاء کی تہذیب و تنقیح ہے، جس کو ابن جوزی نے مناسب حذف و اضافہ اور تلخیص کے ساتھ محدثانہ و مورخانہ طرز پر مرتب کیا ہے، اس کتاب میں جو حالات و واقعات آئے ہیں، وہ موثر و دل گداز ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی حیثیت سے مستند بھی ہیں، اور بالذکر آمیز روایات اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔

تاریخ کی اہمیت

ابن جوزی علوم دینیہ میں اشتغال اور فقہ و حدیث میں کمال کے ساتھ ساتھ فن تاریخ کی اہمیت و ضرورت

لے میدانِ خاطر ۲ ج ۲۲۲-۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳،

کے بھی بڑے قائل اور اس کی تعلیم کے مبلغ ہیں، ان کے نزدیک تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر علماء و فقہاء سے اپنی کتابوں میں بعض بڑی افسوسناک فروگزاشتیں ہوئی ہیں، جو ان کے منصب اور علم و فضل کے شایان شان نہیں، اس لئے وہ طالب علم کو مشورہ دیتے ہیں کہ ہر فن سے وہ فی الجملہ واقف ہو، اور تاریخ سے اتنی واقفیت رکھتا ہو کہ کوئی بڑی تاریخی غلطی نہ کر بیٹھے جو اس کی نعت کا باعث ہو، "صدی الخاطر" میں لکھتے ہیں:-

"فقہ کو چاہئے کہ ہر فن کے ضروری حصہ سے واقف ہو، تاریخ ہو یا حدیث، لغت ہو یا دوسرا فن، اس لئے کہ فقہ تمام علوم کا محتاج ہے، اس لئے ہر فن کے ضروری حصہ سے اس کو واقف ہونا چاہئے، میں نے بعض فقہاء کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ شیخ شبلیؒ اور قاضی شریک ایک مجلس میں جمع ہوئے مجھے سن کر تعجب ہوا کہ اس کو دونوں بندگان کے زمانہ کا فاصلہ نہیں معلوم! ایک عالم نے ایک مباحثہ کے دوران میں کہا کہ حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے درمیان زوجیت منقطع نہیں ہوئی تھی، اس لئے حضرت علیؓ نے سیدہ کو غسل دیا، میں نے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے، پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے بعد ان کی بھانجی امہ بنت زینبؓ سے نکاح کیسے کیا، اسی طرح میں نے امام غزالیؒ کی کتاب "حیا، العلوم میں ایسی تاریخی فروگزاشتیں دیکھیں جن سے مجھے سخت حیرت ہوئی کہ انہوں نے کس طرح مختلف واقعات اور تواریخ کو آپس میں ملا دیا، میں نے ان تاریخی اخلاط کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے، اسی طرح انہوں نے اپنی کتاب "مستظہری" میں لکھا ہے، جس کو انہوں نے مستظہر باشہ کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ سلیمان ابن عبدالملک نے ابو حازم سے کہلایا کہ مجھے اپنے ناشتہ میں سے کچھ تبر کا بھجوا، انہوں نے ان کے پاس اُبلہ ہوا چکر بھیجا، سلیمان نے اس کا ناشتہ کیا، پھر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا، اور اس سے عبدالعزیز پیدا ہوئے، عبدالعزیز کے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے، یہ سخت مناظر ہے، اس لئے کہ انہوں نے عمر ابن عبدالعزیز کو سلیمان بن عبدالملک کا پوتا قرار دیا، حالانکہ وہ اس کے ابن عم تھے، شیخ ابوالمعالی جوینی نے اپنی کتاب "اشمال" کے آخر میں اصول فقہ

میں ہے، لکھا ہے کہ اہل باطن کی ایک جماعت ناقل ہے کہ حلاج، جناب قمر مطیٰ اور ابن المقفع نے سلطنتوں کے نظام کے اٹنے، مملکت کی تخریب اور عوام کی استمالت کی سازش کی اور ہر ایک نے ایک ایک ملک کی ذمہ داری لے لی، جناب نے احسا میں سکونت اختیار کی ابن المقفع ترکستان کے حدود میں جا بسا، اور حلاج نے بغداد کو اپنا مرکز بنایا، اس پر اس کے دونوں ساتھیوں نے فیصلہ کر دیا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا، اور اپنے مقصد میں ناکام رہے گا، اس لئے کہ اہل بغداد دھوکہ نہیں کھاتے، اور بڑے مردم شناس اور فہم ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ اگر ناقل کو یہ معلوم ہوتا کہ حلاج نے ابن المقفع کا زمانہ ہی نہیں پایا، اس لئے کہ ابن المقفع کے قتل کا تصور نے حکم دیا تھا، اور یہ ۱۳۴ھ کا واقعہ ہے، درانجا ایک البوسیدہ جناب کا ظہور ۲۸۶ھ میں ہوا ہے، اور حلاج ۳۰۹ھ میں مقتول ہوا، اس بنا پر قمر مطیٰ اور حلاج کا زمانہ قریب قریب، لیکن ابن المقفع بہت متقدم ہے، اس کے ان دونوں سے ملنے اور سازش کرنے کا کوئی امکان نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر صاحب علم کو چاہئے کہ دوسرے علوم سے بھی تعلق رکھے، اور اس کا کچھ نہ کچھ مطالعہ ہو، اس لئے کہ ہر علم کا دوسرے علم سے تعلق ہے، ایک محدث کے لئے یہ بات کتنی محبوب ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق اس سے فتویٰ لیا جائے، اور وہ جواب زندے سکے، اس لئے کہ وہ طرق حدیث کے صحیح کرنے میں مشغول ہے، اس کو مسائل و جزئیات کے علم کی فرصت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح ایک فقیہ کے لئے یہ بات کتنی نامناسب ہے کہ اس سے ایک حدیث کا مطلب پوچھا جائے، اور وہ حدیث کی صحت اور اس کے مفہوم سے بالکل ناواقف ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ایسی بلند ہمت عطا فرمائے، جو سیت اور بے ہمتی کی باتوں کو گوارا نہ کرے!

تاریخی تصنیفات

انہوں نے صرف اس تنقید اور مشورہ پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ایک مبسوط کتاب "انتظم فی تاریخ الملوک والامم" لکھی۔

لکھی جو دس جلدوں میں ہے اور جو ابتدائے اسلام سے لے کر ۱۹۷۳ء تک کے حالات پر مشتمل ہے مصنف پہلے سن لکھتے ہیں، پھر اس سن کے اہم واقعات و حالات کا تذکرہ کرتے ہیں، پھر اس سن میں جن ممتاز اور قابل ذکر اشخاص کا انتقال ہوا ہے، ان کے حالات بیان کرتے ہیں، اس طرح یہ کتاب حالات و تذکرہ دونوں کی ایک جامع تاریخ ہے۔

اسی طرح ان کی ایک مختصر کتاب "تلفیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" ہے جو ایک تاریخی بیاض کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں بہت سے تاریخی معلومات یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

ادبیت و خطابت

ابن جوزی کی فصاحت و بلاغت اور حسن خطابت پر مورخین کا اتفاق ہے، ان کی مجالس و عطا کی مقبولیت اور لوگوں کے ازدحام کا یہی ایک بڑا سبب تھا، انہوں نے "ضیاء الخاطر" میں اپنی اس ذہنی کشمکش کا بھی ذکر کیا ہے کہ نفس نے ان کو اس کی ترغیب دی کہ وہ اس کا اہتمام بالکل چھوڑیں اور الفاظ کی طرف بالکل توجہ نہ کریں، یہ سب تکلف اور تصنع ہے، لیکن انہوں نے اپنے علم اور تفقہ سے اس خیال کو دفع کیا، اور اپنے نفس کو سمجھایا کہ حسن کلام ایک خدا داد قابلیت، ایک ہتھیار اور ایک کمال کی بات ہے نہ کہ نقص اور عیب، اس لئے ان کو دعوت و تبلیغ میں اس سے کام لینا چاہئے، اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے، اسی طرح ان کے دل میں کئی بار شدت اس کا خیال پیدا ہوا کہ وہ اس وعظ گوئی اور دعوت و تبلیغ کو چھوڑ کر زہد و انقطاع کی زندگی اختیار کر لیں، اور لوگوں سے بالکل یکسو ہو کر گوشہ نشین ہو جائیں، مگر انہوں نے دلائل و براہین سے اور اپنے نفس سے مفصل مباحثہ و مناظرہ کر کے اس خیال کو

لے اس کتاب کے آخری پانچ حصے دائرۃ المعارف حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ ۷۷ یہ کتاب ہندوستان میں

مولوی سید محمد یوسف صاحب ٹونکی مرحوم کے اہتمام سے شائع ہو چکی ہے۔

ہٹایا، اور اس کو قائل کیا کہ یہ اتقا شیطانی ہے، شیطان یہ دیکھ نہیں سکتا کہ ہزاروں آدمی اس کے جال سے نکل کر ہدایت کے راستے پر پڑ جائیں، انبیاء علیہم السلام کا راستہ دعوت و تبلیغ کا تھا اور ان کی زندگی اجتماع و اختلاط کی تھی، اس میں نفس کا چور یہ ہے کہ وہ بیکاری اور تعطل کو پسند کرتا ہے اور جدوجہد سے بھاگتا ہے، دوسرے اس میں جاہ طلبی بھی ہے، اس لئے کہ عزت و گوشہ نشینی اور زہد و انقطاع کی زندگی عوام کے لئے زیادہ باعث کشش اور جاذب توجہ ہے، غرض یہ کہ شیطان ان کو افادہ عوام اور عمومی دعوت کے کام سے ہٹا نہیں سکا، انہوں نے اپنی ساری داعی صلاحیتیں اور خدا کی بخشی ہوئی طاقتیں اصلاح پر لگادیں، اور نصف صدی سے زیادہ پورے انہماک و قوت کے ساتھ اصلاح و افادہ کے کام میں مشغول رہے۔

وفات

۱۹۹۷ء میں شب جمعہ کو اس داعی الی اللہ نے انتقال کیا، بغداد میں کہرام مچ گیا، بازار بند ہو گئے، جامع منصور میں نماز جنازہ ہوئی، یہ وسیع مسجد کثرت ازدحام سے تنگ اور ناکافی ثابت ہوئی، یہ بغداد کی تاریخ میں ایک یادگار دن تھا، ہر طرف غم کے آثار اور گریہ کی آوازیں بلند تھیں، لوگوں کو ان سے ایسا تعلق تھا کہ رمضان بھر لوگوں نے راتیں ان کی قبر کے پاس گزاریں اور قرآن مجید کے ختم کئے۔



نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی

صلیبی حملے اور عالم اسلام کے لئے نیا خطرہ

ایک طرف مرکز اسلام میں پوری قوت سے تصنیفی و ترویجی کام ہو رہا تھا، اور دوسری طرف عظیم شخصیتیں صلاح و تربیت میں مشغول تھیں، دوسری طرف پورے عالم اسلام پر خطرہ کے بادل منڈلا رہے تھے اور مسلمانوں کی ہستی اور نفس اسلام کا وجود زور میں تھا، یہی یورپ صدیوں سے اسلام سے خار کھائے بیٹھا تھا، مسلمان اس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے اور اس کے تمام مقدس مقامات اور خود مولد مسیح ان کے قبضہ اور تولیت میں تھا، یورپ کے اشتعال اور جذبہ انتقام کے لئے یہ صورت حال بالکل کافی تھی، لیکن طاقت و اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمسایہ مسیحی سلطنت پر ان کی مسلسل پیش قدمیوں کے سبب اس کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ شام و فلسطین یا کسی اسلامی ملک کی طرف نظر اٹھائے، بلکہ قیامت کے زوال اور اسلامی سلطنت کی شمالی سرحدوں کی کمزوری کی وجہ سے یورپ میں قسمت آزمائی کا خیال پیدا ہوا، اسی عرصہ میں اس کو راہب پطرس کی صورت میں ایک ایسا خطیب اور مذہبی واعظ مل گیا، جس نے ساری مسیحی دنیا میں اپنی آتش نوا بیانیوں سے آگ لگا دی اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک مذہبی جنون کی ایک لہر پیدا کر دی، اس کے علاوہ وسیع و زرخیز اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کے اور بھی متعدد سیاسی و معاشی اسباب و محرکات جمع ہو گئے جنہوں نے صلیبی حملوں میں دینی و دنیاوی کشش اور ترغیب پیدا کر دی۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا ج ۶، مضمون (CRUSADES)

marfat.com

Marfat.com

بہر حال ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں کے پہلے لشکر نے شام کی طرف کوچ کیا، دو سال کے عرصہ میں صلیبیوں کے لشکر نے الرہا (ایڈیسا) اور ولایت انطاکیہ کے بڑے شہروں بہت سے قلعوں اور حلب پر قبضہ کر لیا، ۱۰۹۲ء مطابق ۱۰۹۹ء میں صلیبی بارزوں نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کر لیا، اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ یعنی ساحل شام پر انطرطوس، عکہ طرابلس الشرق اور صیدا صلیبیوں کے تصرف میں آ گیا، مشہور انگریز مورخ سینٹیلین پول کے بقول صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پتھر ٹھونکے، تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے، صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مورخ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے، گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا، یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (مجد) میں زندہ جلا دیئے گئے۔“

”دوسرے دن اس سے بڑے پیمانہ پر ان رزہ خیز مظالم کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا، ٹینکر ڈنہ تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت کی تھی، وہ جیتا چلاتا رہا، اور ان سب کو باہر لاکر قتل کر دیا گیا، پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہوا، مردوں عورتوں اور بچوں کے جسم کو ٹائے کر کے اور ریزہ ریزہ کر دیئے گئے، ان کی لاشوں کے ٹکڑوں اور کٹے ہوئے اعضا کے ڈھیر لگے تھے، بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہنچا شہر کی خون آلودہ سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلوا لیا گیا۔“

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری اور

ہوا، عالم اسلام کو حسب معمول عین ضرورت کے موقع پر ایک نیا قائد اور ایک تازہ دم مجاہد مل گیا، اور جس گوشہ سے امید نہ تھی، وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری، جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔

لین پول لکھتا ہے:-

”مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ وہ جہاد کا اعلان کریں اور ایک ایسا سردار پیدا کریں جس کی دیر اور بہمت اور جنگی قابلیت کا سب ماننے لگیں، ترکمانی سردار اور ان کے ماتحت والیان ملک ایک ایسی جوانمرد اور جنگجو دینداروں کی جماعت پیدا کریں جن کے سامنے صلیبیوں کو اپنے منظم اور زیادتیوں کا جواب دینا پڑے اور اب یہ سردار عماد الدین زنگی کی ذات میں نمودار ہوا“

عماد الدین سلجوقیوں کا پروردہ، نعمت تھا، وہ سلطان محمود سلجوقی کے شہزادوں کا اتالیق (تایک) اور سلطان کی طرف سے موصل کا حاکم تھا، زنگی نے عراق و شام میں اپنی طاقت مستحکم و منظم کر کے الرہا (ایڈریا) پر حملہ کیا جو عیسائیوں کی ریاست میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مقام تھا، اور اس کو بڑی فوجی اہمیت حاصل تھی، ۱۶ جمادی الاخری ۵۳۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۱۴۴ء کو اس نے الرہا پر قبضہ کر لیا، عرب مورخین کے الفاظ میں یہ فتح الفتوح تھی، یہ شہر لاطینی سلطنت کا بڑا سہارا تھا، اس طرح فرات کی وادی صلیبیوں کے خطرہ سے محفوظ ہو گئی، اس فتح کے کچھ عرصہ بعد ۵۴۱ھ مطابق ۱۱۴۶ء میں وہ ایک غلام کے ہاتھ سے شہید ہو گیا، شہادت سے پہلے اس نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کی شاندار ابتدا کر دی تھی، جس کو اس کے نامور فرزند الملک العادل نور الدین زنگی نے بہت آگے تک پہنچا دیا۔

الملک العادل نور الدین زنگی

نور الدین محمود اب سلطان شام تھا، اور تمام مسلمانوں کی طرف سے صلیبیوں کے اخراج اور بیت المقدس

کے بازیافت کے لئے اپنے کو مومن اللہ سمجھتا تھا، اور اس خدمت عظیم کو اپنی سب سے بڑی عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ جانتا تھا، اس نے اپنے حلوں سے تمام سچی ریاستوں پر دھاک بٹھادی تھی، ۵۵۹ء میں وہ قلعہ حارم پر قابض ہوا، جو ایک مضبوط شمالی سرحدی قلعہ تھا، بادشاہ انطاکیہ نواب طرابلس مع دیگر مشہور و معروف نائٹوں کے گرفتار ہو گئے، اس معرکہ میں دس ہزار عیسائی قتل ہوئے اور بے شمار قیدی اس قبضہ کے بعد قلعہ بانیاں فتح کیا، ادھر اس نے مصر فتح کر کے عیسائیوں کو دو طرف سے محصور کر لیا، لیکن پول لکھتا ہے۔

نور الدین سلطان شام کے پہ سالار (صلاح الدین) کا روڈ نیل پر قابض ہو جانا یعنی رکھنا تھا کہ یروشلم کی یہی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آگئی تھی، دونوں طرف سے وہ دب رہی تھی اور دونوں طرف جو چیز اسے بھینچ رہی تھی، وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے، دیماط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک جہازی بیڑے پر بھی ہو گیا، اور انھوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کر دیا۔

نور الدین نے تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کر دیا، لیکن اس کی سب سے بڑی آرزو اور سب سے مقدس خدمت بیت المقدس کی بازیابی تھی، لیکن یہ سعادت اس کے پہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں تھی، جو نور الدین کے حسنت میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، ۵۶۹ء مطابق ۱۱۷۹ء کو پچیس برس کی عمر میں بعارضہ خناق اس کا انتقال ہوا، بقول انگریز مورخ سلطان نور الدین بادشاہ شام کے مرنے کی خبر مسلمانوں میں اس طرح پہنچی جیسے آسمان سے بجلی گرے۔

نور الدین کے محامد و اوصاف

مسلمان مورخ سلطان نور الدین کے عدل، دیانت و تقویٰ حسن انتظام، شرافت، نفس محامد و اخلاق

۱۱۷۹ء سلطان صلاح الدین ۵۶۹ء ایضاً ۱۱۷۹ء

اور جذبہ جہاد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور وہ اپنے نام کی طرح ان سب کا "مدوح" و "محمود" ہے۔
ابن جوزی جو سلطان کے معاصر ہیں اپنی مشہور تاریخ المنتظم میں لکھتے ہیں :-

جاهد الثغور وانتزع من ایدی
الکفار نیفاً وخصسین مدینة وکانت
سیرة اصالح من کثیر من الولاة والطرق
فی ایامه امانة والمحامد له کثیرة وکان
یتدین بطاعة الخلافة وترك الملوس
قبل موته وکان یمیل الی التواضع
ومحبة العلماء واهل الدین۔
نورالدین نے سرحدوں پر جہاد کیا اور کفار کے قبضے
سے کچھ اور پچاس شہر آزاد کئے ان کی زندگی اکثر
سلاطین و حکام سے بہتر تھی راستے محفوظ تھے،
ان کی تعریف کی باتیں بہت ہیں وہ خلافت بغداد
کی ماتمی و اطاعت کا اپنے کو پابند سمجھتے تھے انتقام
سے پہلے ناجائز محاصل اور ٹیکس معاف کر دیئے
طبیعت میں سادگی اور تواضع تھی اور علماء و
اہل دین سے محبت کرتے تھے۔

ابن خلکان جو اپنی مورخانہ احتیاط و سنجیدگی کے لیے الفاویز نامی تعریف میں مشہور ہیں، لکھتے ہیں :-

وکان ملکا عادلاً اذ اعداء اعداء اورعاً
تمتک بالشریعة مائلاً الی الخیر بما ملکا
فی سبیل اللہ تعالیٰ کثیر الصدقات
بنی المدارس بمجیع بلاد الشام الکبار
وله من المناقب والمآثر والمفاخر
ما یتغرق الوصف۔
وہ ایک نصف زاہد عابد متقی متبع شریعت
سلطان تھے اہل خیر کی طرف بڑا میلان رکھتے
تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کا خاص اہتمام تھا
کثرت سے صدقات و خیرات کرتے، شام کے تمام
بڑے بڑے شہروں میں مدارس تعمیر کئے، ان کے قب
یادگاروں اور کارناموں کا احاطہ مشکل ہے۔

تاریخ الکامل کے نامور مصنف ابن الاثیر جزیری نے ان کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ :-

۲۴۲ ابن خلکان محمود نورالدین زنگی ج ۲ ص ۲۴۲

۲۳۸-۲۳۹ المنتظم ج ۱ ص ۲۳۸-۲۳۹

وقد طالعت سير الملوك المتقدمين
 فلم ارفها بعد الخلفاء الراشدين وعمر
 بن عبد العزيز احسن من سير الاول الاكثر
 تحرياً منه اللعدلى
 میں نے گذشتہ سلاطین کی زندگی اور حالات کا
 مطالعہ کیا ہے، خلفاء راشدین اور عمر بن عبد العزیز
 کے بعد نور الدین سے بہتر سیرت اور ان سے زیادہ
 عادل سلطان میری نظر سے نہیں گذرا۔

سلطان نور الدین کی وفات کے وقت ابن الاثیر کی عمر ۱۴ سال کی تھی، اس لئے ان کی روایت اور
 شہادت خاص وقعت رکھتی ہے، وہ سلطان مرحوم کی سیرت و اخلاق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”وہ صرف اپنی اس جائداد کی آمدنی سے کھاتے پیتے تھے، جو انھوں نے مال غنیمت میں اپنے حصہ کو
 فروخت کر کے خریدی تھی، ان کی اہلیہ نے ایک مرتبہ تنگی کی شکایت کی تو انھوں نے اپنی تین دوکانیں بیچ
 کے لئے دے دیں، جو حصص میں ان کی ملکیت تھیں، اور جن کی سالانہ آمدنی بیس دینار کے قریب تھی، جب
 بیوی نے اس کو کم سمجھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ تم میرے پاس
 دیکھتی ہو وہ سب مسلمانوں کا ہے، میں محض خزانچی ہوں، میں... اس امانت میں خیانت کر کے تمہاری خاطر
 جہنم میں جانا گوارا نہیں کر سکتا۔“

وہ رات کو بڑی عبادت کرتے، ان کے اوراد و اذکار مقرر تھے، حنفی فقہ کے عالم تھے، لیکن تعصب سے
 بری تھے، حدیث کا درس لیا، اور ثواب کی نیت سے اس کی روایت کی، اور اجازت دی۔

عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ اپنی وسیع سلطنت میں انھوں نے کوئی محصول اور چنگی باقی نہیں رکھی،
 مصر و شام، جزیرہ موصل سب جگہ اس کو موتوں کر دیا، شریعت کا بڑا ادب کرتے تھے، اور اس کے احکام
 کی تعمیل کرتے، ایک شخص نے ان کو عدالت میں طلب کیا، وہ حاضر ہو گئے، اور قاضی صاحب کو کہلا بھیجا
 کہ میں عدالت میں حاضر ہورہا ہوں، میرے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے، مقدمہ میں ان کو کامیابی

ہوئی تو انھوں نے اپنا حق معاف کر دیا، اور کہا کہ میرا پہلے سے یہی ارادہ تھا، لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ شاید عدالت میں حاضر نہ ہونے کا سبب میرا تکبر ہو، اس لئے میں حاضر ہو گیا، اور میں اپنا حق معاف کرتا ہوں، انھوں نے دارالعدل کی تعمیر کی تھی، جہاں وہ قاضی کے ساتھ بیٹھ کر ظلم کا انصاف کرتے، خواہ وہ یہودی ہوتا، اور ظالم کو سزا دیتے، خواہ وہ ان کا فرزند ہوتا یا بڑے سے بڑا افسر اور حاکم۔

شجاعت ان پر ختم تھی، وہ جنگ میں دوکانیں اور دتر کش ساتھ رکھتے تھے، ایک صاحب نے ان سے کہا کہ آپ کو اللہ کا واسطہ آپ اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر اسلام کو مصیبت میں مبتلا کریں، انھوں نے جواب دیا کہ محمود کیا چیز ہے کہ اس کے متعلق یہ بات کہی جائے مجھ سے پہلے ملک اور اسلام کی کس نے حفاظت کی؟ وہ موجود برحق ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔

علماء و اہل دین کی تعظیم کرتے تھے، ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، اپنے پاس بٹھاتے، بے تکلفی سے باتیں کرتے، کسی بات سے انکار نہ کرتے، اپنے قلم سے ان کو خط لکھتے، لیکن اس تو واضح و خاکساری کے باوجود بڑے رعب و داب کے آدمی تھے، لوگوں پر اس کا اثر پڑتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ان کے مناقب و محامد کی یہ کتاب متحمل نہیں، اس کے لئے دفتر درکار ہے!

شوق جہاد اور ایمان و یقین

نور الدین کی تمام تر توجہ اور دلچسپی جہاد اور عیسائیوں کے مقابلہ سے تھی، اس بارہ میں اس کا عزم و تقہاد تو کل اور ایمان و یقین بہت بڑھا ہوا تھا۔

۵۵۵ھ میں نور الدین کو حصن الکراد کے معرکہ میں (جو بقیعہ کے معرکہ کے نام سے مشہور ہے) عیسائیوں کے اچانک حملہ کرنے کی وجہ سے شکست ہوئی، نور الدین حص کے قریب دشمن سے چند میل کے فاصلہ پر مقیم تھے،

واللہ اعلم بح ۱۱ ص ۱۶۳-۱۶۴ ۱۱ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الکامل ج ۱۱ ص ۱۱۹۔

بعض نیز خواہوں نے کہا کہ بادشاہ کا، فتحیاب دشمن کے اتنے قریب قیام کرنا، مناسب نہیں نورالدین نے ان کو خاموش کیا اور کہا کہ اگر ہزار سوار بھی میرے پاس ہوں تو مجھے دشمن کی پروا نہیں، خدا کی قسم میں جب تک اپنا اور اسلام کا انتقام نہ لے لوں گا کسی چھت کے نیچے نہ آؤں گا، نورالدین نے بڑی دریا دلی سے اہل لشکر کو عطایا اور رقوم کی تقسیم کی بعض لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ فقہار، فقراء اور صوفیہ و قراء کے لئے جو وظائف اور رقوم خزانہ شاہی سے مقرر ہیں، ان سے اس موقع پر کام لیا جائے، نورالدین نے غضبناک ہو کر جواب دیا کہ مجھے تو نصرتِ الہی کی امید نہیں فقراء و ضعفا کی دعا اور رضا سے ہے، حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ کی طرف سے رزق اور مدد کمزور بندوں کی بدولت ہوتی ہے" میں کس طرح ایسے لوگوں کی مدد بند کروں جو ایسے وقت میں میری طرف سے جنگ کرتے ہیں، جب میں اپنے بستر پر سوتا ہوتا ہوں، اور ان کے تیر خطا نہیں جاتے، درانجا لیکہ جن کا تم تذکرہ کرتے ہو، وہ صرف اس وقت جنگ کرتے ہیں، جب مجھے دیکھتے ہیں، اور ان کے تیر کبھی خطا کرتے ہیں، کبھی نشانہ پر لگتے ہیں، ان غریبوں کا تو بیت المال میں حق بھی ہے، میں ان کا حق لے کر دوسروں کو کیوں کر دے دوں؟

نورالدین نے عیسائیوں سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی پوری تیاری کی، لشکر کو انعامات و تقسیمات سے نہال کر دیا، سرحدی مقامات اور اسلامی ریاستوں کے امراء و حکام کو پراثر خطوط لکھے، اور ان کو جہاد فی سبیل اللہ اور شرکت و رفاقت کی ترغیب دی، ان مقامات کے زہاد و عباد اور صلحاء و فقراء کو بھی خطوط لکھے، جن میں فرنگیوں کی زیادتیوں اور مظالم کا تذکرہ کیا، اور ان سے دعا کی درخواست کی، اور اس کی خواہش کی کہ وہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کریں، چنانچہ ان حضرات نے رور و کر لوگوں کو خطوط پڑھ کر سنائے، اور سلطان کے لئے دعا کی، لوگوں میں ہوش جہاد کی ایک لہر پیدا ہو گئی، وایان ملک اپنے لشکر لے کر آئے، ادھر عیسائیوں نے بھی اپنی پوری طاقت اور ہر طرف کی افواج مقابلہ کے لئے جمع کر دیں، لیکن

بیت المقدس کا فاتح اور عالم اسلام کا محافظ ثابت ہوگا، اس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے جو بڑے بڑے عالی نسب شرفدار اور صلحاء کے لئے قابل رشک ہے اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا جس سے روح مبارک تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ "جائے اس کے کہ صلاح الدین سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی ہونے والا ہے وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پرامن نیکی کا بنا رہا، جو شریعت طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے!"

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو ان سے کام لینا منظور ہوا تو اس کا غیبی سامان کیا گیا، ان کو ان کے دلی نعمت نور الدین نے سخت اصرار و حکم سے مصر بھیجا، قاضی بہاء الدین ابن شداد سلطان کے محض لکھتے ہیں کہ "سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا، میرا مصر آنا بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا، میرا معاملہ بالکل وہی ہے جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وَعَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

زندگی میں تبدیلی

مصر پہنچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور مصر کی تمام مملکت ان کے ہاتھ میں آگئی تو ان کی زندگی یکسر بدلی گئی، یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور اس کام کے ساتھ عیش و راحت کا کوئی جوڑ نہیں۔

قاضی بہاء الدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آجانے کے بعد دنیا ان کی نظر میں ہیچ ہو گئی، شکر گزاری کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوا، شراب کے توبہ کی عیش و تفریح سے منہ موڑ لیا، اور ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی۔

۱۔ سلطان صلاح الدین ص ۱۱۱ ۲۔ النوادر السلطانیہ ص ۳۱۳ ۳۔ ایضاً والمحاسن الیوسفیہ ص ۳۲۱۳۲

لین پول بھی یہی لکھتا ہے :-

”اب یہاں تک صلاح الدین کا اپنی ذات سے تعلق تھا، اس نے اپنی زندگی کے قواعد سخت کر دیئے تھے اور پرہیزگار تو وہ ہمیشہ کا تھا، مگر اب ان میں اور سختی اختیار کی دنیا کے عیش و آرام اور لذتوں کا خیال بالکل ترک کر دیا، اور اپنے اعمال پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں، اور اپنے ساتھیوں کے حق میں خود ایک مثال بنا، اس نے اپنی تمام بلیغ کوششیں اس بات میں صرف کیں کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کرے جس میں کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری طاقت ہو، چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا

”جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے اللہ کو دنیا منظور ہے“

اس وقت سے صلاح الدین کی زندگی کا مقصد آخر تک اسلام کی نصرت اور حمایت رہا، اور اس نے عہد کر لیا کہ کفار پر جہاد کرے گا۔

جہاد کا عشق

سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اس کی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش اور اس کی روح کی غذا تھی۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ :-

”جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا، اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے، اور اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کی تلاش رہتی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترقیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انھوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن

۱۰ سلطان صلاح الدین ص ۵۷

یسی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے، گالی بادشاہ یروشلم اور اس کا بھائی چائیلون (حنین) کاریگی نالڈتین کا ہمسفری طبقات دادیہ اور بیطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی شرفا گرفتار کر لئے گئے..... باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے، یسی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جوندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے، ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنھیں خود اس گرفتار کیا تھا، خیمے کی رسی میں باندھ لے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے، جیسے پتھر پتھر پڑے ہوں، اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے، جیسے خوبڑوں کے کھیت میں خوبڑے پڑے نظر آئیں..... مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خون لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، مشہور ہر ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے توفے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے، اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے، وہ بھی میدان میں جا بجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔

سلطان کی دینی حمیت

اس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہے گا، جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اس کی قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے، مناسب ہے کہ یہ واقعہ بھی ہم انگریز مورخ کی زبان سے سنیں۔

• سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا جب خیمہ نصب ہو گیا، تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں، بادشاہ گالی اور ریکی نالڈ چائیلون (حنین) دونوں اندلائے گئے، سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اسے پیاسا دیکھ کر برت میں سرد کئے ہوئے پانی کا

کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا، اور پانی کا کٹورا والی کرک ریچی نالڈ کو دیا، سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے، بادشاہ گائی نے دیا ہے، روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے، مگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا، صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ریچی نالڈ کے سامنے آیا، ریچی نالڈ جیسے خمیر میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اس سے کہا سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی، ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا، دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ تو نے دھوکے اور دغا بازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا، دیکھ میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں، اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا، ریچی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، جو کچھ رت باقی تھی، اسے پہرے والوں نے آکر ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا، اور سمجھا کہ اب اس کی باری آئے گی، صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا، اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں، اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں، اب جو کچھ گذر گیا گذر گیا!

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ریچی نالڈ کو طلب کیا، اور کہا کہ حالانا انتصر لمحتدی علیہ الصلوٰۃ والسلام، (لو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں، ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اس کو اسلام کی دعوت دی، مگر اس نے قبول نہیں کی۔

لے قاضی ابن شداد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ان بیکس حجاج نے اسے انسانیت و شرافت کی درخواست کی تو اس نے گستاخانہ کہا کہ اپنے محمد سے کہو کہ تمہیں رہائی دیں، فقرہ صلاح الدین کو پہنچا، اور اس نے منت مانی کہ اگر یہ بے ادب اس کے ہاتھ آئے گا تو اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کروں گا، ۱۲۷۰ھ سلطان صلاح الدین ۱۸۵۰ھ النوار السلطانیہ ص ۶۴

فتح بیت المقدس

حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا، جس کی سلطان کو بے حد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح، قاضی ابن شداد نے لکھا ہے کہ۔

سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی اور اس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اس کے منہل نہیں تھے۔

اسی سال ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء ۲۷ رجب کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور پورے ۹ برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی تولیت میں آیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:-

عظیم الشان فتح تھی، اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لئے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا، اور کوئی روشناس اور معروف آدمی سمجھے نہیں جا سکتے، دعا، تہلیل و تکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی، قبۃ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی، وہ اتار دی گئی، ایک عجیب منظر تھا، اور اسلام کی فتح مندی اور اشرقتا کی مدد کھلی آنکھوں نظر آ رہی تھی۔

نور الدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اشرقتاے بیت المقدس واپس دلائے گا، تو یہ منبر نصب کیا جائے گا، صلاح الدین نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔

اسلامی اخلاق کا مظاہرہ

صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا وہ عیسائی مورخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

• صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت ناسٹ ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب یہ وٹلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے، اور اس کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی وقوعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو، پیش نہ آیا، شہر کے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر تعین تھا، کہ ہر شہر والے کو جو زبردیہ ادا کر چکا ہے، باہر جانے دے۔

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اہلبالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے کے تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے: "اب صلاح الدین نے اپنا میرٹ لکھا کہ میرے بھائی اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں سنا کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زبردیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کئے جاتے ہیں، کہاں چاہیں وہ جائیں، اور یہ سب باب البوزر سے نکلے شروع ہوئے اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر و خیرات تھی، جو صلاح الدین نے ہینار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔"

غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا، جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحیاً و کتیباً یاد آتی ہیں، جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کیا تھیں، جب گوڈجے اور تنگیر ویدیم کے کوچ و بازار میں گزے تھے تو وہاں مردے پڑے اور جان بلب زخمی لوٹتے تھے، جب کہ

بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں کی سخت اذیتیں دے کر مارا تھا، اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا جہاں
قدس کی چھتوں اور بڑوں پر جو مسلمان پناہ لیے چڑھے تھے، وہیں ان صلیبیوں نے انھیں اپنے تیروں کے چھید کر
گرایا تھا، اور جہاں ان کے اس قتل عام نے سچی دنیا کی عزت کو بڑھ لگایا تھا، جبکہ اس مقدس شہر کو ظلم و
بدنامی کے رنگ میں انھوں نے رنگایا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ
خیر و برکت والے ہیں، وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، ان پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اس پاک و مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اس کو ذبح بنا رہے تھے، اس وقت
وہ ان کلام کو بھول گئے تھے، اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں
ان پر رحم و کرم ہو رہا تھا۔

صفاتِ خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفتِ رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے، جہاں
عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے، رحم جان بچا سکتا ہے۔

اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یرغلم کو
باریاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ
تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت اور شہامت میں کیا، اور بے مثل شخص تھا!

صلیبی سیلاب

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی آگ پھر بھڑک
اٹھی، اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا، جس میں یورپ کے تقریباً تمام مشہور جنگ آزما، اور
مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے، قیصر، فریڈرک، رچرڈ شیردل، شاہانِ انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا

۲۰۵۱۲۰۲۰

برگنڈی، فلانڈرز کے ڈیوک اور نارٹ اپنی آہن پوش فوجوں کے ساتھ اتر آئے، ان کے مقابلے میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا، اور اس کے اعتراف اور چند حلیف جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔

صلح اور سلطان کے کام کی تکمیل

آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز دونوں آثام جنگوں کے بعد ۱۱۹۲ء میں رملہ پر دونوں جریوں میں جو ٹھک کر چھوڑ ہو گئے تھے، صلح ہوئی، بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور ان کے قبضہ میں رہے، ساحل پر عک کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی، اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیر نگیں تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی، اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا تھا، اس کے ہاتھوں مکمل ہوا، عیسائی مورخ اس کی کامیابی اور جنگ صلیبی کے نامبارک سلسلہ کے اختتام کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

• جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں، جولائی ۱۱۹۲ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک پانچ زمین بھی رہی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی ہے، تو صور سے لے کر یافک ساحل پر بحر زمین کی ایک چمکی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، اس صلح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی، صلیبیوں کو کچھ فتح کیا تھا، اس کا بڑا حصہ افرنجیوں کے پاس رہا، لیکن اگر صرف جان مال کا لحاظ کیا جائے، تو یہ نتیجہ نہایت حیرت انگیز تھا، پاپائے روما کی فریاد سننے ہی کل سچی دنیا نے ہتھیار اٹھائے تھے، قیصر فریڈرک شاہ ابن انگلستان فرانس و صقلیہ، آسٹریا، کالیو پولڈ برگنڈی کا ڈیوک، فلانڈرز کا کاؤنٹ، ہمدہ، مشہود و معروف ہیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نارٹیرولڈ، شلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دیگر عیسائی دایا بن بلک طبعہ داویہ اور طبقہ البیطار کے بڑے بڑے شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا

قبضہ اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو ٹٹنے کے قریب ہے پھر سرسبز ہو جائے، لیکن انجام کیا ہوا؟ اسی دوران میں قیصر فریڈرک قضا کر گیا، شاہان انگلستان فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے اور ان کے بڑے بڑے شریف اور معزز ساتھی ارض ایلیا میں خاک کا پیوند ہوئے، لیکن یروشلم اس پر بھی سلطان صلاح الدین کا رہا، صرف ساحل عکہ کی مختصر سی ریاست پر اس کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔ تیسری جنگ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی، مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹٹ سے ٹٹ کر سکی، صلاح الدین کی سپاہ مہینوں کی سخت محنت و جانفشانی اور برسوں کی محنت اور خطرناک خدمت کے بعد تھک کر چور چور ہو چکی تھی، مگر کسی زبان پر حرف شکایت نہ تھا، کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور ایک نیک کام میں اپنی جانیں قربان کرنے سے کسی نے انکار نہ کیا، دریائے دجلہ کی دور دراز وادیوں میں ممکن ہے کہ سلطان کے تابع وایان ملک کے دل میں اس ہمیشہ کی طلبی لگ کر کچھ شکایت پیدا ہوئی ہو، لیکن بہر کیف اپنی اپنی فوجیں سلطان کی خدمت میں بڑی جان نثاری اور نیک خواہی کے ساتھ لائے، آخری جنگ جو ارسوف پر ہوئی، اس میں موصل کی فوجوں نے بڑی مردانگی اور جانبازی سے کام لیا، ان تمام لڑائیوں میں سلطان کو ہمیشہ مصر اور عراق کی فوجوں سے مدد ملنے کا بھروسہ رہا۔ اور یہی تقویت ملک شام کی شمالی اور مرکزی فوجوں سے رہی، کردستان، عرب، مصری سب مسلمان اور سلطان کے خادم تھے، اور طلبی پر خادموں کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے، باوجود اس کے کہ ان کی نسل و قوم جدا تھی، اور باوجود قومی جھگڑوں اور قبائلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا اثر و شکر بنا رکھا تھا کہ تمام لشکری واحد نظر آتا تھا، سب ایک ہی لشکر کے رکن رہے، دو ایک مرتبہ اس میں شک نہیں کہ ان کو متفق اور متحد رکھنے میں مشکلات پیش آئیں، اور بعض نازک مواقع ایسے بھی آئے کہ ان کی طبیعتوں میں فرق پیدا ہوتا معلوم ہوا، باوجود یا فافوج کے تردد کے یہ تمام مختلف النسل قومیں ۱۱۹۳ء کے موسم خریف تک سلطان کے حکم کے تابع رہیں، اور جس طرح ۱۱۸۶ء میں پہلی مرتبہ خدا کی

راہ میں کام کرنے کو انہیں طلب کیا تھا، اسی طرح اخیر تک راہ خدا میں وہ کام کرتی رہیں، اس تمام زمانہ میں نہ تو سلطان کا کوئی صوبہ اس سے منحرف ہوا اور نہ کسی ماتحت سردار یا باج گزار ریاست نے اس سے بغاوت کی، گو جو توقعات ان کی غیر خواہی اور جفاکشی سے رکھی گئی تھیں وہ کافی طور پر ایسی تھیں کہ مضبوط سے مضبوط اعتقاد اور قیادت کی طاقت کو بھی آزمائش میں لاکر ہر ادیتیں، صرف عراق میں سلطان کی عزیز کی سرکشی کی مثال جس کی اصلاح فوراً معافی لے کر دی گئی، ایسی ہے جس کا استثناء اس اثر کو اور قوت کے ساتھ ثابت کرتا ہے، جو سلطان اپنی رعایا پر رکھتا تھا، جب جنگ پنج سالہ کی یہ آزمائشیں اللہ تکلیفیں ختم ہوئیں تب بھی سلطان کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبتک بذات واحد حکمران رہا، اور ان حدود سے بھی دور کردستان کا بادشاہ ارمینہ کا کاتلمین (حاکم وقت) تونیزہ کا سلطان اور قسطنطنیہ کا قیصر اس بات کا شوق رکھتا ہے کہ صلاح الدین کو اپنا دوست اور مدد و معاون سمجھیں، لیکن صلاح الدین ان دوستوں اور اتحادیوں میں سے کسی کا زیر بار احسان نہ ہوا، اس کی مدد کو آئے بسا کہ بادینے البتہ حاضر ہوئے، یہ کل کشمکش صرف صلاح الدین نے کی تھی، بجز سلطان کے بھائی العادل کے جو آخری زمانہ میں مدینہ طور پر سبکے سامنے آیا، لیکن نہیں کہ کوئی شخص کسی ایک پہ سالہ یا مشیر کو بتا سکے جس کی نسبت کہہ سکیں کہ وہ سلطان کا مشیر یا صلاح کا مددگار اس پر حاوی ہو گیا تھا، ایک مجلس حرب البتہ اس کے یہاں تھی، جو معاملات جنگ میں شدہ دیتی تھی، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ سلطان کی صحیح رائے پر اس کی غلط رائے غالب آگئی، جیسا کہ صور اور غلگ کے معاملے میں ہوا تھا، لیکن مجلس میں بھی اس کے کسی ایک رکن کی طرف اشارہ نہیں کر سکتے کہ اس کی رائے نے سلطان پر کبھی وہ سرے کی رائے سے زیادہ اثر کیا ہو، بھائی بیٹے، بھتیجے، پڑنے رفیق نے ماتحت عامل، اور ہوشیار قاضی، محتاط اور دفا شعار معتد وزیر، متعصب و اعظا، اور ملا بھی اس میں تعلق الکلام تھے، کہ جہاد کیا جائے اور مسلمانوں کو شریک بھی ہوئے اور سب آقا کی بڑی تندہی اور غیر خواہی سے اپنی اپنی یاقوت اور قوت کے مطابق مدد کی، لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جو اس بات کو بھولا ہو کہ آقا کون ہے؟ اس تشویش فکر اور محنت و

جانفشانی کے نازک وقت میں صرف ایک دل اور ارادہ تھا، جو سب پر حاوی تھا، اور یہ دل اور ارادہ
سلطان صلاح الدین کا تھا!

وفات

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کر کے اور عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے
کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا، اس وقت ان کی عمر ستاون سال
کی تھی، قاضی بہاء الدین بن خذاد سلطان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”۲۷ صفر کی شب کو جو سلطان کی علالت کا بار ہوا دن تھا، مرض میں شدت ہو گئی، اور قوت گھٹ گئی
شیخ ابو جعفر امام الکلاہ کو جو ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے، زحمت دی گئی کہ رات کو قلعہ میں
رہیں کہ اگر رات کو وہ ساعت مقررہ آگئی، جو سب کو پیش آنے والی ہے تو وہ اس وقت سلطان کے پاس
ہوں اور ان کو تلقین کر سکوں، اور اشراکام لیں، رات کو سلطان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لئے پار کا
ہیں، شیخ ابو جعفر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تلاوت و ذکر میں مشغول تھے، تین دن پہلے سے ان پر ایک ذہول
اور غفلت طاری تھی، کسی کسی وقت ان کو ہوش آتا تھا، جب شیخ ابو جعفر نے تلاوت کرتے ہوئے **هُوَ اللَّهُ**
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پڑھی تو سلطان کو ہوش آیا، ہونٹوں پر مسکراہٹ
آئی، اور چہرہ کھل گیا اور کہا صحیح ہے، اور یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کی، یہ چہرہ خندہ کا دن صفر کی ہر گز
اور فجر کا وقت تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کی وفات کے بعد سے ایسا سنت دین سلمانوں
کی تاریخ میں نہیں آیا، قلعہ، شہر اور تمام دنیا پر ایک وحشت سی برسی تھی، اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیسا
شامنا اور یہی ادا اسی تھی، میں پہلے جب سنتا تھا کہ لوگ دوسروں پر قربان ہو جانے اور ان کا فدین بن جانے

۱۷ سلطان صلاح الدین ص ۳۱۳-۳۱۲ ۱۷ سلطان کی ولادت ۵۳۲ھ کی ہے، (ابوالفداء ج ۳ ص ۹)

کی تنا کرتے ہیں تو سمجھتا تھا کہ یہ محض ایک مجاز اور تکلف کی باتیں ہیں، لیکن اس دن معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے، خود میں اور بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اگر ان کے امکان میں ہوتا تو وہ سلطان پر اپنی جان قربان کر سکیں، اور اس کی طرف سے فدیہ ہو جائیں تو وہ اس کے لئے تیار تھے۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ایک دینار اور ۴۰۰۰ دھم چھوڑے تھے، کوئی ملک، مکان، جائداد، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھانس کے پونے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی قاضی نے کسی جائز و حلال ذریعہ سے کیا۔

درویش سیرت سلطان

قاضی ابن شداد سلطان کی سیرت، اخلاق و عادات اور خصوصیات میں لکھتے ہیں:-

• سلطان نہایت صحیح العقیدہ، راسخ الاعتقاد مسلمان تھے، عقائد میں اہل السنۃ و الجماعۃ کے ہم مسلک، ہم اعتقاد، نماز و واجب کے بڑے پابند، ایک موقع پر فرمایا کہ ساہا سال ہو گئے، میں نے ایک نماز بھی بے جا نہیں پڑھی، حالت مرض میں بھی امام کو بلا لیتے اور تکلف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے، سنن رواتب پر مداومت تھی، رات کو حتی الامکان نوافل پڑھتے، اگر رات کے نوافل رہ جاتے تو رات خفیہ کے مسلک کے مطابق نماز فجر سے پہلے ادا کرتے، ان کو آخری بیماری میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا، صرف تین دن جن میں ان پر بیوشی طاری رہی، نماز فوت ہوئی، زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت ہی نہیں آئی، ماں لڑکے انھوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا، جس پر زکوٰۃ فرض ہو، ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی، صرف ۴۰۰۰ دھم نامہری اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائداد، ملکیت نہیں چھوڑی۔

۱۔ النوادر السلطانیہ منہ - ۲۳۹ ۲۔ سلطان شافعی المذہب تھے۔

رمضان میں روزے کے سخت پابند تھے، کچھ روزے ان کے ذمہ باقی تھے، قاضی فاضل کی یادداشت میں تحریر تھی، وفات سے پہلے پہلے بڑے اہتمام سے وہ سب روزے قضا کئے، معراج نے ہر چند منع کیا، لیکن فرمایا کہ کل کا حال مجھے معلوم نہیں، چنانچہ ان کی قضا کے بعد ہی خود قضا کر گئے۔

حج کی بڑی آرزو تھی، لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا، وفات کے سال اس کا شوق بہت غالب تھا، لیکن نوبت نہیں آنے پائی۔

قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا، کبھی کبھی اپنے برج میں پہرہ داروں سے دو دو تین تین چار چار پارے سن لیتے، بڑے فاضل، قاضی، رقیب القلیب تھے قرآن مجید سن کر اکثر آنکھوں آنسو جاری ہو جاتے، حدیث سننے کے بڑے شائق تھے، اور اس کا بڑا احترام کرتے تھے، حدیث کی قرأت کے وقت لوگوں کو احتراماً بیٹھ جانے کا حکم دیتے، اگر کوئی عالی سلسلہ حدیث کا شیخ ہوتا، تو خود اس کی مجلس میں جا کر حدیث سننے، خود بھی حدیث کے قرأت کا شوق تھا، اگر کسی حدیث میں کوئی عبرت کی بات ہوتی تو آنکھیں پونم ہو جاتیں، میں میدان جنگ میں بعض مرتبہ دو صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر حدیث کی سماعت کی کہ یہ وقت خاص فضیلت کا ہے، دینی شعائر کی بڑی تعظیم کرتے، سہروردی ملحد کو انہی کے ایہار سے ان کے صاحبزادہ الملک الظاہر نے قتل کر دیا، ان کو خدا پر بڑا بھروسہ اور اس کی ذات عالی کے ساتھ بڑا احسن ظن تھا، کٹھن گڑوں اور نازک اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور دعا و مناجات کی عادت تھی، ایک مرتبہ بیت المقدس کو صلیبی افواج کی طرف سے جو اس کے قریب مجتمع تھیں، سخت خطرہ لاحق تھا، سلطان کو بیت المقدس کی بڑی فکر تھی، اور وہ کسی طرح بھی وہاں سے چلے جانے پر راضی نہ تھے، شب جمعہ تھی، جاڑوں کی راتیں تھیں، میں تنہا خدمت میں حاضر تھا، ہم دونوں رات بھر ذکر و دعا میں مشغول رہے، سلطان کے مزاج پر اکثر خشکی اور یوسست غالب آجا یا کرتی تھی، رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہوا کہ ان کا مزاج ناساز ہو جائے گا، میں نے عرض کیا کہ کچھ دیر آرام فرمالیں، فرمایا شاید تمہیں نیند نے

تایا ہے اس لئے مجھے مشورہ دیتے ہو؟ یہ کہہ کر وہ اٹھے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں موزن نے صبح کی اذان دی
 میں عموماً فجر ساتھ ہی پڑھا کرتا تھا، حاضر ہوا تو دیکھا کہ اپنے ہاتھ پاؤں پر پانی ڈال رہے ہیں، مجھے دیکھ کر
 فرمایا کہ میں نے جھپکی بھی نہیں لی، ہم نماز میں مشغول ہو گئے، مجھے ایک خیال آیا، اور میں نے عرض کیا کہ میرے
 ذہن میں ایک بات آئی ہے اور انشاء اللہ وہ مفید ہوگی، وہ یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس
 گڑگڑا کر دعا مانگیں، اور یقین رکھیں کہ وہی یہ مشکل آسان کر سکتا ہے، فرمایا کہ اس کی کیا ترکیب ہے؟ میں نے
 عرض کیا کہ آج جمعہ کا دن ہے، مسجد جاتے ہوئے آپ غسل فرمائیں، اور مسجد اقصیٰ میں اس مقام پر نماز پڑھیں
 جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے، اور پہلے کسی محترم آدمی کے ذریعہ بالکل پوشیدہ طور پر
 کچھ حدیث کریں، پھر اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھیں، ایک حدیث میں اس کی فضیلت
 اور اس وقت دعای قبولیت کی خبر دی گئی ہے، اور سجدہ میں سر رکھ کر عرض کریں کہ خدایا مادی سبب او
 دنیاوی سہانے سب ٹوٹ چکے، اب تیرے دین کی مدد اور فتح کے لئے صرف یہی سہارا رہ گیا ہے کہ تیرے
 آستانہ پر سر رکھ دیا جائے، اور تیرے سہارے کو مضبوط کر دیا جائے، اب صرف تیرا بھروسہ ہے، اور توی
 میرا حامی و ناصر ہے، مجھے امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا، سلطان نے ایسا ہی کیا،
 میں نے اپنے معمول کے مطابق ان کے پہلو میں نماز پڑھی، میں نے دیکھا کہ وہ سجدہ میں پڑے ہیں، آنسوؤں
 سے ان کی داڑھی تر ہو گئی ہے، اور جانا نماز پر آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں، میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے
 کیا دعا کی، اسی دن سے ان کی دعا کے قبولیت کے آثار ظاہر ہونے لگے، صلیبی فوجوں میں انتشار و
 اضطراب پیدا ہوا، پے در پے اطمینان بخش اطلاعات آتی رہیں، یہاں تک کہ دو شنبہ کی صبح تک
 میدان بالکل صاف ہو گیا، اور حملہ آور فوجیں بیت المقدس کا خیال چھوڑ کر رٹ کی جانب
 چلی گئیں!

۱۰ النوار السلطانیہ ص ۱۰۵

محاسن اخلاق

عبادات و فضائل اعمال کے علاوہ حاکمانہ فضائل عدل، عفو و حلم، جود و سخاوت، مروت و شرافت، صبر و استقامت، شجاعت و فتوت اور شہامت و علو ہمت کے اوصاف عالیہ سے آراستہ تھے۔

قاضی ابن خرداد لکھتے ہیں کہ ہفتے میں دو بار دو شنبہ و پنجشنبہ کو اذن عام ہوتا تھا، فقہاء، قضاة و علماء اور اہل مقدمہ حاضر ہوتے، بڑے چھوٹے امیر غریب، بوڑھے اور عام بڑھیوں تک کو آنے کی اجازت تھی، سفر و حضر میں بھی اس معمول میں فرق نہ آتا، رات دن میں ایک بار خود معاملات کو دیکھتے، اور رزقات و قرائین پر خود دستخط کرتے، کبھی کسی صاحبِ فرض اور حاجت مند کو ناکام واپس نہ کرتے، اس کے ساتھ ساتھ ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے۔

اگر کوئی فریاد یا شکایت کرتا تو خود کھڑے ہو کر اس کا مقدمہ سنتے اس کی داد دے دیتے اور اس کے معاملہ سے پوری دلچسپی لیتے، ایک مرتبہ ایک معمولی شخص نے ان کے بھتیجے تقی الدین کے خلاف (جو سلطان کو بہت عزیز تھے) دعویٰ کیا، سلطان نے فوراً ان کو طلب کیا، اور مقدمہ کی سماعت کی، خود ان کے خلاف ایک شخص نے دعویٰ کیا، سلطان نے معاملہ کی پوری تحقیق کی، اگرچہ دعویٰ کا حق ثابت نہیں ہوا، لیکن سلطان نے اس کو ناکام واپس نہیں کیا، اور خلعت و مال سے سرفراز کیا۔

بڑے بڑے بار اور متحمل مزاج تھے، مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اپنے رفقاء و خدام کی غلطیوں اور لغزشوں سے چشم پوشی کرتے، بعض مرتبہ کوئی ایسی بات سنتے جس سے ان کو تکلیف یا ناگواری ہوتی، لیکن وہ اس کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتے اور نہ اپنے طرز عمل سے کوئی فرق آنے دیتے، ایک مرتبہ پانی مانگا، پانی نہیں آیا، پھر مانگا، پھر نہیں ملا، یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں پانچ مرتبہ نوبت آئی، آخر میں کہا کہ دو سنتو! میں تو پیاس سے مر جا رہا ہوں، اتنے میں پانی آیا، سلطان نے پی پیا۔

اور اس تاخیر پر کچھ نہ کہا، ایک مرتبہ سخت بیماری سے اٹھے اور غسلِ صحت کے لئے حمام میں گئے پانی بہت گرم تھا، ٹھنڈا پانی مانگا، خادم نے پانی حاضر کیا، پانی کچھ چھلک کر ان پر گرا، ضعف کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوئی، پھر ٹھنڈا پانی مانگا، اس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا، اور سارا پانی ان پر آ گیا اور وہ مرتے مرتے بچے، لیکن صرف اتنا کہا کہ مجھے مارنے کا ارادہ ہو تو کہ دو، خادم نے معذرت کی اور وہ خاموش ہو گئے، اور کوئی باز پرس نہیں کی، قاضی ابن شداد نے سردار ابن فوج کی غلطیوں اور اہل دربار کی بے عنوانیوں سے درگزر اور سلطان کے عفو و حلم کے حدود موثر واقعات لکھے ہیں۔

”جو دو سخاوت کا یہ حال تھا کہ بقول ابن شداد بعض اوقات فتح کئے ہوئے صوبے دوسروں کو بخش دیئے آمد فتح کیا، ایک سردار ابن قرہ ارسلان نے ان سے خواہش کی اور انھوں نے بخش دیا بعض مرتبہ سامان بیچ کر دوز کو عطایا و انعامات سے نوازتے، محافظین خزانہ بعض اوقات کسی نازک وقت کے لئے کچھ چھپا کر رکھ لیتے کہ سلطان کو اگر خبر ہوگی، تو وہ رہنے نہیں دیں گے، ایک مرتبہ انھوں نے دوسروں پر رکھ کر یہ بات کہی کہ بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں، جو دہریہ اور مٹی کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے اپنا ہی حال بیان کیا ہے۔“

”مرآت و شرافت کا یہ حال تھا کہ آنے والے اور ملاقات کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے، خواہ کافر ہو، صید کا والی ملاقات کے لئے آیا، سلطان نے اس کی بڑی خاطر کی، اپنے ساتھ کھانا کھلایا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی دعوت بھی دی، اور اس کے فضائل و محاسن بیان کر کے اس کو اسلام کی ترغیب دی، اس مرآت و شرافت کا نتیجہ تھا کہ اپنے سب سے بڑے حریف رچرڈ کو اس کی بیماری میں مبتلا اور پھل بھیتے رہے۔“

۱۰۰ تاریخ ابن خلکان ترجمہ سلطان صلاح الدین ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰ النوادر السلطانیہ ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰

۱۰۰ الفتح القدسی فی الفتح القدسی عماد الدین الکاتب۔

”سلطان بڑے شریف النفس، رقیق القلب اور درد مند انسان تھے، ظلم کو برداشت نہ کر سکتے تھے، کسی آفت رسیدہ کمزور مخلوق کی تکلیف کی تاب نہ لاسکتے، ابن شداد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عیرانی بڑھیا ان کے پاس آئی، وہ سینہ پٹی تھی اور برابر روئے جا رہی تھی، سلطان نے سبب پوچھا، کہا کہ میری چھوٹی سی بچی کو ڈاکو میرے خیمہ سے اٹھالے گئے، مجھے روتے پوری رات ہو گئی، سلطان کے ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ سلطان شفیق و مہربان ہیں، ہم تمہیں ان کے پاس پہنچا دیتے ہیں، تم ان سے فریاد کرنا، انہوں نے مجھے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا، اب میں اپنی بچی آپ ہی سے لوں گی، سلطان کو اس کی حالت پر بڑا ترس آیا، ان کی آنکھیں پُر آب ہو گئیں، اسی وقت ایک شخص کو لشکر کے بازار میں بھیجا کہ تحقیق کرے کہ کس نے اس کی بچی کو خریدا ہے، جس نے خریدا ہو، اس کو قیمت دے کر اور بچی کو لے کر آئے، تھوڑی دیر میں وہ سوار بچی کو کاندھے پر لئے ہوئے نظر آیا، بڑھیا زمین پر گر گئی اور اپنی پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک اپنی (مغربی) زبان میں کچھ کہتی رہی پھر خوش خوش اپنی بچی کو لے کر چلی گئی۔“

قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ جب سلطان کسی قہیم کو دیکھتے تو محبت و شفقت کی باتیں کرتے، اور اس کی دجوئی فرماتے، اس کو کچھ عنایت فرماتے، اگر کوئی پرورش کرنے والا نہ ہوتا تو اپنی طرف سے اس کا کچھ انتظام فرماتے، اسی طرح جب کسی شخص یا بوڑھے کو دیکھتے تو بڑے متاثر ہوتے، اس کے ساتھ کچھ سلوک کرتے۔“

مردانہ اوصاف

صبر و استقامت اس درجہ کی تھی کہ قاضی ابن شداد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مکر سے گھٹنوں تک اس قدر دلنے اور پھوڑے تھے کہ بیٹھنے سے معذور تھے، یہاں تک کہ دسترخوان بچھا اور کھانا تاناول نہ کر کے اس لئے کہ بیٹھنے کی قدرت ہی نہ تھی، اس کے باوجود دشمن کے مقابل صف آرا تھے، میں نے دیکھا ہے کہ صبح سے

مغرب تک گھوڑے پر سوار ایک طرف سے دوسری طرف برابر چکر لگاتے اور افواج اور انتظامات کا معائنہ فرماتے اور پھوڑوں کی تکلیف کو تحمل سے برداشت کرتے ہیں تعجب کا اظہار کرتا تو فرماتے کہ گھوڑا پر سوار ہونے کے بعد مجھے درد کا احساس نہیں رہتا۔

ایک معرکہ میں حالت بیماری میں برابر دشمن کا تعاقب کیا، ایک رات میں اور طبیب سلطان کے پاس تھے، ہم تیمارداری بھی کرتے تھے اور ان کی طبیعت بھی پہلانتے تھے، سلطان کبھی سوتے، کبھی جاگتے یہاں تک صبح ہو گئی، سلطان سوار ہو کر تیار ہو گئے، اپنے لڑکوں کو لشکر کے راستے میں سب آگے کیا، اور سب کو خدا کے نذر کر دیا، ایک ایک کر کے سلطان نے سب کو روانہ کر دیا، صوف میں اور طبیب رہ گئے، شام تک سلطان اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور جنگ کی نگرانی کی یہاں تک کہ رات کو لشکر کو مسلح اور ہوشیار رات گزارنے کی اجازت ملی، اور ہم اور سلطان اپنے خیمہ میں واپس آئے۔

شجاعت میں سلطان ضرب المثل تھے، قاضی ابن شداد راوی ہیں کہ سلطان دن میں ایک ایک دو بار دشمن کے گرد گشت کرتے، گھسان کی لڑائی میں سلطان تین تہا گھوڑے پر صفوں کے درمیان چکر لگاتے، ایک کو تل گھوڑا سائیس کے ساتھ ہوتا، اور وہ خیمہ سے میسرے تک فوجوں میں گھستے، صفیں چیرتے نکل جاتے فوجی دستوں کو بلاتے، ان کو مناسب مقامات پر ٹھہرنے یا بڑھنے کا حکم دیتے، ان کے اطمینان اور بے خوفی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ سلطان نے مختلف مواقع پر حدیث سنی ہے، لیکن کبھی عین معرکہ اور دو صفوں کے درمیان حدیث سننے کی نوبت نہیں آئی، اگر یہ شرف بھی حاصل ہو جائے تو بہت اچھا ہے چنانچہ سلطان نے صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر حدیث شریف کی سماعت کی، انہوں نے کبھی دشمن کی تعداد کی پرواہ نہیں کی، اور نہ کبھی اس کا اثر قبول کیا، بعض بعض مرتبہ پانچ پانچ چھ چھ لاکھ کی تعداد ان کے مقابلے میں تھی اللہ نے ان کو فتح دی، اور کثیر خلقت قتل اور گرفتار ہوئی، ایک مرتبہ دشمن کے کچھ اور پڑے

۱۸۰ انوار السلطانیہ ص ۱۸۰ ایضاً ص ۱۹۰ ایضاً ص ۱۹۰ ایضاً

جہاز عکس میں آئے، میں عصر سے مغرب تک گفتار ہا، لیکن سلطان کے چہرہ پر شکن نہ تھی، عکس کے سب سے بڑے محرک میں مسلمانوں کے قدم اکٹرا گئے، قلب لشکر تک نے اپنی جگہ چھوڑ دی، نشان و پرچم اور طلشے زمین پر گر گئے، لیکن سلطان چند ساتھیوں کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہے، یہاں تک کہ پہاڑ کو پشت پر رکھ کر کھڑے ہو گئے، مسلمانوں کو لکارا اور شرم دلائی، اور وہ میدان میں واپس آئے، اور دوبارہ حملہ کیا، جس میں دشمن کے سات ہزار آدمی قتل ہوئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، سلطان کی بلند ہمتی اور عالیٰ و صلیٰ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان نے ایک روز فرمایا کہ میں تم سے اپنے دل کی بات کہتا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ ساحل کو صلیبیوں کے پاک کرنے کے بعد ملک کو تقسیم کر دوں، وصیت کر کے اور ہدایات دے کر خود یہاں سے رخصت ہو کر چلا جاؤں اور سمندر میں سفر کر کے یورپ کے جزائر تک پہنچوں، اور ان مغربیوں (یورپین قوموں) کا وہاں تک تعاقب کروں کہ روئے زمین پر کوئی کافر رہ جائے، یا میں اس ارادہ میں کام آجاؤں؟

علم و فضیلت

سلطان عالم فاضل شخص تھے، عرب کے انساب و قبائل یہاں تک کہ ان کے مشہور گھوڑوں کے سلسلہ انساب پر ان کو عبور تھا، عربوں کے واقعات و حالات ان کو سمجھ تھے، دنیا کے عجائبات و نوادر کا ان کو علم تھا، ہر طرح کے معلومات رکھتے تھے، ان کے ہنشینوں کو ان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی تھیں، بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان کو حمار حفظ تھا، لیکن پول ان کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”اس کا اصلی رجحان طبیعت دنیات کی طرف تھا، علم کے وقت سے احادیث سنتے، ان کے براہین اور

راویوں کے سلسلہ کی تحقیق، مسائل فقہ پر بحث، آیات قرآن کی تفسیر میں اسے بڑا انہماک رہتا تھا، اور سب سے بڑھ کر

اس بات کا ذوق تھا کہ مذہب اہل سنت و جماعت کی تائید اور ثبوت قوی دلائل سے دیا جائے۔“

۱۵ النوادر السلطانیہ ص ۱۵۲ ایضاً ص ۱۵۳ ایضاً ص ۱۵۴ ایضاً ص ۱۵۵ سلطان صلاح الدین۔

فاطمی حکومت کا زوال اور صلاح الدین کا دوسرا کارنامہ

سلطان صلاح الدین کا مصر میں اقتدار عبیدی سلطنت (جو عام طور پر فاطمی شہزادے کا خاتمہ تھا جو ۱۰۹۹ء سے ۱۲۵۰ء تک پورے دو سو اڑسٹھ سال بڑی شان و شوکت کے قائم رہی) اور اس نے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ کے عقائد اعمال و اخلاق اور تمدن پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا یہ دور حکومت اعتقادی عجائبات عجیب و غریب حکام اور مضحکہ خیز قوانین سے بڑھاؤں کے بعض نمونے مشہور مورخ مقریزی کی کتاب مخطوط الآثار سے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۲۳۰ء میں قانون میراث میں ترمیم کی گئی اور قانون بنا گیا کہ اگر ستوں نے بیٹی چھوڑی ہو تو بیٹے

چچا وغیرہ کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا، اس قانون کی خلاف ورزی کو حضرت فاطمہ کے ساتھ ہوا

کا مراد بھجا جاتا ہے ہلال کا دیکھنا پوری ملک مصر میں موقوف ہو گیا روزہ اور عید حساب ہونے لگے۔

۱۲۴۲ء میں پورے ملک مصر میں تراویح کی سرکاری مانعت کر دی گئی، موطا امام مالک کے ایک نسخہ کے

پلے جانے پر ایک شخص کی تشہیر کی گئی۔

۱۲۹۳ء میں ۱۳ آدمیوں کو اس جرم میں زرد کو بکایا گیا، اور ان کی تشہیر کی گئی کہ انہوں نے صلوات اعلیٰ

(نماز چاشت) پڑھی تھی، ۱۲۹۵ء میں طوخیا (ایک ترکادی) کو جو اہل مصر کو بہت مرغوب ہے اس کے ممنوع

قرار دیا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی جو حیر کی اس لئے مانعت ہوئی کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت

عائشہؓ کو مرغوب تھی اسی سنہ میں تمام مساجد دیواروں، مقابر اور صحرائیں سلطنت کو متہتم اور

لعنت لکھی گئی، اور اس کو منقش کیا گیا، ۱۳۱۱ء میں الظاہر لا عزاز دین اللہ نے شراب کی عام اجازت

لے محققین انساب کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ بنی عبید کو خاندان نبوت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا، ان کا مورث اعلیٰ عبید بن جری یا

یہودی تھا، قاضی ابوبکر محمد بن الطیب نے اپنی کتاب کشف عن اسرار الباطنیہ اور قاضی عبد الجبار نے کتاب تثبیت النبوة اور

مقدسی نے اپنی کتاب کشف ما کان علیہ بنو عبید" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

دی عیاشی و عشرت اور لہو و لعب کی گرم بازاری ہوئی، اسی زمانہ میں ملک میں سخت گرانی اور بیماریوں کا زور تھا، لوگ محل شاہی کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور ابوعبوع (بھوک بھوک) کے نعرے لگاتے تھے، لوٹ مار کی کثرت ہوئی۔ ۱۱۲۴ء میں علی ہمدانی جس کی عمر ۳۷ سال کی تھی، سواری نکلی تمام بازاروں سے تھے، لوگ زمین بوس ہوتے تھے۔ ان خلفاء میں متعدد اشخاص ایسے تھے جو نہایت کم سنی میں خلیفہ بنائے گئے، اور مسلمانوں پر ان کی اطاعت فرض قرار دی گئی، مستنصر باشریب خلیفہ ہوا تو سات برس کی عمر تھی، آبراہ حکام اشر کی عمر خلافت کے وقت پانچ سال ایک ہینہ کچھ دن تھی، انفاؤنبر اشر خلافت کے وقت صرف پانچ سال کا تھا، عاصد لدین اشر کی عمر جب وہ خلیفہ ہوا گیارہ سال تھی۔

سلطان صلاح الدین کی حکومت سے اس دور کا خاتمہ اور دوسرے دور کا آغاز ہوا مصر سے شیعیت و فاض کے آثار مٹنے لگے، سنت کا فروغ ہوا، جا بجا مدارس قائم ہوئے جن میں علمائے سنت علوم دینیہ کی تعلیم دیتے، ذر ذر رفتہ عبیدی حکومت کے اثرات بالکل زائل ہو گئے، اس کے ساتھ اسماعیلیت جو تقریباً تین صدیوں تک مصر کا سرکاری مذہب رہا تھا، مصر میں فریب الوطن ہو گیا، مورخ مصر قزیری لکھتا ہے:-

والتقى مذهب الشيعة والاسماعيلية
 شيعية، اسماعيلية اور امامية کا مذہب پوش ہو گیا،
 ولامانية حتى فقد من ارض مصر كل هذا
 یہاں تک کہ پورے ملک مصر میں ان کا کہیں وجود نہیں تھا

عبیدی حکومت کا یہ صد سالہ عہد اسلام کے لئے ایک دورِ ابتلا تھا، جس میں مسلسل شریعت و سنت اور عقائد و اخلاق کے ساتھ تمسخر و تلاعب جاری رہا، اہل سنت اور اہل علم مقہور و مغلوب رہے، سفاک طبیعت، اوباش مزاج اور بدین غالب حاوی رہے، علامہ مقدسی اپنی کتاب کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین میں اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وبقي هذا البلاء على الاسلام من اول
 عبیدیوں کی حکومت آغاز سے اختتام تک یہ بلا

یہ کتاب المخطوط والآثار لمقرئین من ۲۵۵، ۲۳۳

دو نتم الى اخرها وذلك من ذى الحجية
 سنة تسع وتسعين ومائتين الى سنة سبع
 وستين وخصائفة وفي ايامهم كثرت الراجفة
 واستحكم امرهم ووضعوا الملكوس على الناس
 واقتدى بهم غيرهم وافسدت عقائد
 طوائف من اهل الجبال الساكنين بغور الشام
 كالصيرية والدروزية والمخيشة نوع منم
 وتمكن دعواتهم منهم لضعف عقولهم
 وجهلهم ما تمكنوا من غيرهم واخذت
 الفرع اكثر البلاد بالشام والمجزية الى
 ان من الله على المسلمين بظهور البيت
 الاماني وتقدمه مثل صلاح السنين
 فاستردوا البلاد وازالوا اعداء الدعوة
 عن ارقاب العباد.

اسلام پر سلطان ہی اس کی ابتداء ہی ۱۰۹۹ء سے
 ہوتی ہے اور اس کا خاتمہ ۱۰۹۶ء پر ہوا ہے لکن وہ
 حکومت میں رافضی کی کثرت اور ان کا غلبہ ہوا لوگوں
 پر حاصل ہو گئے مگر کئے گئے اور دوسروں کی ان کی
 اقتدائی شامی حڈ پر بسنے والے کوہستانوں نصیروں
 دروزیوں کے عقائد انہی کے اثر سے خراب ہو گئے، یہی
 (بجنگ استعمال کرنے والے) انہی کی ایک قسم ہیں، ان
 اسماعیلیوں کے مبلغین کا جو اثر و نفوذ ان کوہستانوں کے
 اندر ان کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے ہوا، وہ
 دوسروں میں نہیں ہو سکا انہی کے دور حکومت میں
 فرنگیوں نے شام اور جزیرہ کے اکثر اسلامی شہروں پر
 قبضہ کر لیا، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا کہ
 قائدان اتابک برسر اقتدار ہوا اور صلاح الدین
 جیسے بہادر سامنے آئے جنہوں نے اسلامی ملک زبر نوازی
 کیا، اور اس حکومت سے ہندوستان خد کو نجات دلا۔

اس انقلاب سلطنت پر جو ایک بڑے دینی و اخلاقی انقلاب کا پیش خیمہ تھا، صحیح العقیدہ مسلمان
 اور مجتہدین سنت کی سرت بالکل قدرتی بات تھی، علامہ مقدسی نے جن کی ولادت سے صرف ۲۹ سال پہلے
 انقلاب ہوا تھا، اور ان تغیرات و اثرات کا انہوں نے خود شاہدہ کیا تھا، جو اس کے نتیجہ میں پیش آئے تھے۔

۱۰ کتاب التوضیح فی اخبار الدولین ج ۱ ص ۱۰۰

اپنی سترت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔۔

انقرضت تلك الدولة وزالت من
الاسلام بمصر بانقراضها الذلة۔
یہ حکومت ختم ہوئی، اور اس کے ساتھ ساتھ مصر میں
اسلام کی ذلت کا دور بھی اختتام کو پہنچا۔

حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب الصواعق المرسلۃ میں باطنیوں کے عروج اور اس کے اثرات پھر
نور الدین اور صلاح الدین کے ہاتھوں اس سلطنت کے زوال کا تذکرہ ان پر جوش الفاظ میں کیا ہے۔۔

ان باطنیوں کی دعوت مشرق میں تو مضمحل ہو گئی اور مغرب میں رفتہ رفتہ اس کا ظہور شروع ہوا، یہاں تک کہ
وہ بڑی طاقتور دعوت بن گئی اور اس کے پیچھے جم گئے اور اس کے علمبردار مغرب اقصیٰ کے اکثر شہروں پر قابض ہو گئے
پھر انھوں نے آگے قدم بڑھایا، اور مصر تک پہنچ گئے، انھوں نے اس پر قبضہ کر لیا، اور قاہرہ کی بنیاد رکھی، انھوں نے
اور ان کے حکام و قضاة نے کھلے طریقہ پر اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، انہی کے زمانہ میں رسائل انون الصفا
تصنیف ہوئے اور ابن سینا نے اشارات اور شفا اور دوسری تصنیفات کیں، خود ابن سینا کا بیان ہے کہ
میرے والد حاکم باشہر (فاطمی خلیفہ اور داعی) کے مہلین میں سے تھے، ان فاطمیوں کے دور میں سنت و آثار کا پلن ہوتا
ہوا، اور کتب سنت بالا اے طاق رکھ دی گئیں کہیں کوئی چھپ چھپا کر ان کو دیکھتا ہوگا، اور عمل کرتا ہوگا، اس دعوت
کا تمنا، امتیاز اور بنیادی اصول یہ تھا کہ عقل کو انبیاء علیہم السلام کی وحی و تعلیمات پر ترجیح حاصل ہے۔

رفتہ رفتہ سارے ملک مغرب، مصر و شام و حجاز پر ان باطنیوں کا تسلط ہو گیا، عراق پر بھی سال بھر ان کا
قبضہ رہا، اہل سنت ان کے دور حکومت اور ان کی مملکت میں ذمیوں (مسلمان حکومت کی غیر مسلم رعیت)
کی طرح رہتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ذمیوں کو وہ امن و امان اور عزت و اعتبار حاصل تھا، جو اہل سنت کو
نصیب نہ تھا، کتنے علماء اس دور میں قابلِ گردن زدنی قرار پائے، کتنے وارثین انبیاء ان کے قید خانوں میں
پڑے پڑے دنیا سے چلے گئے۔

لہ ایضاً ص ۲

آخر غیرت الہی کو جوش آیا، اور نور الدین اور صلاح الدین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان باطنی
 پنجہ غضب سے چھڑایا، ان ملکوں میں اسلام کا دم واپسین معلوم ہوتا تھا، لیکن اس انقلاب سلطنت اسلام
 کو نئی زندگی عطا ہوئی، اور اس کا آفتاب اقبال گہن سے نکلا، اور نئے زمین کے مسلمانوں کو اس سے ستر
 ہوئی، جب کہ ہر طرف یہ پوچھا جا رہا تھا کہ اس دور ابتلاء میں اسلام کا کوئی حامی و مددگار ہے؟ اللہ تعالیٰ
 نے اپنے بندے اور شکر بجاہدین کے ذریعہ بیت المقدس کو پرتار ان صلیب کے آزاد کرایا، اور اللہ اور اس کے
 رسول کے انصار نے اپنی اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق دین حق کی نصرت کا حق ادا کیا۔

اس عصر کی تاریخی کتابوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عالم اسلام نے بالعموم اور شام و عراق نے بالخصوص
 اس اطلاع کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا، اور عام و خاص مسلمانوں نے اس پر بڑی مسرت کا
 اظہار کیا۔

اس طرح صلاح الدین نے ایک طرف مجاہدین صلیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر
 عالم اسلام کو سیاسی غلامی اور اخلاقی و تہذیبی بد نظمی اور مغربی ترک تازوں کی ہوس کا شکار بننے سے
 صدیوں تک کے لئے محفوظ کر دیا، دوسری طرف عبیدی (مشہور بغاظمی) حکومت کا خاتمہ کر کے اس نے
 ایک چشمہ فساد کو بند کر دیا، جو مصر سے نکل کر عالم اسلام میں باطنیت و اسماعیلیت کے اثرات کو پھیلا
 رہا تھا، اور دو تین صدیوں سے امت میں ذہنی انتشار اور اعتقادی و اخلاقی فساد کا ذمہ دار تھا۔
 تاریخ اسلام صلاح الدین کے ان دونوں کارناموں کو کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی، اور کسی ملک کا
 مسلمان اس کو دی مجاہد کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

جزاء اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء

شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام

سلطان صلاح الدین کی مجاہدانہ کوششوں، ان کی علمی و دینی سرپرستی، جا بجا دینی مدارس کے قیام، نیز شیعہ اثرات کے اضمحلال اور سنی العقیدہ سلاطین کے اثر سے علمی و علمی زندگی میں تازگی پیدا ہوئی، اور علوم شرعیہ کے تعلیم و تعلم اور ان میں کمال پیدا کرنے کی طرف عالم اسلام میں از سر نو توجہ ہوئی، اس کا نتیجہ تھا کہ ساتویں صدی ہجری میں متعدد باوقار دینی شخصیتیں پیدا ہوئیں، جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ میں دعوت و اصلاح کا فریضہ انجام دیا، اور حکومت اور زمانہ کے غلط رجحانات کا مقابلہ کیا، ان میں سب سے زیادہ با عظمت شخصیت شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام (م ۶۶۰ھ) کی ہے، جو اپنے علم و تقویٰ اور حق گوئی و بیباکی میں نادرہ روزگار اور قرون اولیٰ کی یادگار تھے۔

علمی عظمت

عز الدین بن عبد السلام دمشق میں ۵۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اساتذہ دمشق اور مشاہیر علمائے تعلیم حاصل کی، جن میں فخر الدین بن عساکر، سعید الدین آمدی، حافظ ابو محمد القاسم بن عساکر جیسے اجلہ علماء و اساتذہ وقت تھے، بعض روایتوں کے مطابق انہوں نے جوانی میں پڑھنا شروع کیا، لیکن جلد تمام علوم میں تبحر حاصل کر لیا، اور ان کے معاصرین ان کی علمی جلالت شان اور عظمت کا اعتراف کیا، علامہ ابن دینق العید نے

اپنی بعض تصانیف میں ان کو سلطان العلماء کے لقب سے یاد کیا ہے، وہ جب ۶۳۹ھ میں مصر تشریف لے گئے تو حافظ عبدالعظیم المنذری صاحب کتاب الترخیب الترمیب نے فتویٰ دینے سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ جس شہر میں عزالدین بن عبدالسلام ہوں وہاں دوسرے کے لئے فتویٰ دینا درست نہیں شیخ جمال الدین بن الحاجب کا قول ہے کہ فقہ میں شیخ عزالدین کا پایہ امام عزالی سے بلند ہے۔
ذہبی اپنی کتاب "العبر" میں لکھتے ہیں:-

انتهت اليه معرفة المذهب مع الزهد
والورع وبلغ رتبة الاجتهاد.^۲
فقہ کے علم اور زہد و ورع میں ان کو کمال حاصل
تھا، اور درجہ اجتهاد کو پہنچے ہوئے تھے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے عرصہ تک دمشق میں زاویہ عزالیہ میں درس دیا، جامع اموی میں خطابت و امامت کے منصب پر عرصہ تک فائز رہے، شیخ شہاب الدین ابوشامہ کا بیان ہے کہ ان کی وجہ سے بدعات کا ازالہ ہوا، جو ان کے زمانہ میں رواج پذیر ہو گئی تھیں، صلاة الرغائب اور نصف شعبان کی کھل کر مخالفت کی، اور ان کو بدعت ثابت کیا، بعض اکابر علماء ان کے بارہ میں ساکت اور متردد تھے، الملک الکامل نے دمشق کے عہدہ قضا کے لئے بڑا اصرار کیا، شیخ نے بڑی شرطوں کے ساتھ اس کو منظور کیا، اسی عرصہ میں ایک بار وہ الملک الکامل کی طرف سے دربار خلافت (بغداد) میں سفر میں کر گئے۔

لہ طبقات الشافعية الكبرى ج ۲ ۲۵۲ حسن المحاضرة للسيوطي ج ۱ ۱۳۱ ۳۳ صلاة الرغائب ایک نماز تھی جو تائیس رجب کا بارہ رکتوں اور خاص ترکیب کے ساتھ شب کو پڑھی جاتی تھی، اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی جاتی تھی، یہ نماز ۳۳۳ میں ایجاد ہوئی، اور عام بدعات کی طرح تیزی سے پھیل گئی، شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس کے ظہور کی پوری تاریخ لکھی ہے، ملاحظہ فرمائیے اسعادۃ شرح احوال ص ۴۳۳، نصف شعبان پندرہویں شب کو شروع کئے تھے، خاص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں، علما نے اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں بدعت ہیں، ابن سبکی نے اس کو بدعت مذمومہ لکھا ہے، امام نووی نے اس کے لئے موضوع منکر اور

قبیح کے الفاظ استعمال کئے ہیں (انتحاف السعادة ج ۳ ص ۲۴-۲۵)

سلاطین کو صلاح نیک و راستی اور مسلمانوں کی خیر خواہی

شیخ عزالدین کی شخصیت شام میں سب سے بڑی دینی شخصیت تھی جس کا سلاطین وقت تک احترام کرتے تھے، وہ بڑے باوقار، باعرب اور خوددار تھے، انھوں نے کبھی کسی بادشاہ کے یہاں حاضری دینا یا دربارداری کرنا گوارا نہیں کیا، جب بھی بادشاہ وقت نے خود تشریف آوری کی درخواست کی تو تشریف لے گئے، اور اس کو صحیح مشورہ دیا، اور اس کی اور اسلام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کمی نہیں کی۔

سلطان الملک الاشرف نے مرض الموت میں اپنے سب سے بڑے عہدہ دار کو شیخ کی خدمت میں بھیجا، اور کہلایا کہ آپ کا محب موسیٰ بن الملک العادل ابو بکر سلام عرض کرتا ہے، اور عیادت اور دعا کی درخواست کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ آپ اس کو کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جو کل خدا کے سامنے اس کے کچھ کام آئے، شیخ نے سن کر کہا کہ یہ عیادت افضل عبادت ہے، اس لئے کہ انشاء اللہ اس کا نفع متعدی ہے، چنانچہ تشریف لے گئے، سلطان ان کی تشریف آوری سے بید سرور ہوا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اس سے پہلے سلطان کو کچھ غلط نہیں ہوگی تھی، اور سلطان عرصہ تک ان سے ناراض رہا تھا، سلطان نے اس کی معافی چاہی اور کہا کہ آپ

لے چھٹی ساتویں صدی میں اشرفیت و جنلیت کے اختلاف نے باوجود بنیادی اتحاد کے تقریباً وہ شکل اختیار کر لی تھی، جو چوتھی صدی میں اعتزال و سنیت کے اختلاف کی تھی، اشاعرہ صفات کی تشریح اور تاویل کرتے تھے، اور خابلہ اس کو بالکل اپنی حقیقت اور لفظ پر رکھتے تھے، ہر گروہ خوش بینی کے ساتھ اس کو دینی خدمت اور سنت و شریعت کے ساتھ خیر خواہی سمجھتا تھا، لیکن بعد کی صدیوں میں اس کو غیر معمولی اہمیت اور طول دے دیا گیا، اور رانی کا پہاڑ بن گیا، تحزب و تعصب نے اس کو بھی کفر و ایقان کا معیار قرار دے دیا، شیخ عزالدین کے زمانہ میں یہ مباحث بڑی شدت اختیار کر چکے تھے، وہ عقیدہ و علما اشرفی تھے، الملک الاشرف خابلہ کا معتقد اور جنلیت کی طرف مائل تھا، ابتداء میں اس کو شیخ سے بدگمانی اور شکایت پیدا ہوئی، لیکن شیخ کی ملاقات اور فیصلی معلومات کے بعد اس کی بدگمانی دور ہو گئی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ، ج ۵ ص ۸۵، ۹۵)

مجھے معاف فرمائیں میرے لئے دعا بھی فرمائیں اور مجھے کچھ نصیحت بھی فرمائیں، شیخ نے فرمایا کہ جہاں تک معاف کرنے اور باز پرس کرنے کا تعلق ہے میں روزانہ سونے سے پہلے اللہ کے بندوں کو اپنی طرف سے معاف کر دیتا ہوں اور اس وقت سوتا ہوں جب کہ کسی کے ذمہ میرا کوئی حق یا مطالبہ یا شکایت باقی نہیں رہتی اور میرا اجر مخلوق کے بجائے اللہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ۔

باقی رہی دعائیں سلطان کے لئے اکثر دعا کیا کرتا ہوں اس لئے کہ اس کی صلاح میں اسلام اور مسلمانوں کی خیر و فلاح ہے، اللہ تعالیٰ سلطان کو ان امور کی بصیرت عطا فرمائے جن سے وہ خدا کے سامنے سرخرو ہو، یہی نصیحت تو اب وہ سلطان کی آمادگی اور تقاضے کی وجہ سے فرض واجب ہو گئی ہے، مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ کی فتوح اور دشمنوں پر غلبہ کی دھوم ہے اس وقت حالت یہ ہو رہی ہے کہ تاتاری اسلامی ممالک میں گھستے چلے جا رہے ہیں، ان کو اس بات سے شہ ملی ہے کہ آپ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مسلمانوں کے حریفوں کی جنگ کرنے کی فرصت نہیں اس وقت آپ کا رخ الملک الکامل سے جنگ کرنے کی طرف ہے اور آپ ان کے مقابلہ کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں الملک الکامل آپ کے بڑے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں میں صرف یہ عرض کروں گا کہ آپ اپنا رخ اپنے بھائی کی طرف سے ہٹا کر دشمنان اسلام کی طرف پھیر لیں اور اس اخیر وقت میں اپنا رشتہ نہ توڑیں، آپ اللہ کے دین کی مدد اور اس کی سر بلندی کی نیت کریں اگر اللہ تعالیٰ سلطان کو صحت عطا فرماتا ہے تو ہم اللہ سے کفار پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے ہیں اور آپ کے نامہ اعمال میں یہ سعادت لکھی جاتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ اڈا فیصلہ ہے تو سلطان اپنی نیت کی برکت کے ساتھ دنیا سے جلتے ہیں۔

سلطان نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو اس بروقت تنبیہ اور مخلصانہ مشورہ پر جزائے خیر عطا فرمائے، اسی وقت حکم دیا کہ فوج کا رخ بجائے مصر کے (جو الملک الکامل کی جانب تھا) تاتاریوں کی طرف کر دیا جائے اور فوج اس مقام سے کوچ کر کے مقام قصیرہ میں پڑاؤ ڈالے، چنانچہ دن کے دن اس کی تعمیل ہوئی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کا ارادہ اب تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا ہے۔

الملك الاشرف نے مزید نصیحت کی فرمائش کی، شیخ نے فرمایا کہ بادشاہ تو اس حال میں ہے اور نابین سلطنت اور اہل کاران حکومت رنگ ریاں کر رہے ہیں، شراب کے دور چل رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے نئے نئے محاصل اور ٹیکس مسلمانوں پر لگائے جا رہے ہیں آپ کے لئے خدا کے حضور میں سب سے افضل عمل پیش کرنے کا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان سب گندگیوں کو دور کریں، یہ نئے نئے ٹیکس بند کریں، اور تمام ظالمانہ کارروائیاں روک دیں، اور اہل معاملہ کی داد دے کر سب کو رستہ صاف کریں، الملك الاشرف نے اسی وقت ان سب چیزوں کی ممانعت کے احکام جاری کئے، اور کہا کہ اشرف تعالیٰ آپ کو اس دینی خدمت اور خیر خواہی پر تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے، اور اپنے لطف و کرم سے مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب فرمائے، اسی کے ساتھ ایک ہزار دینار مصری نقد کئے، شیخ نے قبول کرنے سے معذرت کی، اور فرمایا، کہ میری یہ ملاقات خالصتہً لوجہ الشرف تھی، میں اس میں دنیا کی کوئی آمیزش نہیں کرنا چاہتا۔

بادشاہ شام کے مقابلہ میں جرأت و استقامت

الملك الاشرف کے جانشین صالح اسمعیل (ابو انجش) نے الملك الصالح نجم الدین ایوب بادشاہ شام کے مقابلہ میں (جس کے شام پر حملہ کا خطرہ تھا) فرنگیوں سے مدد چاہی، اور حق الخدمت کے طور پر شہر صیدا اور ثقیف اور چند قلعوں کا پروانہ لکھ دیا، اس دوستانہ تعلق کی بنا پر فرنگی اتنے بے تکلف ہو گئے کہ دمشق میں آکر ہتھیار خریدنے شیخ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ فرنگی مسلمانوں کے شہر میں آکر ان سے ہتھیار خرید کر مسلمانوں کی گردنوں پر چلائیں، تاجر ابن اسلم نے شیخ سے فتویٰ پوچھا، شیخ نے صاف کہا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے، اس لئے کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ تمہارے مسلمان بھائیوں کے خلاف کام آئیں گے، شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اس بے حیستی اور اسلام کی اس ذلت و بے بسی کا بڑا اثر تھا، انہوں نے بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعا ترک کر دی، اس کے بجائے وہ منبر پر دونوں خطبوں سے فایز ہو کر بڑے جوش کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ الہی!

اسلام اور حامیان اسلام کی مدد اور نصرت فرما، اور محمدین و دشمنان دین کو ذلت و نکبت نصیب فرما اور تمام مسلمان بڑی رقت و اثر کے ساتھ آئین کہتے تھے، حکومتی آدمیوں نے بڑھا چڑھا کر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی شیخ کی گرفتاری کا فرمان صادر ہوا، شیخ ایک عرصہ تک محبوس رہے، کچھ عرصہ کے بعد وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کئے گئے۔

اسی اثنا میں سلطان صالح اسمعیل، الملک المنصور والی حمص، اور سلاطین فرنگی اپنی افواج و حاکم کے ساتھ مصر کے ارادہ سے بیت المقدس آئے، صالح اسمعیل کے دل میں شیخ عزالدین کی ناراضگی برابر کھٹکتی رہتی تھی، اور اس کو اس کی فکر تھی، اس نے اپنے عمائد و خواص میں سے ایک شخص کو اپنا رومال دیا، اور کہا کہ یہ رومال شیخ کی خدمت میں پیش کرنا، اور انتہائی خوشامد و استمال کے ساتھ ان سے کہنا کہ سابقہ خدمات و مناصب پر آپ پورے اعزاز کے ساتھ واپس آسکتے ہیں، اگر وہ منظور فرمائیں تو میرے پاس لے آنا، اگر منظور نہ کریں تو میرے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں ان کو محبوس کر دینا، امیر نے شیخ سے بڑی خوشامدانه باتیں کہیں، اور ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی دجولی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اور آخر میں کہا کہ آپ ذرا کے ذرا بادشاہ سے نیاز مندانہ مل لیں، اور اس کی دست بوسی کر لیں، تو یہ قصہ رقعہ دفع ہو جائے گا، اور آپ ضافہ و ترقی کے ساتھ اپنے سابقہ عہدوں پر واپس آجائیں گے، شیخ نے اس کا جو جواب یا وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد گار ہے گا، انہوں نے فرمایا۔

واحدہ یا مسکین ما ارضاه ان یقبل یدی

ایسے نادان ہیں تو اس کا بھی روادار نہیں کہ بادشاہ

فضلاً عن اقبل یدہ یا قوم انتم فی واد

میرے ہاتھ کو بوسہ دے چو جائیکہ میں اس کی دست بوسی

وانافی واد والحمد للہ الذی عافانی

کروں، گو گو، تم کسی اور عالم میں ہو، میں کسی اور عالم میں

مما ابتلاکم بہ۔ (طبقات الشافعیہ ص ۵۰۰)

خدا کا شکر ہے کہ میں اسے آزاد ہوں جس میں تم گرفتار ہو۔

یہ جواب سن کر امیر نے کہا کہ پھر مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو گرفتار کروں، شیخ نے کہا شوق سے جو کچھ تم سے ہو سکے اسے دریغ نہ کرو، امیر نے ان کو بادشاہ کے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں رکھا، شیخ اپنے خیمہ میں قرآن مجید

پڑھتے رہتے تھے اور بادشاہ اپنے خیمہ کے اندر سنا تھا، ایک روز بادشاہ نے فرنگی بادشاہوں سے کہا کہ تم شیخ کو قرآن مجید پڑھتا ہوا سنتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! کہا جانتے ہو یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے (ہذا الکبر قوم المسلمین) میں نے اس کو اس لئے قید کیا ہے کہ وہ تم کو مسلمانوں کے قلعہ سپرد کر دینے کے خلاف تھا، اور اس پر معترض تھا، میں نے اس کو دمشق کی خطابت اور دوسرے منصبوں سے معزول کیا، اور اس کو دمشق سے شہر بدر کر دیا، اب میں نے تمہاری خاطر پھر اس کو قید کر دیا ہے، عیسائی بادشاہوں نے کہا کہ اگر یہ ہمارا پادری ہوتا تو ہم اس کے پاؤں دھو کے پیئے۔

اسی عرصہ میں مصری افواج آئیں، صالح اسمعیل کو شکست ہوئی، فرنگی افواج قتل و غارت ہوئیں اور شیخ صحیح و سلامت مصر روانہ ہو گئے۔

راستہ میں جب کرک کی ریاست سے گزرنا ہوا تو والی کرک نے قیام کی درخواست کی، فرمایا کہ:-
”تمہارا یہ مختصر شہر میرے علم کا تحمل نہیں ہو سکتا“

شیخ عز الدین مصر میں

مصر میں سلطان مصر الملک صالح نجم الدین نے شیخ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، جامع عمرو ابن العاص کا خطیب مقرر کیا، اور الوجہ القبلی مصر کا عہدہ قضا اور دیران مساجد کی آبادی کا کام سپرد کیا، سلطان نے جب مدرسہ صابجیہ کی تعمیر کی تو مذہب شافعی کی تعلیم شیخ عز الدین کے سپرد کی، اور انھوں نے پورے انہماک کے ساتھ تعلیم و اشاعت علم کا فرض انجام دیا، اور لوگوں کو بہت نفع ہوا۔

شیخ کی حق گوئی و بیباکی

اسی دوران میں ایک مرتبہ فخر الدین عثمان نے جو قصر شاہی کا مہتمم اور عملاً سلطنت مصر کا منظم اعلیٰ تھا

۱۰ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۱۱۱ بروایت شیخ شرف الدین عبد اللطیف فرزند شیخ عز الدین ابن عبد السلام

مصر کی ایک مسجد کی چھت پر طبل خانہ کی عمارت بنوائی اور وہاں طبل و نقارہ بجنے لگا، شیخ عبدالدین کو جب اس واقعہ کی تحقیق ہوئی تو انھوں نے (بحیثیت قاضی اور مہتمم مساجد کے) اس عمارت کے انہدام کا حکم دے دیا اور اس جرم میں فخر الدین کو ساقط الشہادۃ قرار دیا، اور ساتھ ہی ساتھ عہدہ قضا سے استعفا دے دیا اس کا رد وائل سے سلطان کی نگاہ میں شیخ کی منزلت کم نہیں ہوئی، مگر اس نے عہدہ قضا پر شیخ کا دوبارہ تقرر نہیں کیا، ادھر شیخ کے فیصلوں کا اتنا احترام اور ان کا دینی نفوذ و اثر اس قدر تھا کہ اسی زمانہ میں الملک الصالح سلطان مصر نے خلیفہ بغداد کی خدمت میں ایک سفارت بھیجی، جب سفیر کی باریابی ہوئی اور اس نے سلطان مصر کا پیغام پہنچایا تو اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ پیغام تم نے خود سلطان مصر کی زبان سے سنا ہے یا کسی کے واسطے سے؟ اس نے کہا کہ میں یہ پیغام مہتمم قصر شاہی فخر الدین کی زبان سے سنا ہے، خلیفہ نے کہا کہ فخر الدین کی شہادت معتبر نہیں اس کو شیخ عبدالدین نے ساقط الشہادۃ قرار دیا ہے، اس لئے ہم اس کی روایت قبول نہیں کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفارت پھر مصر واپس آئی، اور براہ راست سلطان سے پیغام سن کر بغداد واپس ہو کر خلیفہ کو پیغام پہنچایا۔

ان کی جرأت کا اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ عید کے دن قلعہ میں دربار شاہی تھا، بادشاہ اپنے تزک و احتشام کے ساتھ سریر آرا تھا، دورویہ افواج شاہی دست بستہ کھڑی تھیں، امرار حاضر ہو کر آداب تسلیمات بجا لاتے تھے، اور زمین بوس ہوتے تھے، اس بھرے دربار میں دفعۃً شیخ نے بادشاہ کو نام لے کر خطاب کیا اور کہا کہ اتوب اخذ کو تم کیا جواب دو گے، جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مصر کی سلطنت اس لئے دی تھی کہ شراب آزادی سے پی جائے، بادشاہ نے کہا کہ کیا یہ واقعہ ہے؟ شیخ نے بلند آواز سے فرمایا، ہاں فلاں میخانہ میں شراب آزادی سے بک رہی ہے، اور دوسرے ناگفتنی کام ہو رہے ہیں، اور تم یہاں بیٹھے داد عیش دے رہے ہو، بادشاہ نے کہا کہ جناب والا مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، یہ میرے والد کے زمانہ سے ہو رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ پھر تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو، جن کا جواب یہ ہوتا ہے: اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ اِیْہَا سے باپ دادا کے زمانہ سے چلا آیا ہے، سلطان نے فوراً اس شراب خانہ کی بندش کا حکم جاری کیا۔

شیخ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ دربار سے واپسی پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا واقعہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے بادشاہ کو جب اس شان و شوکت کے ساتھ اجلاس کرتا ہوا دیکھا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ منظر دیکھ کر اس پر تکبر کا حملہ ہو اور وہ اپنے نفس کا شکار ہو جائے میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہ بات کہی، نے کہا کہ آپ کو کچھ خوف نہیں معلوم ہوا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال اس وقت ایسا مستحضر اور پیش نظر تھا کہ وہ مجھے اس کے مقابلہ میں ایک بے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

فرنگیوں سے جہاد

وہ زمانہ فرنگیوں کی ریشہ دوانیوں سے خالی نہ تھا، ایک مرتبہ فرنگی فوجیں منصورہ تک پہنچ گئیں اور مسلمانوں پر انہوں نے غلبہ حاصل کر لیا، شیخ مسلمانوں کے ساتھ شریک جہاد تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو استجاب دعا کی نعمت عطا فرمائی تھی، ابن السبکی طبقات میں لکھتے ہیں کہ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، ہوا کا رخ بدل گیا، فرنگیوں کے جہاز ٹوٹ گئے، اور اکثر فرنگی غرق ہوئے۔

مصر اور جہاد کے لئے شیخ کا انتظام

اس زمانہ میں تاتاری عالمہ اسلام پر جا بجا سے یورش کر رہے تھے، اسی اثناء میں انہوں نے مصر کا رخ کیا، تاتاریوں کی مسلمانوں پر جو ہیبت مٹھی ہوئی تھی، وہ ضرب المثل ہے، مصر میں ہر ایسی کھیل گئی، سلطان مصر اور اہل مصر کی ہمت مقابلہ کی نہیں ہوتی تھی، شیخ الاسلام نے ہمت دلائی، اور فرمایا کہ تم اللہ کا نام لے کر نکلو، میں فتح کی ضمانت کرتا ہوں، بادشاہ نے کہا کہ میرے خزانہ میں روپیہ کم ہے، میں تجار سے قرض لینا چاہتا ہوں، شیخ نے فرمایا کہ پہلے اپنے محل کے جواہرات، اور اپنی بیگمات کے زیورات نکالو، ارکان سلطنت،

لے طبقات الشافعیہ ص ۷۲ ایضاً ص ۷۳

اور امراء اور بار اپنی اپنی بگیات کے وہ زیورات حاضر کریں جو حرام ہیں اور اس کے سکے ڈھلوائے جائیں اور وہ لشکر میں تقسیم ہوں، اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو قرض لیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے پہلے قرض کی کوئی ضرورت نہیں، شیخ کا اتنا رعب تھا کہ بادشاہ اور امراء سلطنت نے بے چون و چرا جو اہرات و زیورات شیخ کے سامنے حاضر کر دیئے، اور ان سے جنگ کے مصارف پورے ہو گئے، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

امراء سلطنت کا نیلام

شیخ کی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز اور اہم واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ان امراء سلطنت کو نیلام کیا، جو ان کے نزدیک مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت تھے اور شرعی طریقہ پر آزاد نہیں کئے گئے تھے، یہ امراء سلطنت نسلا ترک تھے اور سلطنت مصر پر بڑے حاوی تھے، ان میں سے ایک نائب السلطنت تھا، شیخ نے فتویٰ دیا کہ جب تک یہ امراء شرعی طریقہ پر آزاد نہ ہوں، ان کے معاملات شرعاً صحیح نہیں ہیں، اور وہ عالم غلاموں کے حکم میں ہیں، ان کے فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں احتیاط شروع کر دی اور وہ بڑی دقت میں پڑ گئے، یہ دیکھ کر ان امراء کے حلقہ میں بڑی برہمی اور تشویش پیدا ہوئی، انھوں نے ایک دن جمع ہو کر شیخ کو طلب کیا، اور کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں، شیخ نے فرمایا کہ ہم ایک مجلس طلب کریں گے، اور بیت المال کی طرف سے آپ کا نیلام کریں گے، اور شرعی طریقہ پر آپ کو آزادی کا پروانہ دیا جائے گا، انھوں نے سلطان سے عرض کیا کہ شیخ ہم کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں، اور سربازار نیلام کرنے کو کہتے ہیں، بادشاہ نے شیخ کو راضی کرنا چاہا، مگر انھوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا، اس گفت و شنید میں بادشاہ کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا، جو شیخ کے خلاف شان تھا، بادشاہ نے اس کا بھی اظہار کیا کہ شیخ کو اس معاملہ سے کیا تعلق، اور وہ امراء کے قضیہ میں کیوں پڑتے ہیں، شیخ یہ سن کر ناراض ہوئے اور انھوں نے مصر سے چلے جانے کا عزم کر لیا، اپنا سامان جانور پر بار کیا، اور گھروالوں کو سوار کیا، اور روانہ ہو گئے، ان کی روانگی

کی خبر سن کر قاہرہ میں کھلبلی مچ گئی، شہر کی مسلمان آبادی کا بڑا حصہ ان کے پیچھے ہو گیا، علماء، صلحاء، تاجار، سب ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے، سلطان کو اطلاع ہوئی، اور کسی نے اس سے کہا کہ شیخ عزالدین چلے گئے تو تمہاری سلطنت جاتی رہے گی، سلطان خود سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا، اور ان کو مناکر شہر واپس لایا اور طے ہوا کہ امر اس سلطنت کا وہ خود نیلام کریں، اس نائب السلطنت نے بڑے خوشامدانہ لہجہ میں ان کو اس راہ سے باز رکھنا چاہا، لیکن وہ اپنی راے پر قائم رہے، نائب کو غصہ آ گیا، اس نے کہا کہ یہ شیخ کیسے ہمارا نیلام کرے گا، ہم ملک کے حاکم ہیں، خدا کی قسم! میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا، چنانچہ وہ اپنے عمل کے ساتھ سوار ہو کر شیخ کے دروازہ پر پہنچا، ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، دروازہ کھٹ کھٹایا، شیخ کے صاحبزادہ باہر نکلے تو یہ حال دیکھا کہ نائب السلطنت شمشیر بہنے لگے، دروازہ پر کھڑا ہے، انہوں نے اندر جا کر شیخ سے یہ حال کہا، شیخ نے بے پرواہی سے جواب دیا کہ بیٹا! تمہارے والد کا یہ رتبہ کہاں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہو، یہ کہہ کر وہ باہر نکلے، ان کا نکلنا تھا کہ تلوار نائب السلطنت کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کے جسم پر عرشہ طاری ہو گیا، اس نے رو کر شیخ سے دعا کی دعا سنی

کی اور کہا کہ میرے آقا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں، فرمایا: میں تمہارا نیلام کروں گا، اور تمہیں فروخت کروں گا، اس نے کہا کہ ہماری قیمت آپ کس میں صرف کریں گے؟ فرمایا: مسلمانوں کے کاموں میں، اس نے عرض کیا کہ قیمت وصول کون کرے گا، فرمایا: میں خود اس کا، بہت اچھا، چنانچہ شیخ نے ایک ایک کے ساتھ امر کو نیلام کیا، ہر ایک پر بولی بولی گئی، شیخ نے (ان کے اعزاز کے طور پر) ان کے دام بہت لگائے، اور بہت بڑی بولی پر ان کو فروخت کیا، اور قیمت وصول کر کے خیر کے کاموں میں صرف کی، اور وہ آزاد ہو کر اپنے اپنے گھر گئے، ابن السبکی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ کسی اور کے متعلق سننے میں نہیں آیا، ایک عالم کی عظمت اور اس کے رعب و داب کی یہ انتہائی مثال ہے۔

شیخ عزالدین اور سلاطین مصر

مصر میں شیخ کی زندگی میں بڑے انقلابات آئے، وہ مصر آئے تھے تو ایوبی سلطنت کا زمانہ تھا، اور

۱۰۵۱ھ

ان کا خیال تھا کہ علم و زبان علماء کا ہتھیار ہیں اس لئے ان کا جہاد یہ ہے کہ وہ ان دونوں کو حق کی تائید اور باطل کی مخالفت میں کام میں لائیں ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:-

قد امرنا الله بالصالحات في نصرته دينه، الا
ان سلاح العالم علمه ولسانه كلمات
سلاح الملك سيفه وبنانه، فكلما اعجز
للعولاء اعتمادا لمحتهم عن الممحين
والمشركين لا يجوز للماء اعتماد
النتهم عن الزائغين والمبتدعين
الشر تعالى نے ہم کو اپنے دین کی مدد کے لئے جہاد و
جدوجہد کا حکم دیا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ عالم
کا ہتھیار اس کا علم اور اس کی زبان ہے جیسا کہ بارگاہ
کا ہتھیار اس کی تلوار اور تیروندان ہے تو جس طرح بارگاہ
کے لئے اپنے ہتھیاروں کو نیام میں رکھنا جائز نہیں،
اسی طرح علماء کے لئے اپنی زبان و ضلال اور جہاد
سے اپنی زبان کو بند کرنا جائز نہیں۔

ان کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں عالم ربانی کو ہر طرح کے خطرات برداشت
کرنا چاہئیں گویا ان کو ان علماء سے اتفاق نہیں ہے جو ہر طرح کے خطرہ میں پڑنے کو مطلقاً ناجائز سمجھتے ہیں
اور آیت "وَلَا تَلْقُوا يَا أَيُّدِيكُمْ إِلَى التَّمَلُّكِ" سے غلط اور بے محل استدلال کرتے ہیں اسی خط
میں بڑے موثر انداز میں فرماتے ہیں:-

والمخاطرة بالنفوس مشروعة في اعزاز
الدين، ولذلك يجوز للبطل من المسلمين
ان يغمر في صفوف المشركين وكذلك
المخاطرة بالامر بالمعروف والنهي عن المنكر
ونصرة قواعد الدين بالنجح والبراهين
دين کے اعزاز و غلبہ کے لئے جانوں کو خطرہ میں ڈالنا
دین میں مشروع ہے اسی لئے مسلمان خندق کے لئے جائز
ہے کہ مشرکین کی صفوں میں گھس جائے، اسی طرح سے امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں اپنے کو خطرہ میں ڈالنا اور
اصول دین کی دلائل و براہین کے ذریعہ تقویت مشروع ہے

مشروعة فمن خشي على نفسه سقط عنه
 الوجوب وتبقي الاستحباب ومن قل بان
 التعزير بالنفوس لا يجوز فقد بعد عن الحق
 ونأى عن الصواب وعلى الجملة فمن آثر
 الله على نفسه آثره الله ومن طلب رضا
 الله بما يخطئ الناس رضى الله عنه وارضى
 عنه الناس ومن طلب رضا الناس بما
 يخطئ الله سخط الله عليه وأخطأ عليه
 الناس وفي رضا الله كفاية عن رضا
 كل احد۔ (طبقات ج ۵ ص ۹۱)

عرب شاعر نے خوب کہا ہے:-

فليتك تحلو والحياة مسريرة
 وليتك ترضى ولا نام غضاب

(کاش کہ آپ کی محبت کی حلوت مجھے حاصل ہو جاتی، پھر چاہے زندگی کتنی ہی تلخ ہوتی، اور کاش کہ آپ مجھے

راضی ہو جاتے، چاہے ساری دنیا ناراض ہوئی۔)

ان کی زندگی بتلاتی ہے کہ انھوں نے ساری عمر اپنے اس عقیدہ اور مسلک پر چل کیا اور امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کے سلسلے میں اور اپنے نزدیک کسی غلط اور خلاف شرع چیز کی تردید میں اپنی جان مال آبرو وطن و عہدہ

کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

شیخ کی تصنیفات

شیخ جس طرح کامیاب مدزن، وسیع النظر فقیہ اور تبحر مفتی تھے اسی طرح کہنہ مشق مصنف بھی تھے۔

ان کی تصنیفات میں القواعد الکبریٰ اور کتاب مجاز القرآن خاص وقعت رکھتی ہے ابن اسکی لکھتے ہیں

وهذان الكتابان شاهدان بامامته

یہ دونوں کتابیں ان کی امامت اور علوم شریعت

وعظیم منزلتہ فی علوم الشریعۃ۔

میں ان کے علوم منزلت پر شاہد ہیں۔

ان دونوں کتابوں کا انھوں نے دو الگ کتابوں میں اختصار کیا ہے ابن اسکی نے ان کی دو اور کتابوں

”شجرة المعارف“ اور الدلائل المتعلقة بالملائكة والانس علیہم السلام کی بھی خصوصی تعریف کی ہے ان کی ایک

کتاب ”مقاصد الصلاة“ خود ان کے زمانہ میں بڑی مقبول ہوئی اور لوگوں نے اس کی ہزاروں نقلیں کیں، چھوٹی

بڑی تصنیفات کے علاوہ ان کے فتاویٰ کا ضخیم مجموعہ ہے جو فقہ شافعی کا قیمتی ذخیرہ ہے۔

امام عزالی کے بعد شیخ عزالدین غالباً دوسرے عالم اور مصنف ہیں جنھوں نے خصوصیت کے ساتھ احکام شریعت

مقاصد و لطائف پر گفتگو کی اور شریعت کے اسرار و نکات بیان کئے اس موضوع کے سب سے بڑے مصنف شیخ الاسلام

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجة الشراہ التہ کے مقدمہ میں اس موضوع کے پیش رو مصنفین میں تین بزرگوں

حجة الاسلام عزالی، ابوسلیمان خٹابی اور شیخ الاسلام عزالدین کا نام لیا ہے۔

شیخ کی وفات

۹ جہادی الاولیٰ ۶۶۶ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں شیخ کی وفات ہوئی یہ الملک نظامیہ سیرس کا عہد حکومت تھا

اس کو شیخ کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا کہتا تھا کہ خدا کی شان ہے شیخ کی وفات میرے عہد حکومت ہی میں مقدر تھی

جنازہ میں امرار دربار ارکان سلطنت اور افواج شاہی شریک تھیں سلطان خورکاندھا دیا، اور دفن میں شریک

شیخ کا جنازہ جب قلعہ کے نیچے سے گزرا اور سلطان نے خلقت کا ازو عام دیکھا تو اپنے خواص میں کسی

کہا کہ آج میں سمجھتا ہوں کہ میری سلطنت مضبوط ہوئی ہے اس لئے کہ یہ شخص جو مرجع خلافت ہے اگر اتنا رکھ

تو میری سلطنت چلی جاتی اس کے انتقال کے بعد مجھے اپنی سلطنت کی طرف سے اطمینان ہوا ہے۔

۱۰ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ایضاً ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵۴ ۱۶۵۵ ۱۶۵۶ ۱۶۵۷ ۱۶۵۸ ۱۶۵۹ ۱۶۶۰ ۱۶۶۱ ۱۶۶۲ ۱۶۶۳ ۱۶۶۴ ۱۶۶۵ ۱۶۶۶ ۱۶۶۷ ۱۶۶۸ ۱۶۶۹ ۱۶۷۰ ۱۶۷۱ ۱۶۷۲ ۱۶۷۳ ۱۶۷۴ ۱۶۷۵ ۱۶۷۶ ۱۶۷۷ ۱۶۷۸ ۱۶۷۹ ۱۶۸۰ ۱۶۸۱ ۱۶۸۲ ۱۶۸۳ ۱۶۸۴ ۱۶۸۵ ۱۶۸۶ ۱۶۸۷ ۱۶۸۸ ۱۶۸۹ ۱۶۹۰ ۱۶۹۱ ۱۶۹۲ ۱۶۹۳ ۱۶۹۴ ۱۶۹۵ ۱۶۹۶ ۱۶۹۷ ۱۶۹۸ ۱۶۹۹ ۱۷۰۰ ۱۷۰۱ ۱۷۰۲ ۱۷۰۳ ۱۷۰۴ ۱۷۰۵ ۱۷۰۶ ۱۷۰۷ ۱۷۰۸ ۱۷۰۹ ۱۷۱۰ ۱۷۱۱ ۱۷۱۲ ۱۷۱۳ ۱۷۱۴ ۱۷۱۵ ۱۷۱۶ ۱۷۱۷ ۱۷۱۸ ۱۷۱۹ ۱۷۲۰ ۱۷۲۱ ۱۷۲۲ ۱۷۲۳ ۱۷۲۴ ۱۷۲۵ ۱۷۲۶ ۱۷۲۷ ۱۷۲۸ ۱۷۲۹ ۱۷۳۰ ۱۷۳۱ ۱۷۳۲ ۱۷۳۳ ۱۷۳۴ ۱۷۳۵ ۱۷۳۶ ۱۷۳۷ ۱۷۳۸ ۱۷۳۹ ۱۷۴۰ ۱۷۴۱ ۱۷۴۲ ۱۷۴۳ ۱۷۴۴ ۱۷۴۵ ۱۷۴۶ ۱۷۴۷ ۱۷۴۸ ۱۷۴۹ ۱۷۵۰ ۱۷۵۱ ۱۷۵۲ ۱۷۵۳ ۱۷۵۴ ۱۷۵۵ ۱۷۵۶ ۱۷۵۷ ۱۷۵۸ ۱۷۵۹ ۱۷۶۰ ۱۷۶۱ ۱۷۶۲ ۱۷۶۳ ۱۷۶۴ ۱۷۶۵ ۱۷۶۶ ۱۷۶۷ ۱۷۶۸ ۱۷۶۹ ۱۷۷۰ ۱۷۷۱ ۱۷۷۲ ۱۷۷۳ ۱۷۷۴ ۱۷۷۵ ۱۷۷۶ ۱۷۷۷ ۱۷۷۸ ۱۷۷۹ ۱۷۸۰ ۱۷۸۱ ۱۷۸۲ ۱۷۸۳ ۱۷۸۴ ۱۷۸۵ ۱۷۸۶ ۱۷۸۷ ۱۷۸۸ ۱۷۸۹ ۱۷۹۰ ۱۷۹۱ ۱۷۹۲ ۱۷۹۳ ۱۷۹۴ ۱۷۹۵ ۱۷۹۶ ۱۷۹۷ ۱۷۹۸ ۱۷۹۹ ۱۸۰۰ ۱۸۰۱ ۱۸۰۲ ۱۸۰۳ ۱۸۰۴ ۱۸۰۵ ۱۸۰۶ ۱۸۰۷ ۱۸۰۸ ۱۸۰۹ ۱۸۱۰ ۱۸۱۱ ۱۸۱۲ ۱۸۱۳ ۱۸۱۴ ۱۸۱۵ ۱۸۱۶ ۱۸۱۷ ۱۸۱۸ ۱۸۱۹ ۱۸۲۰ ۱۸۲۱ ۱۸۲۲ ۱۸۲۳ ۱۸۲۴ ۱۸۲۵ ۱۸۲۶ ۱۸۲۷ ۱۸۲۸ ۱۸۲۹ ۱۸۳۰ ۱۸۳۱ ۱۸۳۲ ۱۸۳۳ ۱۸۳۴ ۱۸۳۵ ۱۸۳۶ ۱۸۳۷ ۱۸۳۸ ۱۸۳۹ ۱۸۴۰ ۱۸۴۱ ۱۸۴۲ ۱۸۴۳ ۱۸۴۴ ۱۸۴۵ ۱۸۴۶ ۱۸۴۷ ۱۸۴۸ ۱۸۴۹ ۱۸۵۰ ۱۸۵۱ ۱۸۵۲ ۱۸۵۳ ۱۸۵۴ ۱۸۵۵ ۱۸۵۶ ۱۸۵۷ ۱۸۵۸ ۱۸۵۹ ۱۸۶۰ ۱۸۶۱ ۱۸۶۲ ۱۸۶۳ ۱۸۶۴ ۱۸۶۵ ۱۸۶۶ ۱۸۶۷ ۱۸۶۸ ۱۸۶۹ ۱۸۷۰ ۱۸۷۱ ۱۸۷۲ ۱۸۷۳ ۱۸۷۴ ۱۸۷۵ ۱۸۷۶ ۱۸۷۷ ۱۸۷۸ ۱۸۷۹ ۱۸۸۰ ۱۸۸۱ ۱۸۸۲ ۱۸۸۳ ۱۸۸۴ ۱۸۸۵ ۱۸۸۶ ۱۸۸۷ ۱۸۸۸ ۱۸۸۹ ۱۸۹۰ ۱۸۹۱ ۱۸۹۲ ۱۸۹۳ ۱۸۹۴ ۱۸۹۵ ۱۸۹۶ ۱۸۹۷ ۱۸۹۸ ۱۸۹۹ ۱۹۰۰ ۱۹۰۱ ۱۹۰۲ ۱۹۰۳ ۱۹۰۴ ۱۹۰۵ ۱۹۰۶ ۱۹۰۷ ۱۹۰۸ ۱۹۰۹ ۱۹۱۰ ۱۹۱۱ ۱۹۱۲ ۱۹۱۳ ۱۹۱۴ ۱۹۱۵ ۱۹۱۶ ۱۹۱۷ ۱۹۱۸ ۱۹۱۹ ۱۹۲۰ ۱۹۲۱ ۱۹۲۲ ۱۹۲۳ ۱۹۲۴ ۱۹۲۵ ۱۹۲۶ ۱۹۲۷ ۱۹۲۸ ۱۹۲۹ ۱۹۳۰ ۱۹۳۱ ۱۹۳۲ ۱۹۳۳ ۱۹۳۴ ۱۹۳۵ ۱۹۳۶ ۱۹۳۷ ۱۹۳۸ ۱۹۳۹ ۱۹۴۰ ۱۹۴۱ ۱۹۴۲ ۱۹۴۳ ۱۹۴۴ ۱۹۴۵ ۱۹۴۶ ۱۹۴۷ ۱۹۴۸ ۱۹۴۹ ۱۹۵۰ ۱۹۵۱ ۱۹۵۲ ۱۹۵۳ ۱۹۵۴ ۱۹۵۵ ۱۹۵۶ ۱۹۵۷ ۱۹۵۸ ۱۹۵۹ ۱۹۶۰ ۱۹۶۱ ۱۹۶۲ ۱۹۶۳ ۱۹۶۴ ۱۹۶۵ ۱۹۶۶ ۱۹۶۷ ۱۹۶۸ ۱۹۶۹ ۱۹۷۰ ۱۹۷۱ ۱۹۷۲ ۱۹۷۳ ۱۹۷۴ ۱۹۷۵ ۱۹۷۶ ۱۹۷۷ ۱۹۷۸ ۱۹۷۹ ۱۹۸۰ ۱۹۸۱ ۱۹۸۲ ۱۹۸۳ ۱۹۸۴ ۱۹۸۵ ۱۹۸۶ ۱۹۸۷ ۱۹۸۸ ۱۹۸۹ ۱۹۹۰ ۱۹۹۱ ۱۹۹۲ ۱۹۹۳ ۱۹۹۴ ۱۹۹۵ ۱۹۹۶ ۱۹۹۷ ۱۹۹۸ ۱۹۹۹ ۲۰۰۰ ۲۰۰۱ ۲۰۰۲ ۲۰۰۳ ۲۰۰۴ ۲۰۰۵ ۲۰۰۶ ۲۰۰۷ ۲۰۰۸ ۲۰۰۹ ۲۰۱۰ ۲۰۱۱ ۲۰۱۲ ۲۰۱۳ ۲۰۱۴ ۲۰۱۵ ۲۰۱۶ ۲۰۱۷ ۲۰۱۸ ۲۰۱۹ ۲۰۲۰ ۲۰۲۱ ۲۰۲۲ ۲۰۲۳ ۲۰۲۴ ۲۰۲۵ ۲۰۲۶ ۲۰۲۷ ۲۰۲۸ ۲۰۲۹ ۲۰۳۰ ۲۰۳۱ ۲۰۳۲ ۲۰۳۳ ۲۰۳۴ ۲۰۳۵ ۲۰۳۶ ۲۰۳۷ ۲۰۳۸ ۲۰۳۹ ۲۰۴۰ ۲۰۴۱ ۲۰۴۲ ۲۰۴۳ ۲۰۴۴ ۲۰۴۵ ۲۰۴۶ ۲۰۴۷ ۲۰۴۸ ۲۰۴۹ ۲۰۵۰ ۲۰۵۱ ۲۰۵۲ ۲۰۵۳ ۲۰۵۴ ۲۰۵۵ ۲۰۵۶ ۲۰۵۷ ۲۰۵۸ ۲۰۵۹ ۲۰۶۰ ۲۰۶۱ ۲۰۶۲ ۲۰۶۳ ۲۰۶۴ ۲۰۶۵ ۲۰۶۶ ۲۰۶۷ ۲۰۶۸ ۲۰۶۹ ۲۰۷۰ ۲۰۷۱ ۲۰۷۲ ۲۰۷۳ ۲۰۷۴ ۲۰۷۵ ۲۰۷۶ ۲۰۷۷ ۲۰۷۸ ۲۰۷۹ ۲۰۸۰ ۲۰۸۱ ۲۰۸۲ ۲۰۸۳ ۲۰۸۴ ۲۰۸۵ ۲۰۸۶ ۲۰۸۷ ۲۰۸۸ ۲۰۸۹ ۲۰۹۰ ۲۰۹۱ ۲۰۹۲ ۲۰۹۳ ۲۰۹۴ ۲۰۹۵ ۲۰۹۶ ۲۰۹۷ ۲۰۹۸ ۲۰۹۹ ۲۱۰۰ ۲۱۰۱ ۲۱۰۲ ۲۱۰۳ ۲۱۰۴ ۲۱۰۵ ۲۱۰۶ ۲۱۰۷ ۲۱۰۸ ۲۱۰۹ ۲۱۱۰ ۲۱۱۱ ۲۱۱۲ ۲۱۱۳ ۲۱۱۴ ۲۱۱۵ ۲۱۱۶ ۲۱۱۷ ۲۱۱۸ ۲۱۱۹ ۲۱۲۰ ۲۱۲۱ ۲۱۲۲ ۲۱۲۳ ۲۱۲۴ ۲۱۲۵ ۲۱۲۶ ۲۱۲۷ ۲۱۲۸ ۲۱۲۹ ۲۱۳۰ ۲۱۳۱ ۲۱۳۲ ۲۱۳۳ ۲۱۳۴ ۲۱۳۵ ۲۱۳۶ ۲۱۳۷ ۲۱۳۸ ۲۱۳۹ ۲۱۴۰ ۲۱۴۱ ۲۱۴۲ ۲۱۴۳ ۲۱۴۴ ۲۱۴۵ ۲۱۴۶ ۲۱۴۷ ۲۱۴۸ ۲۱۴۹ ۲۱۵۰ ۲۱۵۱ ۲۱۵۲ ۲۱۵۳ ۲۱۵۴ ۲۱۵۵ ۲۱۵۶ ۲۱۵۷ ۲۱۵۸ ۲۱۵۹ ۲۱۶۰ ۲۱۶۱ ۲۱۶۲ ۲۱۶۳ ۲۱۶۴ ۲۱۶۵ ۲۱۶۶ ۲۱۶۷ ۲۱۶۸ ۲۱۶۹ ۲۱۷۰ ۲۱۷۱ ۲۱۷۲ ۲۱۷۳ ۲۱۷۴ ۲۱۷۵ ۲۱۷۶ ۲۱۷۷ ۲۱۷۸ ۲۱۷۹ ۲۱۸۰ ۲۱۸۱ ۲۱۸۲ ۲۱۸۳ ۲۱۸۴ ۲۱۸۵ ۲۱۸۶ ۲۱۸۷ ۲۱۸۸ ۲۱۸۹ ۲۱۹۰ ۲۱۹۱ ۲۱۹۲ ۲۱۹۳ ۲۱۹۴ ۲۱۹۵ ۲۱۹۶ ۲۱۹۷ ۲۱۹۸ ۲۱۹۹ ۲۲۰۰ ۲۲۰۱ ۲۲۰۲ ۲۲۰۳ ۲۲۰۴ ۲۲۰۵ ۲۲۰۶ ۲۲۰۷ ۲۲۰۸ ۲۲۰۹ ۲۲۱۰ ۲۲۱۱ ۲۲۱۲ ۲۲۱۳ ۲۲۱۴ ۲۲۱۵ ۲۲۱۶ ۲۲۱۷ ۲۲۱۸ ۲۲۱۹ ۲۲۲۰ ۲۲۲۱ ۲۲۲۲ ۲۲۲۳ ۲۲۲۴ ۲۲۲۵ ۲۲۲۶ ۲۲۲۷ ۲۲۲۸ ۲۲۲۹ ۲۲۳۰ ۲۲۳۱ ۲۲۳۲ ۲۲۳۳ ۲۲۳۴ ۲۲۳۵ ۲۲۳۶ ۲۲۳۷ ۲۲۳۸ ۲۲۳۹ ۲۲۴۰ ۲۲۴۱ ۲۲۴۲ ۲۲۴۳ ۲۲۴۴ ۲۲۴۵ ۲۲۴۶ ۲۲۴۷ ۲۲۴۸ ۲۲۴۹ ۲۲۵۰

فتنہ نانا اور اسلام کی ایک نئی آزمائش

تاناری حملے اور اس کے اسباب

ساتویں صدی میں عالم اسلام کو وہ حادثہ پیش آیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی اور جو قریب تھا کہ اس کی ہستی کو فنا کر دے یہ تاناری غارتگروں کا حملہ تھا جو موروثی طرح مشرق سے بڑھے اور سارے عالم اسلام پر چھا گئے۔

اس منحوس واقعہ کا سبب سلطان وقت علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی بظاہر ایک غلطی اور بے تدبیری تھی کہ اس نے پہلے ان تاناری تاجروں کو قتل کر دیا جو اس کے ملک میں تجارت کے لئے آئے تھے، پھر جب جنگیز خاں نے اس کا سبب دریافت کرنے کے لئے ایک سفارت بھیجی تو خوارزم شاہ نے سفیر کو بھی قتل کر دیا، اس پر تاناری خاقان جنگیز خاں نے برا فروختہ ہو کر خوارزم شاہی سلطنت اور پھر پورے عالم اسلام پر حملہ کر دیا۔

لیکن قرآن مجید میں اعمال و اخلاق کے نتائج اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کا جو ابدی اور عالمگیر قانون بتایا گیا ہے اور خاص طور پر سورہ اسراء کی ابتدا میں بنی اسرائیل کی تباہی، قتل عام و نکبت و ذلت اور بیت المقدس کی تخریب بے حرمتی کی جو داستان عبرت سنائی گئی ہے، اس کی روشنی میں اس فتنہ عالم آشوب

لہذا اس موقع پر سورہ اسراء کی آیات وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُعِيدَنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلَمَنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا

سے لے کر وَلَتَبْتَ ذَا مَاعْلَوْا تَتَّبِعُوا كَمَا كُنْتُمْ آيَاتِ پر غور کیا جائے۔

اور اس وقت کی دنیائے اسلام کی اس قیامتِ صغریٰ کا حقیقی سبب صرف اتنا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک بادشاہ نے کوتاہ نظری و بے تدبیری سے کام لیا، اور اچانک یہ سیلابِ عالم اسلام پر امن ڈپڑا، اور ایک فرد کی غلطی سے ساری ملت اسلامیہ کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا، جس کے لئے نہ وہ تیار تھی، نہ اس کی مستحق، قرآن مجید کا چراغ اگر ہاتھ میں لے کر اس وقت کے مسلمانوں کی اخلاقی، دینی، تمدنی اور سیاسی حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ یہ منحوس واقعہ اچانک پیش نہیں آیا، اور اس کے اسباب اس سے کہیں زیادہ وسیع، گہرے اور ڈھوسے ہیں، جتنے سمجھے اور بیان کئے گئے ہیں، اس کے لئے ہم کو کئی سال پیچھے ہٹ کر اپنا کام شروع کرنا پڑے گا، اور اس وقت کی اسلامی سلطنتوں، اہم ترین تمدنی مراکز اور اسلامی معاشرہ پر ایک جمالی نگاہ ڈالنی ہوگی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات (۵۸۹ھ) پر اس کی وسیع و زرخیز سلطنت اس کی اولاد و خاندان کے افراد میں تقسیم ہو گئی، دنیا کے بہت سے بانیانِ سلطنت اور الو العزم فرمانرواؤں کی طرح اس کی اولاد اس کی صلاحیتوں کی وارث اور اس کی صحیح جانشین ثابت نہ ہو سکی، عرصہ تک وہ ایک دوسرے سے دست و گریبان اور برسرِ پیکار رہے، بعض اوقات ان میں سے بعض افراد نے اپنے ہی بھائیوں اور افرادِ خاندان کے خلاف صلیبی فرمانرواؤں اور فرنگی حریفوں سے بھی مدد لینے اور ان سے ساز باز کرنے سے بھی احتراز نہیں کیا، جس کا ایک نمونہ شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السلام کے تذکرہ میں گذر چکا ہے، اس طوائف الملوک خاندانی رقابتوں اور خانہ جنگیوں کی سلطنت کے زیرِ فرماں ممالک میں سیاسی انتشار، انتظامی ابتری اور اخلاقی زوال رونما تھا، لوگ ایک بے یقینی کی فضا میں زندگی گزار رہے تھے، صلیبیوں اور فرنگیوں کی بار بار ان اسلامی شہروں پر تاخت ہوتی رہتی تھی، جن کو سلطان صلاح الدین نے بڑی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد واپس لیا تھا، انتظامی و اخلاقی دونوں طرح کی کوتاہیوں اور بے راہ روی کا نتیجہ وباؤں، امراض اور شدید قحط کی شکل

لے ہندوستان میں عالمگیر اعظم اور اس کے جانشینوں کی مثال ہمارے لئے کافی ہے۔

میں رونما ہوا اور مصر صلیب زرخیز ملک میں جو دوسرے ملکوں کا بھی پیٹ بھر سکتا تھا، ۵۹۴ء میں جبکہ چلی پختیہ
 الملک عادل اور الملک افضل کی خانہ جنگی نے مصر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، دریائے نیل میں طغیانی نہیں آئی
 اور مصر میں ایسی گرانی رونما ہوئی اور ایسا شدید قحط پڑا کہ آدمی نے آدمی کو بھون کر کھایا، موت کی ایسی گرم بازو
 تھی کہ مردوں کو کفن دینا ممکن نہ تھا، مورخ ابو شامہ کے بیان کے مطابق تنہا الملک عادل (سلطان مصر) نے
 صرف ایک مہینہ میں دو لاکھ بیس ہزار مردوں کو اپنے ذاتی مال سے کفن دیا، کتوں اور مردوں کے کھانے کی ذمہ داری
 اٹگئی، بہت بڑی تعداد میں بچے بھون کر کھائے گئے، اور اس کی ایسی عمومیت ہوئی کہ اس میں لوگوں کو
 کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی تھی، مورخ ابن کثیر کے بیان کے مطابق جب کھانے کے لئے بچے اور چھوٹی عمر کے
 لڑکے نہیں رہے تو جس آدمی کا جس آدمی پر زور چلا، اس نے اس کو بھون کر کھالیا، سنت الشکر کے مطابق آسمانی
 تنبیہات کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور ایسے غیر معمولی واقعات پیش آ رہے تھے، جو توبہ، انابت اور اصلاح حال
 کا خیال و جذبہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھے، چنانچہ اسی ۵۹۴ء میں ایک عظیم زلزلہ آیا جس کی زد میں خاص
 طور پر ملک شام، بلاد روم اور عراق تھے، اس کی ہلاکت آفرینی اور دہشت انگیزی کا اندازہ اس سے
 ہو سکتا ہے کہ تنہا شہر نابلس اور اس کے اطراف میں بیس ہزار انسان زلزلہ میں دب کر مر گئے، "مرآة الزمان"
 کے مصنف کا بیان ہے (جو شدید بالوغہ سے خالی نہیں ہے) کہ اس زلزلہ کا شکار گیارہ لاکھ انسان ہوئے۔
 ادھر غیر معمولی حوادث پیش آ رہے تھے، جو مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے
 بالکل کافی تھے، ادھر عالم اسلام کے مختلف حصوں میں خانہ جنگی اور برادری کشی کا سلسلہ جاری تھا،
 ۶۱۰ء میں ایک ہی خاندان کے دو افراد قتادہ حسینی امیر مکہ اور سالم حسینی امیر مدینہ میں سخت جنگ
 ہوئی، ۶۱۰ء میں غزویوں اور خوارجوں کی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور مسلمانوں نے مسلمان کا
 خون بہایا، ادھر یہ مورہا تھا، ادھر (۶۱۰ء) میں فرنگیوں نے شام کے مختلف علاقوں پر حملے شروع کئے،

یہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "البدایۃ والنہایۃ" ج ۱۳ ص ۲۶۱ وادث ۵۹۴ء

۶۰۷ء میں جزیرہ کے مسلمان حکام نے فرنگیوں سے سازش کی، اور ۶۱۶ء میں فرنگیوں نے مصر کے شہر

دمیاط پر قبضہ کر لیا، جو فوجی و دفاعی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

ادھر مرکز خلافت دارالسلام بغداد میں سلطنت کی ظاہری شان و شوکت بھی تکلفات اور دولت و

تمدن کے کھوکھلے مظاہر اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئے تھے، خلفاء کے منظور نظر مصاحبین اور معتدین کی دولت

(جو غلام کی حیثیت سے حریم خلافت میں داخل ہوتے تھے، اور فراش، ساقی، ہتھم، تو شک خانہ وغیرہ کے منصبوں پر فائز

تھے) کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ الظاہر کے زر خرید علاء الدین الطبری الظاہری

کی سالانہ آمدنی جو اس کو اپنی نئی جائداد سے حاصل ہوئی تھی، تین لاکھ دینار تھی، بغداد میں اس کے محل کی کوئی

نظیر نہ تھی، یہی حال مجاہد الدین ایک الدویدار المستنصری کی دولت کا تھا، ان لوگوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں

کی شادی میں جو ہیز دیا، اور جو تحائف تقسیم کئے، ان کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، آخر الذکر کی جاگیر کی آمدنی پانچ

لاکھ دینار سالانہ تھی، یہی حال الصلاح عبدالغنی بن فاخر فراش کا تھا، جو زیور علم سے عاری، لیکن شاہانہ معیار کی

زندگی گزارتا تھا، اس کے مقابلہ میں سلطنت عباسیہ کے سب سے بڑے مدرسہ المستنصریہ کے لائق اساتذہ کی

نتخواہیں اتنی حقیر تھیں کہ اس کا یقین کرنا مشکل ہے، ان میں سے بڑے بڑے اساتذہ کو ۱۲ دینار ماہوار سے

زیادہ نہیں ملتے تھے، جب کہ اس کے مقابلہ میں عہد عباسی کے ایک امیر الشراہی کے ایک خادم نے چار ہزار دینار ایک

امیر کی شادی میں ٹائے، اور تین ہزار دینار شراہی کی طرف سے ایک پرندہ کی قیمت میں جو اس کے لئے تحفہ میں

موصول سے لایا گیا تھا، ادا کئے گئے۔

شان و شوکت کے اظہار کے لئے عید اور جائنیشنی کے موقع پر جو شاہانہ جلوس بغداد میں نکلتے تھے، ساز و شہر

لئے جزیرہ سے مراد وہ علاقہ ہے، جو بجل اور فرات کے درمیان واقع ہے، اس کو بلاد ما بین النہرین بھی کہتے ہیں، اس کا مغربی شمالی حصہ بحریرہ

کے نام سے مشہور ہے، اور جنوبی مشرقی حصہ عراق کے نام سے مشہور ہے۔ ۵۲ البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۵۹

۵۳ یہ سب معلومات اس عہد کی حاصر تاریخوں "اکوادث البمامہ" اور "العسد السبوک" سے ماخوذ ہیں۔

ان میں شرکت کرنے، ان کا تماشہ دیکھنے میں مجھ اور خود فراموش ہو جاتا تھا، نمود و نمائش کے اسواج طرح بے تکلف دینی فرائض ان میں نظر انداز ہوتے تھے اور نمازیں قضا ہوتی تھیں، اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ ۶۳۰ھ کے عید کے موقع پر چوٹا ہی جلوس نکلا، وہ رات کو جا کر ختم ہوا، اس کی ایسی مشغولیت اور محویت رہی کہ لوگوں نے اس دن عید کی نماز نصف شب سے پہلے قضا کر کے پڑھی، اسی طرح ۶۳۲ھ کی عید الاضحیٰ کو اہل بغداد شہر کے باہر خلیفہ کا شاہی جلوس دیکھنے نکلے اور نماز عید انھوں نے غروب آفتاب کے وقت پڑھی۔

خلیفہ کے لئے زمین بوسی کا عام رواج تھا، اسی طرح سے آستانہ بوسی اور زمین پر ناک رکھنے کا بھی دستور تھا، اور اس میں کسی کو کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی تھی، جائدادوں کی ضبطی کے واقعات بکثرت پیش آتے تھے، رشوت کی گرم بازاری تھی، باطنیوں، عیاروں اور ٹھگوں کی سرگرمی تیز ہو گئی تھی، اخلاقی بے راہ روی بہت بڑھ گئی تھی، دل بہلانے والے مشاغل کا زور تھا، مغنیات کی کثرت تھی، اور دولت جمع کرنے کا شوق حد سے فرسوں تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ تاتاری، ایران و ترکستان کو تہ و بالا کر رہے تھے، اور اسلام کے سب سے بڑے قلعہ بغداد پر ان کی نگاہیں تھیں، مورخ ابن کثیر ۶۲۶ھ کے آغاز کی ان الفاظ کے ساتھ خبر دیتا ہے کہ اس سن ہجری کی ابتدا اس شان سے ہوئی کہ سلاطین بنی ایوب (سلطان صلاح الدین کے خاندان کے بادشاہ) ایک دوسرے سے نبرد آزما اور برس بیکار ہیں، دار الخلافت بغداد میں کچھ ایسا انتشار برپا رہا کہ ۶۳۰ھ سے ۶۳۳ھ تک خلفاء اسلام کے قدیم و سلسل معمول کے خلاف خلیفہ کی طرف سے نہج کا انتظام ہوا، اور نہ خلاف کعبہ بدلا گیا، ۲۱ دن تک بیت الشریع کی دیواریں بالکل کھلی رہیں، لوگوں نے اس سے بدشگونی لی۔

۵۷۵ھ میں الناصر لدین الشریع تحت خلافت پر بیٹھا، اس کو چھالیس سال سے زیادہ سلسل خلافت حکومت کا موقع ملا، یہ اتنی طویل مدت ہے، جو کسی عباسی خلیفہ کو کبھی نصیب نہیں ہوئی، لیکن اس کا دور خلافت عباسیہ کا تاریک ترین دور تھا، مورخین نے بڑے سخت الفاظ میں اس پر تنقید اور اس کے اعمال و اخلاق کی

۱۔ انوار البیہ، واقعات ۶۳۰ھ تا ۶۳۳ھ، ملاحظہ فرمائیے، ۲۔ تاریخ بغداد، از ناجی معروف، رسالہ الاقامہ، بغداد، ۱۳۸۶ھ۔

خدمت کی ہے، مورخ ابن اثیر نے ان لفظوں میں اس کو یاد کیا ہے۔

• رعیت کے ساتھ اس کا سلوک نہایت خراب اور ظالمانہ تھا، اس کے زمانہ میں عراق کا ملک ایران ہو گیا ملک کے باشندے مختلف شہروں اور ملکوں میں متفرق و آوارہ ہو گئے، اس نے ان کی جائیدادیں اور دولتیں ضبط کر لیں، اس کے کاموں میں بڑا تضاد تھا، آج ایک بات کرتا تھا، کل اس کے خلاف اس کو تمام نزدیک تفریحی مشاغل سے تھی، اس نے جو انفرادی و سپہ گری کے لئے ایک خاص وردی ایجاد کی، صرف اس وردی والوں کے لئے مردانہ کھیلوں اور فنون سپہ گری کے مظاہرہ کی اجازت تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مردانہ کمالات اور فنون سپہ گری کا عراق سے خاتمہ ہو گیا، خلیفہ کی شیفتگی ان تفریحات سے حد کو پہنچ گئی، اہل ایران کا بیان ہے کہ اسی نے سب پہلے تاتاریوں کو اسلامی قلم و پرچم کرنے کی طرف متوجہ کیا، اور ان کے پاس پیام بھیجا:

۶۲۲ھ میں اناصر لدین اللہ کی وفات ہوئی، اور مستنصر باللہ (۶۲۳-۶۲۴ھ) اس کا جانشین ہوا، یہ خلیفہ دیندار، پاکباز، نیک سیرت، پاکیزہ خصائل اور بہت سے اوصاف و خصوصیات میں خلفاء صالحین کی یادگار تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کو انتظام و اصلاح کے لئے زیادہ مدت نہ مل سکی، ۶۳۰ھ میں اس کی وفات پر اس کا فرزند مستنصر باللہ خلیفہ ہوا، مستنصر باللہ صحیح العقیدہ، دیندار، محتاط خلیفہ تھا، جو کبھی مسکرات و محرمات کے قریب نہیں گیا، ہر مہینہ دو شنبہ اور جمعرات اور ماہِ رجب کے روزے رکھتا تھا، قرآن کا حافظ تھا، وقت پر نماز پڑھنے کا شدت سے پابند تھا، لیکن مورخ ابن اثیر کے قول کے مطابق طبیعت میں ضرورت سے زیادہ نرمی اور بیدار مغزی کی کمی تھی، دولت کے معاملہ میں کسی قدر حرص اور بخل واقع ہوا تھا۔

۶۳۲ھ میں ابن العلقمی کے نام خلافت عباسیہ کی وزارت عظمیٰ کا قرعہ فال نکلا، خلافت کے نظم و نسق میں اس وقت سے بڑی برہمی پیدا ہوئی، جب ۶۵۵ھ میں بغداد میں شیعی سنی کا زبردست جھگڑا ہوا،

۱۵۹۰ھ خوارزمی سلطنت کا زور توڑنے کے لئے جس سے خلیفہ بغداد کے تعلقات خراب تھے، ۱۲ تاریخ الکامل ج ۱۲ ص ۱۸۱۔

۱۵۹۰ھ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۵۹۔ پورا نام مؤید الدین ابوطالب محمد بن احمد بن علی محمد العلقمی ہے۔

شیعوں کے مکانات یہاں تک کہ ابن العلقمی کے عزیزوں کے مکانات تک لوٹ لئے گئے، ان واقعات کے دل میں بڑی کا پیدا ہونا اور جذبہ انتقام کا ابھرنا بعید از قیاس نہیں اس وقت اگرچہ تاری خطرہ بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا، اور تاری فوجیں بغداد کی طرف بڑھ رہی تھیں، وزیر ابن العلقمی کی ہدایت اور حکم سے بغداد کی افواج میں زبردست تخفیف کی گئی، سواروں کی تعداد گھٹا کر دس ہزار کر دی گئی، بقیہ سپاہیوں کو رخصت کر دیا گیا، اور ان کے منصب روک لئے گئے یہاں تک کہ ان کو بازاروں اور مسجدوں کے دروازوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا، شعرا نے اسلام کی کسمپرسی پر مہیے کہے۔

مستعصم اگرچہ ذاتی طور پر نیک سیرت اور نیک خیال خلیفہ تھا، اور اصلاح و ترقی کا خواہشمند بھی تھا، لیکن زمانہ کافساد، معاشرہ کا انتشار اور اہل حکومت کا بگاڑ اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اس کو روکنے اور حکومت و معاشرہ میں اصلاح کی نئی روح پھونکنے اور اس کو نئی زندگی عطا کرنے کے لئے ایسے اولوالعزم اور طاقتور شخصیت رکھنے والے افراد کی ضرورت تھی، جو عام طور پر تاریخ میں نئی سلطنتوں کے بانی اور نئے عہد کے فاتح ثابت ہوئے ہیں، یہ واقعہ تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے کہ اکثر حکمران خاندانوں کے آخری افراد اول کسی زوال پذیر سلطنت کا آخری فرمانروا اپنی ذات سے صلاحیت شعرا اصلاح پسند اور نیک سیرت تھا، لیکن اس خاندان یا اس سلسلہ سلطنت کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور فساد بڑھتے بڑھتے اس آخری نقطہ پر پہنچ چکا تھا کہ اب اس کو آخری منزل پر پہنچنے اور اس کے قدرتی نتائج کے ظاہر ہونے سے بظاہر کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی، چنانچہ اس خاندان اور حکومت کا زوال تاریخ میں اسی شخص کے نام لکھا گیا، جو اپنے بہت سے پیشروں سے بہتر تھا، اور بہت حد تک اصلاح حال کا خواہشمند تھا۔

اگرچہ بغداد میں اہل اصلاح کی ایک تعداد علم و درس اور عبادت میں مشغول تھی، اور کچھ الشر کے بندے خانقاہوں اور مساجد میں خلوت نشین اور مکیو تھے، لیکن حکام اور آسودہ حال طبقے میں بگاڑ پھیل گیا تھا،

اس عہد کا ایک مورخ ابوالحسن خزر جی اپنے زمانہ کے اہل عراق کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

جاگیروں اور جائیدادوں کے حصول کا شوق بہت بڑھ گیا ہے، رفاہ عام کے کام اور اجتماعی مصالح سے لوگوں کی نظر ہٹ گئی ہے، ان دنیاوی امور میں شغولیت بہت بڑھ گئی ہے، جو جائز نہیں ہے، حال سلطنت نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے، اور سب کو زیادہ سے زیادہ دولت سکالے کی فکر ہے۔
آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ:-

”یہ صورت حال بڑی خطرناک ہے، سلطنت کفر کے ساتھ تورہ جاتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں رہتی۔“

اُدھر عالم اسلام کے مشرقی حصہ میں خوارزم شاہی بلا شرکت غیرے حکومت کر رہے تھے، یہ بڑے جاہ و جلال کی سلطنت تھی، جو پانچویں صدی کے آخر میں سلطنت سلجوقیہ کے کھنڈروں پر قائم ہوئی، مصر و شام عراق و حجاز اور شمال مغرب میں ایشیا کوچک کے مختصر سلجوقی علاقہ اور جنوب مشرق میں غوریوں کی نوخیز سلطنت کو مستثنیٰ کر کے تقریباً سارا عالم اسلام خوارزم شاہیوں کے زیر نگین تھا، اس خاندان کا سب سے بڑا اور صلہ مند عالی ہمت اور کشور کشا سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ (۵۹۷-۶۱۷ھ) تھا، جو اپنے عہد کا سب سے بڑا نہ صرف مسلمان بادشاہ بلکہ شاید اپنے عہد کا سب سے طاقتور سلطان تھا، ہیرلڈ لیمب (H. LAMB) اپنی کتاب ”چنگیز خاں“ میں صحیح لکھتا ہے:-

”اسلامی ملکوں کے قلب میں سلطان محمد خوارزم شاہ اورنگ شاہی پر خدائے جنگ بنا بیٹھا تھا، اس کی فکر و ہندوستان کی سرحد سے بغداد تک اور بحر خوارزم (آرال) سے خلیج عجم تک چلی گئی تھی، سلجوقی ترکوں کے سوا جنھوں نے صلیبیوں پر فتوحات حاصل کی تھیں، اور مصر کے سلاطین ملوک سے قطع نظر کہ کے جو روز افزوں ترقی پر تھے، باقی جس قدر اسلامی سلطنتیں تھیں، ان پر سلطان محمد خوارزم شاہ بالکل چھایا ہوا تھا، سلطان محمد رتبہ میں شہنشاہ تھا، عباسی خلیفہ ناصر الدین الشراس سے ناراض تھے، مگر اس کی قوت کو مانتے تھے، خلیفہ

لے ملاحظہ ہو مضمون ”عصر الشراہی بغداد“ از ناجی معرووف رسالہ الاقلام، بغداد شماره محرم ۱۳۸۶ھ۔

بغداد دنیاوی اقتدار سے محروم ہو کر پاپائے روم کی طرح صرف دین کا ہادی و رہنما رہ گیا تھا۔

عرب مورخین علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی سیرت و اخلاق کی کسی بڑی کمزوری اور کسی قابل ذکر شخصی عیب کی طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ اس کی دینداری، خوش اعتقادی اور شجاعت و صلاحیت کا عام طور پر اعتراف کرتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں ان چھوٹی بڑی اسلامی سلطنتوں کے ختم کرنے میں صرف ہوئیں جو اس وسیع مشرقی حصہ میں کہیں واقع تھیں، ایک طرف شمال و مغرب میں اس نے سلجوقیوں کو ان کے آخری حدود تک پسپا ہونے پر مجبور کیا، دوسری طرف مشرق اور جنوب میں وہ ہمیشہ غوریوں سے نبرد آزما رہا، اور ان کو بھی ایک محدود حصہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا، ایران و ترکستان کی سپہ گری کا بہترین عنصر اس غیر ختم سلسلہ جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا تھا، ان زر خیز و مردم خیز ممالک کے شہروں و قصبات کی فضا اور زمین پر جنگ ہر وقت چھائی ہوئی رہتی تھی، مفتوحہ ممالک کی دولت شاداب و حاصل خیز ملکوں کی پیداوار، دستکاروں اور اہل صنعت کی ترانس و خراش کی وجہ سے جو سلطنت و طاقت کے اس مرکز میں جمع ہو گئے تھے، تمدن اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا تھا اور فراغت و لغارت اور فتوحات کے سائے لوازم جمع ہو گئے تھے، اس وقت کی تمدنی خرابیوں و کمزوریوں کا ذکر تو ان تاریخوں میں ملنا مشکل ہے، جن کو صرف سرکار دربار سے سروکار تھا، اگر اس کا سراغ کچھ مل سکتا ہے تو اہل دل صوفیاء و مشائخ اور مصلحین کی بیاضوں، ملفوظات اور مواظف میں جن کا بڑا حصہ تاتاری، سیلاب کے نذر ہو گیا، چنگیز خاں کا مسیحی مورخ ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان محض دینی تعصب اور مبالغہ آرائی پر محمول نہیں کیا جاسکتا کہ۔

”مسلمانوں کی دنیا جنگ و پیکار کی دنیا تھی اور ایسی دنیا تھی جو نغمہ و سرود سے بھی شغل رکھتی تھی اور

کان بھی اچھے پائے تھے، لیکن اس ظاہر کے ساتھ باطن میں ایک ہیجان کی حالت ہمہ وقت مزور رہتی تھی،

بادشاہوں کی جگہ غلام اور ملوک حکومت کرتے تھے، دولت جمع کرنے کا شوق بہت تھا، اخلاقی برائیاں

۱۴ چنگیز خاں ص ۱۴۱ ماخوذ از ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب روم۔

اور ملی نازشیں بھی کچھ کم نہ تھیں، انتظام امور ایسے لوگوں کے سپرد تھا، جو رعایا کو لوٹتے اور کھاتے تھے،

عورتوں کی نگہداشت خواجہ سراؤں کے ذمہ تھی، اور ایالی کا مالک خدا تھا^۱

خوارزم شاہی سلاطین سے اس موقع پر بھی وہی جہلک غلطی ہوئی، جو اسپین کے عرب فرماؤں نے کی تھی، اور جس کو الہی قانون مکافات نے معاف نہیں کیا، یعنی یہ کہ انھوں نے اپنی ساری طاقت سلطنت کی توسیع و استحکام اور حریفوں کی سرکوبی میں صرف کی، اور اس انسانی آبادی میں جو ان کی سرحد سے متصل تھی، اور بجائے خود ایک دنیا تھی، تبلیغ اسلام، اور ان تک خدا کا آخری پیغام پہنچانے کی کوئی فکر نہیں کی، جذبہ دینی سے قطع نظر کر کے سیاسی فراست اور دور بینی کا بھی تقاضا تھا کہ وہ اس وسیع انسانی آبادی کو اپنا ہم آہنگ اور ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرتے، اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اس خطرہ سے محفوظ رہ جاتے، جو نہ صرف ان کو بلکہ پورے مسلمانوں کو پیش آیا۔

یہ زمانہ اور حالات تھے، جب تاتاری ابتدا اپنے سردار اور قائد چنگیز خاں کی قیادت میں غزالیہ کی طرح عالم اسلام کے مشرقی حصہ ایران و ترکستان کی طرف بڑھے، پھر اس بغداد کی بھی نوبت آگئی، جہاں کا نقشہ اوپر کی سطروں میں گذر رہا ہے، اور بالآخر انھوں نے ۶۵۶ھ میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، وَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ:

عالم اسباب میں اس کا قریبی محرک یہ واقعہ ہوا کہ چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ میں بھی ایک وسیع سلطنت کا فرماؤں ہوں، اور آپ بھی ایک وسیع سلطنت کے تاجدار ہیں، بہتر ہے کہ ہم دونوں تجارتی تعلقات قائم کریں، ہمارے تاجر بے خوف و خطر آپ کے قلمرو میں جائیں، اور یہاں کی مخصوص پیداوار اور مال

۱۔ چنگیز خاں ۱۱۶۳ھ میں بغداد پر حملہ ہوا، تاتاری افراسیاب نے اس کی قیادت کی، اس نے ۱۱۶۳ھ سے ۱۱۶۹ھ تک

خوارزم شاہ کی حکومت پر پہلا حملہ ۱۱۶۱ھ میں ہوا، اس کا انتقال ۱۱۶۲ھ میں ہوا، اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اس کے مقاصد کو

تعمیر کی ۱۱۶۱ھ میں جب بغداد پر حملہ ہوا تو تاتاری افواج کا قائد اور امیر چنگیز خاں کا پوتا بلکوکھا تھا۔

اسلام کے مشرقی ممالک تاتاریوں کی زد میں

تاتاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کو ایک توہ خاک بنا دیا، شہر کی آبادی میں کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کر دیا، اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں سے اہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم کا ہوا، خوارزم شاہ جو عالم اسلامی کا واحد فرماؤ اور سب سے طاقتور سلطان تھا، تاتاریوں کے خوف سے بھاگا پھرتا تھا، اور تاتاری اس کے تعاقب میں تھے، یہاں تک کہ ایک نامعلوم جزیرہ میں اس نے قضا کی۔

خوارزم شاہ نے ایران و ترکستان کی اسلامی ریاستوں اور خود مختار حکومتوں کو اپنی شاہی میں ضم کر لیا تھا، اس لئے جب انھوں نے تاتاریوں کے مقابلہ میں شکست کھائی تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا مشرق میں ہوئی نہ تھا، تاتاریوں کی ہیبت اور مسلمانوں کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک تاتاری ایک گلی میں گھسا ہے، جہاں سو مسلمان موجود تھے، کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی، اور اس نے ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دیا، اور کسی نے ہاتھ تک نہ اٹھایا، ایک گھر میں ایک تاتاری عورت مرد کے بھیس میں گھس گئی اور تنہا سائے گھر والوں کو قتل کر دیا، پھر ایک قیدی کو جو اس کے ساتھ تھا، احساس ہوا کہ یہ عورت ہے تو اس نے اس کو قتل کیا، بعض اوقات تاتاری نے کسی مسلمان کو گرفتار کیا، اور اس سے کہا کہ اس پتھر پر سر رکھ دے، میں خنجر لاکر تجھے ذبح کروں گا، مسلمان سہا پڑا رہا، اور بھاگنے کی ہمت نہ ہوئی، یہاں تک کہ وہ شہر سے خنجر لایا اور اس کو ذبح کیا۔

تاتاری یورش عالم اسلام کے لئے ایک بلائے عظیم تھی، جس سے دنیا اسلام کی پولیس بن گئی، مسلمان مہوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہر اس اور یاس کا عالم طاری تھا

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الکامل (ابن اثیر) ج ۱۲۔ اور دائرۃ المعارف (بتانی ج ۶۔ مادہ تتر)

تاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا، ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابل تیار سمجھی جاتی تھی۔
 یہاں تک کہ ضربِ اشل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا کہ "اِذِ اِقْبَلْ لَكَ اِنَّ التَّوْبَةَ اَنْتَ مَوْافِلَا تَصِيْفًا" یعنی اگر
 تم سے کہا جائے کہ تاریخوں کو کہیں شکست ہوئی ہے، تو یقین نہ کرنا، جن ملکوں یا شہروں کی طرف ان کا
 رخ ہو جاتا، سمجھ لیا جاتا تھا کہ ان کی شامت آگئی، جان و مال، عزت و آبرو، مساجد و مدارس کسی کی خیر نہیں
 رہتی، تاریخوں کا رخ کرنا بربادی، قتل عام، ذلت و بے آبروی کا مراد تھا، ایک مرتبہ تقریباً سارا
 عالم اسلام (خصوصاً اس کا مشرقی حصہ) اس فتنہ جہاں سوز کی لپٹ میں آ گیا، مورخ ہر طرح کے واقعات
 پڑھتا اور لکھتا ہے اس کے سامنے قوموں کی بربادی اور ملکوں کی تباہی کے اتنے مناظر گذرتے ہیں کہ اس کی
 طبیعت بے حس اور اس کا قلم بیدرد ہو جاتا ہے، لیکن اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر جیسا مورخ
 جس نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ دنیا کی تاریخ لکھی ہے، اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا وہ لکھتا
 "یہ حادثہ اتنا ہونا کہ اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پس و پیش میں رہا کہ ان کا ذکر کروں یا نہ کروں
 ابھی بڑے تردد و تکلف کے ساتھ اس کا ذکر نہ ہا ہوں، واقعہ بھی یہ ہے کہ امام اور مسلمانوں کی خبر ہوتی
 سنا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و مرواکی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا
 ہوا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا، اور بھولا بسر ہو جاتا، لیکن مجھے بعض دوستوں نے
 اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا، پھر بھی مجھے تردد تھا، لیکن میں دیکھا کہ نہ لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں، یہ وہ حادثہ
 عظیمی اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں
 سے ہے، لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے، اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا میں دم ایسا واقعہ
 دنیا میں پیش نہیں آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا، اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پانگ بھی کوئی
 واقعہ نہیں ملتا، اور شاید دنیا قیامت تک (یا جوج ابوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے، ان جنگوں
 نے کسی پر جرم نہیں کھایا، انھوں نے عورتوں، مردوں، اور بچوں کو قتل کیا، عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے، او

پیٹ کے پھول کو ارڈالا اناجہ واما الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

یہ حادثہ ناگہر و عالم آشوب تھا یہ ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم میں پھیل گیا۔

ترصاؤ: لعباؤ کا مصنف جو اس تاتاری حملہ کا شاہد یعنی ہے اور جس کا مولدے اور مسکن بہدان اس

تاتاری غارت گری کے نذر ہو چکے تھے، لکھتا ہے:-

تاریخ شہور سنہ سبع و عشر و ستائے شکر مخدول کفار تاتار خذلہم اللہ و دترہم استیلافت

براں دیار و آن فتنہ و فساد و قتل و ہدم و حرق کہ ازاں ملاعین ظاہر گشت در ایچ عصر در زمان کفر و اسلام

کس نشان نہ دادہ است و در ایچ تاریخ نیامدہ و قبل ازیں بیشتر چگونہ بود کہ از یک شہرے کہ مولد و نشا

ایں ضعیف است قیاس کردہ اند کہ بیش ہفت صد ہزار آدمی بقتل آمدہ است و اسیر گشتہ از شہر و

ولایت و فتنہ و فساد آن ملاعین غازیلی بر حاکمی اسلام و اسلامیان ازاں زیارت است کہ در چیز عباد

گنجد و این واقعہ ازاں شائع تر است در جہاں کہ بشرح حاجت قدر و اگر عبادا بالشر فیرت و حمت

اسلام در نہاد ملوک و سلاطین بجنبہ کہ عمدہ رعایت مسلمانی و مسلمانان در ذمہ ایشان است کہ

الامیر سراج علی رعیتہ و ہو مسئول عنہم و اریحیت و رجولیت دین و امن ایشان

نگیرد تا اتفاق جمعیتے کنند و کرا قیاد فران انفر و اخفاقا و تقالا و جاہدا و ایا معا لیکم

و انمیکم فی سبیل اللہ بر میان جان بندند و نفس و مال و ملک و در دفع این فتنہ خدا کنند بے آن ہی آید

کہ بیک بارگی مسلمانی برانداختہ شود و اکثر بلاد اسلام بر اقتاد این بقیت رانیز برانداختہ جہاں کفر گیرد و نغوذ

بالحقہ خون و خطر آن است کہ مسلمانی آن قدر ایسے کہ ماندہ بود شوی معالما دجیان بے معنی چنان بر خیزد

کہ نہ اسم ماند نہ رسم!

تنہا عالم اسلام نہیں اس وقت کی پوری متمدن دنیا تاتاریوں کے حملہ سے لرزہ براندام تھی جہاں

(لہ الکالی (ابن اثیر متوفی ۷۴۶ھ) ج ۱۲ ص ۱۳۴-۱۳۸ ۱۳۸ھ مرصاوا البباد (ظلی) (مخطوطات کتب خانہ ندوۃ العلماء) ص ۵

ان کے پہنچنے کے بہت کم امکانات تھے، وہاں بھی دہشت پھیلی ہوئی تھی، گبن اپنی مشہور کتاب "تاریخ
تخطا و سقوط روم" میں لکھتا ہے۔

"سوڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ

وہ ان کے خون سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے"

کیمبرج کی تاریخ عہد وسطیٰ کے مصنفوں نے مغلوں کے اس شدید تصادم کو جس کا محرک جنگیز خان اور

بڑی خوبی کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ مغلوں کو روک سکیں، دشت و صحرا کے تمام خطروں پر وہ غالب آئے،

پہاڑ، سمندر، موسمی سختیاں، قحط، وبا میں کوئی بھی ان کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکا، کسی قسم کے خطروں کا انھیں خون

نہ تھا، کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ سکتا تھا، اور رجم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی، یہاں

میدان تاریخ میں ایک نئی طاقت سے ہم کو واسطہ پڑتا ہے، یہ طاقت اور زور ایسا تھا جس نے بہت سی ملکی اور

سیاسی تفسیوں کا چشم زدن میں فیصلہ کر دیا، اور انھیں اس طرح مٹا دیا، جیسے آسمان زمین پر گر کر سب چیزوں

کو مٹانے لگی اور سیاسی تفسیے بھی ایسے تھے کہ اگر آفت نازل نہ ہوتی تو آگے چل کر یا تو کسی کے حل کے لئے وہ حل

نہ ہوتے، اور اگر جاری رہنے تو کبھی ختم ہونا نہ جانتے، تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی

یہ قابلیت کہ نئی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے، جنگیز خاں سے شروع ہوا، اور اس کے پوتے تو بیلانی خاں

پر ختم ہو گیا، جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور وسیع سلطنت نے تقسیم و تفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع

کر دیئے، ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی۔"

بغداد کی تباہی

بالآخر یہ وحشی عالم اسلام کو زیر و زبر کرتے، خون کے دریا بہانے اور آگ لگاتے ۱۲۵۶ء میں جنگیز خاں

لے، انوزار جنگیز خاں "ص ۲۶۶"

کے پوتے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں دنیا سے اسلام کے دارا اختلاف اور اس عصر کے سب سے بڑے علمی مرکز کا
 متمدن شہر بغداد میں داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے
 قتل عام کی تفصیل طویل اور بہت دردناک ہے کچھ اندازہ ان مورخین کے بیانات سے ہوگا جنہوں نے
 اس حادثہ کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کی تفصیلات دیکھنے والوں سے سنیں مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں
 "بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا، چالیس دن کے بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پررونی
 ترین شہر تھا، ایسا ویران و تاراج ہو گیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے
 ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے ان لاشوں پر بادشہ ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں
 بدبو پھیلی جس سے شہر کی ہوا خراب ہو گئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر شام تک پہنچا، اس ہوا اور وبا سے
 بکثرت مخلوق مری، گرانی، وبا اور فناء، عینوں کا دور دورہ تھا۔
 شیخ تاج الدین السبکی لکھتے ہیں:-

"ہلاکو خاں نے خلیفہ بغداد (مستعصم) کو ایک خیمہ میں اتارا اور وزیر ابن اسلمی نے صلوات و احسان شہر کو
 دعوت دی کہ خلیفہ اور ہلاکو کے صلوات پر گواہ بنیں وہ آئے تو ان سب کی گردن اڑا دی گئی، اسی طرح ایک
 ایک گروہ کے بعد دیگرے بلایا جاتا اور اس کی گردن اڑا دی جاتی، پھر خلیفہ کے مستدین و مقربین کو بلایا
 اور ان کو بھی قتل کر دیا گیا، خلیفہ کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ اگر اس کا خون زمین پر گرا تو کوئی بڑی
 آفت آئے گی، ہلاکو کو تردد تھا، نصیر الدین طوسی نے کہا کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں، خلیفہ کا خون نہ بہایا جائے بلکہ

لے البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱

دوسری طرح اس کی جان لی جائے چنانچہ اس کو فرس میں لپیٹ دیا گیا اور ٹھوکروں اور لاتوں سے اس کو ختم کر دیا گیا۔
 بغداد میں ایک ہینڈ سے زیادہ قتل عام جاری رہا، اور صرف وہی بچ سکا جو پھپھارہا، کہا جاتا ہے کہ
 ہلاکونے مقتولین کو شمار کرایا، تو ۱۸ لاکھ مقتول شمار ہوئے۔

عیسائیوں کو حکم دیا گیا کہ علانیہ شراب پیئیں اور سورکا گوشت کھائیں، اگرچہ رمضان کا زمانہ تھا مگر
 مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ شرکت کریں، مسجدوں کے اندر شراب اندلی گئی، اور اذان کی مانعت کر دی گئی،
 یہ وہ بغداد ہے جو (جب سے آباد ہوا) کبھی دارالکفر نہیں ہوا تھا، وہاں وہ واقعہ پیش آیا جو کبھی تاریخ میں پیش نہیں آیا۔
 بغداد ہزار خرابیوں کے باوجود عالم اسلامی کا سب سے بڑا شہر، علوم و فنون کا مرکز، ہزار ہا علماء و صلحا کا مسکن
 اور دارالخلافت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی آبرو تھا، اس کی بربادی نے تمام حساس مسلمانوں کو ترپا دیا، اور
 ہر طرف اس کا ماتم کیا گیا، شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے جو بغداد میں طالب علمی کر چکے تھے، اور اس کی رونقیں دیکھے ہوئے

(باقی ص ۳۲۰ کا) کے بعد خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر کے، خلیفہ بغداد مستعصم باشر کے پاس ہلاکونے اطاعت کا حکم بھیج دیا، اسلئے موتی رہی، مگر کوئی
 قیو نہیں نکلا، اب ہلاکونے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا، مثل نجوم سعد و نحس کے بہت معتقد تھے، حسام الدین نامی ایک نبی نبوی اس کے دربار میں
 تھا، اس نے کہا کہ حلا بغداد کی یہ گھڑی نحس ہے، اور جب کسی بادشاہ نے خلافت پر ہاتھ ڈالا ہے، تو اسے منہ کی کھانی پڑی ہے، اور
 کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہوا ہے، اگر آپ چلا کرتے ہیں، تو بارش بند ہو جائے گی، طوفان اور زلزلے آئیں گے، اور ایک عالم ویران ہو جائے گا
 اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بادشاہ (سلطان آں) ہلاک ہو جائے گا، سن کر ہلاک و متزدد ہو گیا، ہلاکونے طوسی کی رائے معلوم کی کہ اگر بغداد چلا کفر
 عاقبت چو خواہ شد، طوسی نے جواب میں کہا چیزے نو ہد شد جز اینکه بجائے خلیفہ خان خواہ بود، ہلاکونے طوسی اور حسام الدین دونوں کو بکار ناپز
 کرایا، طوسی نے کہا کہ ہزاروں صحابہ شہید کر دیئے گئے، مگر کوئی فساد ظاہر نہیں ہوا، اگر جاسیوں کی خصوصیت کہتے ہو تو ظاہر کو دیکھو جس ناموں کے حکم سے خلیفہ
 وقت امین سے جنگ کی، اور اس نے قتل کر دیا، تنوکل کو اس کے راکوں اور غلاموں نے اتفاق کر کے مار ڈالا، قتل اور معتضد کو امر اور غلاموں نے ختم کر دیا
 مگر کوئی زلزلہ اور طوفان نہیں آیا۔ ۲۵ لاکھ آبادی میں یہ کچھ بعید نہیں، بعض درخین نے مقتولین کی تعداد اس کے کم بیان کی ہے

تھے، ایک دل دوز مرثیہ کہا جس میں اس وقت کے تمام مسلمانوں کے زخمی دلوں کی ترجمانی ہے، اس کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:-

بزرگوار ملک مستعصم امیر المومنین	آسماںِ راحت بود گر خونِ بارود بر زمین
سر بر آوردین قیامت در میانِ خلق ہیں	اے مجذومِ قیامت می بر آری سر ز خاک
ز استانِ بگذشت و مارا خونِ دل آراستیں	نازنینانِ حرمِ را خونِ خلقِ نازنین
در خیالِ کس نگشتی کا پنچناں گرد و چنسیں	زیہار از دور گیتی و انقلابِ روزگار
قیصرانِ روم سر بر خاکِ خاقانِ بر زمین	دیدہ بردار لے کر دیدی شوکتِ بیتِ احرار
ہم بر آں خاک کے کہ سلطانانِ نہادند جسے حسین	خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ شد درختہ
خاکِ نخلستانِ بطحار اکتد با خونِ مجہدیں	و جلدِ خونِ نالستِ زین پس گر نہد سر پر پشت
می تو اں دانست بر روشِ زبرجِ افتادہ چلیں	روسے در یاد ہم آمد زین حدیثِ ہولناک
کتریں دولتِ مرایشاں را بہشتِ برترین	نوحہ لائق نیست بر خاکِ شہیدانِ زانکہ ہست
مہربانِ رادل بسوز دور فراقِ نازنین	لیکن از روسے مسلمانانِ و راہِ مرحمت

بغداد کے بعد تاتاریوں نے حلب کا رخ کیا، اور ابن کثیر کے بیان کے مطابق اس کے ساتھ بھی بغداد کا سا سلوک کیا، وہاں سے دمشق کی طرف بڑھے اور جمادی الاولیٰ ۶۵۸ھ میں اس پر قبضہ کر لیا، شہر کے عیسائیوں نے تاتاری فاتحوں کا شہر سے نکل کر استقبال کیا اور ان کو تحائف پیش کئے، اور ان کے حاکم کے پاس سے فرمان لے کر آئے اور شہر میں قاتحانہ داخل ہوئے، ابن کثیر جو خود دمشق کے رہنے والے ہیں، اس واقعہ کی تصویر کھینچتے ہیں، جس سے مسلمانوں کی بے بسی، ذلت و کمزوری کا اندازہ ہوتا ہے:-

”عیسائی باپ تو اسے داخل ہوئے، وہ صلیب کو لوگوں کے سروں پر بند کئے ہوئے تھے، اور اپنا مخصوص نمونہ

اے کلیاتِ سعدی ص ۵۶

لگا رہے تھے، وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ دین برحق یسوع مسیح کا دین غالب آیا، اور اسلام اور اہل اسلام کی
صاف صاف مذمت کرتے تھے، ان کے ہاتھوں میں شراب کے برتن تھے جس مسجد کے پاس سے گزرتے، اس کے
پاس شراب چھڑکتے، کچھ شراب کی بوتلیں تھیں، جن کو لوگوں کے چہروں اور کپڑوں پر چھڑکتے تھے، گلیوں اور بازاروں
میں جو شخص بھی گذرتا، اس کو حکم دیتے تھے کہ صلیب کی کھڑے ہو کر تعظیم کرے، مسلمان یہ نقشہ دیکھ کر جمع ہو گئے،
اور ان کو دھکا دے کر کنیہ مریم تک پہنچا دیا، وہاں عیسائی مقرر نے کھڑے ہو کر مسیحیت کی تعریف میں تقریر کی،
اور دین اسلام اور اہل اسلام کی مذمت کی:

ابن کثیر ذیل المرأة کے حوالہ سے آگے لکھتے ہیں:-

”عیسائی جامع مسجد میں شراب لئے ہوئے داخل ہوئے، ان کی نیت تھی کہ اگر تاتاریوں کا زیادہ رہنا
ہو، تو وہ بہت سی مسجدوں کو گرا دیں گے، جب شہر میں یہ واقعات پیش آئے تو مسلمان قاضی، شاہد اور علماء
جمع ہو کر جلسہ میں گئے، اور تاتاری حاکم قلعہ اہل بیان سے شکایت کی، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بڑی ذلت
سے نکال دیے گئے، اور عیسائیوں کے سر پر آوردہ لوگوں کی بات سنی گئی، ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“

شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا، اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا، جو
ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المنظر سیف الدین قطر کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے، اور
تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس نے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے
بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے، چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۵ھ کو عین جاوٹ کے مقام پر تاتاریوں
اور مصر کی اسلامی افواج کا مقابلہ ہوا، اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی، وہ بڑی
طرح سے بھاگے مصریوں نے ان کا تعاقب کیا، اور کثرت سے ان کو قتل کیا، اور بڑی تعداد میں گرفتار۔
سیوطی تاریخ ائخلاف میں لکھتے ہیں:-

تاتاریوں کو شرمناک ہزیمت ہوئی، اور خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے ان پر فتح پائی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا، اور وہ اس طرح سرسید ہو کر بھاگے کہ ٹوٹوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو پکڑ لیتے تھے اور اڑتے تھے۔

عین بھانوت کے نعرہ کے بعد سلطان الملک انطاہر میرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست دی، اور سائے ملک شام سے ان کو بے دخل اور خارج کر دیا، اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ 'تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں!'

تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام

قریب تھا کہ سارا عالم اسلام اس سیلابِ بلا میں بہ جائے اور جیسا کہ اس وقت کے اہل نظر اور درد مند مسلمان مصنفین نے خطرہ ظاہر کیا ہے، اسلام کا نام و نشان بھی مٹ جائے کہ دفعہ تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام شروع ہو گئی، اور جو کام مسلمانوں کی شمشیریں اور مسلمان بادشاہ نہ کر سکے، وہ اسلام کے داعیوں اور خدا کے مخلص بندوں نے انجام دیا، اور خود اسلام نے اپنے خونِ آسمان دشمنوں کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ تاریخ کے عجیب ترین واقعات اور حقائق میں سے اس ناقابلِ تسخیر قوم کا اسلام سے سحر اور مسلمانوں کے فاتح کا اسلام سے مفتوح ہو جانا ہے، تاتاریوں کا ایک سال کے عرصہ میں برق و باد کی طرح وسیع اسلامی دنیا پر چھا جانا، اور عالم اسلام کو بزورِ شمشیر فتح کر لینا، اتنا عجیب و اقد نہیں، اس لئے کہ ساتویں صدی کا عالم اسلام ان بیماریوں، کمزوریوں کا شکار تھا، جو بالعموم تمدن و تہذیب کی انتہائی ترقی کے بعد قوموں میں پیدا ہوا کرتی ہیں، اور ان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں، اس کے بالمقابل تاتاری تازہ دم، جفاکش، بدوی زندگی کے عادی اور خونِ خوار خونِ آسمان تھے، لیکن عجیب واقعہ اور تاریخ کا معمایہ ہے کہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں

لئے تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱ (مطبوعہ المینہ مصر)

نیچے جتنی قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ گبوش بن گئی، جو اپنی ہر قسم کی مادی اور سیاسی طاقت کھو چکا تھا، اور جس کے پیروؤں کو تاری سخت ذلت اور تجارت کی نظر سے دیکھتے تھے، پر ویسرنی، ڈبلیو، آرنلڈ اپنی مشہور کتاب دعوتِ اسلام (PREACHING IN ISLAM) میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان و شوکت کے خاکستر سے پھراٹھا، اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا، مسلمان کر لیا یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلات پیش آئیں کیونکہ دو مذہب اس بات کی کوشش میں تھے کہ مغلوں اور تاتاریوں کو اپنا معتقد بنائیں وہ حالت بھی عجیب و غریب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بد مذہب اور عیسائی مذہب در اسلام اس جدوجہد میں ہوں گے کہ ان وحشی اور ظالم مغلوں کو جنہوں نے ان تین بڑے مذہبوں کے معتقدوں کو پائمال کیا تھا، اپنا مطیع بنائیں۔“

”اسلام کے لئے ایسے وقت میں بد مذہب اور عیسائی مذہب کا مقابلہ کرنا، اور مغلوں کو ان دونوں مذہبوں سے بچا کر اپنا پیرو بنانا ایسا کام تھا جس میں بظاہر کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی، مغلوں کے طوفانِ ہلاکت سے مسلمانوں کے برابر کسی نے نقصان نہ اٹھایا تھا، وہ مشہور و معروف شہر جو ایک زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھے اور جہاں ایشیا کے ارباب علم و فضل آباد تھے، اکثر جلا کر خاک کر دیئے گئے تھے، مسلمانوں کے عالم اور فقیر یا تو قتل کئے گئے یا ان کو غلام بنایا گیا، خانینِ مغل جو اسلام کے سوائے اور سب مذہبوں پر مہربان تھے، اسلام کے ساتھ مختلف درجہ کی نفرت اور عداوت رکھتے تھے، چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ جانوروں کو شرع کے مطابق

لے دعوتِ اسلام (مترجم مولوی عنایت اللہ) صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲ ۲ مغلوں نے مسلمانوں پر ایسے ظلم کئے کہ چینی تاشے والے جب پردہ پر عکس کی تصویریں دکھاتے ہیں تو ایک تصویر میں سفید دائرہ کی ایک بڑھا آدمی آتا ہے جس کی گردن گھوڑے کی ڈم سے بندھی ہوتی ہے اور گھوڑا اس کو گھسیٹے گھسیٹے پھرتا ہے، یہ تصویر گویا ظاہر کرتی ہے کہ مغلوں کے سواروں نے مسلمانوں کو کیسے آزار پہنچائے (ہو درتھ پہلی جلد صفحہ ۱۵۰)۔

ذبح کریں ان کو قتل کر دیا جائے، اسی حکم کو تو بلائی خان نے اپنے زمانہ میں از سر نو جاری کیا، اور اس کا پیرا
 کے لئے نجبر اور نجبروں کے لئے انعام مقرر کئے، اور اس طرح سات برس تک مسلمانوں کو سخت سے سخت
 آزار پہنچائے، غلوسوں نے اس موقع پر دولت جمع کر لی اور غلاموں نے آزاد ہونے کے لئے آقاؤں پر ذبح کا
 الزام لگایا، گیوک خاقان کے عہد میں (۱۲۳۶ء تا ۱۲۳۸ء) جس نے کل انتظام سلطنت دو عیسائی وزیروں کے
 سپرد کر رکھا تھا، مسلمانوں کو سخت ازبیتیں پہنچائیں، اور خوجان نے بھی جو چو تھا ایچان (۱۲۸۳ء تا ۱۲۹۱ء) پر مسلمانوں
 پر ظلم کئے، اور عدالت اور مال کے محکموں میں جس قدر سامیوں کے پاس تھیں وہ غالب کر لیں اور ان کا دربار میں آنا بند کر دیا۔
 باوجود ان مشکلات کے مغلوں اور وحشی قوموں نے جو مغلوں کے بعد آئیں، انہی مسلمانوں کا مذہب قبول

کیا جن کو انھوں نے اپنے پیروں میں روندنا تھا۔

یہ واقعہ جتنا عجیب اور عظیم الشان ہے، اتنا ہی یہ امر حیرت انگیز ہے کہ تاریخ میں اس کی تفصیلات
 اور جزئیات بہت کم لٹی ہیں اور جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کارنامہ انجام پایا، ان کا تاریخ کے دفتر میں بہت کم
 سراغ ملتا ہے جن مخلصین نے اس خون آشام تاری قوم کو اسلام کا حلقہ گوش بنایا، ان میں بہت کم لوگوں کا
 نام دنیا کو معلوم ہے مگر ان کا یہ کارنامہ کسی اسلامی کارنامہ سے کم نہیں اور ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ
 پوری انسانیت پر قیامت تک رہے گا کہ انھوں نے دنیا کو وحشت و پرہیزگاری سے محفوظ کر کے ایک ایسی قوم کی
 نوایت میں دے دیا، جو خدائے واحد کی پرستار اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی علمبردار تھی۔

چنگیز خاں کی سلطنت انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی، ان چاروں
 شاخوں میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی اور تاتاری خاقان اور ان کی دعوت و تبلیغ اور اثر سے تاتاری
 قوم مسلمان ہونا شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی

۱۵ ہجرت ۱۱۵۴ء (جس وقت دیکھا گیا کہ اس حکم سے مسلمان تاجروں کا دربار میں آنا بند ہو گیا اور اس کی وجہ سے تجارت کو نقصان پہنچا

۱۶۵۱ء ہجرت ۱۱۵۴ء دی گویں ج ۲۶۵۳ ۱۶۵۱ء دعوت اسلام ص ۲۴۶ تا ۲۴۷

پروفیسر آرنلڈ نے دعوتِ اسلام میں اس کے جستہ جستہ واقعات لکھے ہیں، چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جو جی خاں کی شاخ میں جو سلطنت کے مغربی حصہ سیراد اور اپر حکمران تھی، اشاعتِ اسلام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے آرنلڈ لکھتا ہے:-

”مستوں کا پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا، وہ برک خاں تھا، جو ۱۲۵۱ء سے ۱۲۶۴ء تک سیراد اور کاخان رہا، اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ ایک ن وہ ایک کارواں میں پہنچا، جو بخارا سے آتا تھا، اس میں دو مسلمان تاجر تھے، جن کو برک خاں الگ لے گیا، اور اسلام کے متعلق کچھ سوالات ان سے کئے، مسلمانوں نے اپنے مذہب کے احکام و ارکان اس خوبی سے بیان کئے کہ سیراد اور کاخان کو مسلمان ہونے کا شوق پیدا ہوا، وہ اسلام لیا، اس کا حال برک خاں نے اپنے چھوٹے بھائی سے بیان کیا، اور اس کو بھی اسلام قبول... کرنے کی ہدایت کی، اس کے بعد برک خاں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا، اسلام قبول کرنے کے بعد برک خاں نے سلطان مرکن الدین میرس سے معاہدت کر لی، اس معاہدت کا باعث خود سلطان مرس اس طرح ہوا کہ اس نے سیراد اور کے دو مستوں کی نہایت خاطر مدارت کی، ان مستوں کا قصہ یہ ہے کہ جب خان سیراد اور ہلاکو خاں فاتح بغداد میں عداوت زیادہ بڑھی تو یہ دو مستوں جو ہلاکو خاں کی فوج میں بھرتی تھے، بھاگ کر شام کے ملک میں چلے آئے اور یہاں سے وہ بڑے اعزاز کے ساتھ قاہرہ پہنچائے گئے، جہاں وہ بارہ مہر سے ان کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت ہوئی، سلطان مرکن الدین نے ان مستوں میں سے دو سو آدمیوں کے ساتھ اپنے چند سفیر کئے، اور برک خاں کو ایک خط ان کی معرفت روانہ کیا، جب یہ لوگ سیراد اور سے قاہرہ کو واپس آئے تو سلطان کو خبر دی کہ برک خاں کے امیروں کے ہاں اور ایک شہزادی کے ہاں ایک ایک امام اور موزن مقرر ہے اور بچوں کو کتب میں قرآن پڑھایا جاتا ہے، سلطان سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم قاہرہ سے

۱۲۵۱ء میں مرکن الدین بخارا راہری نے برک خاں کے لئے ایک کتاب لکھی جس میں رسالت کو برہان ثابت کیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے

مذہبوں کے مناظروں کا حال لکھا ہے، ابو الخازی توم ۱۸۷۱ء ۱۸۷۲ء مقررہ ۱۸۷۱ء ۱۸۷۲ء ایضاً ۲۱۵

روان ہوئے تھے تو راستہ میں برک خاں کے سفیر نے جو سلطان مصر کی خدمت میں اطلاع کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ
برک خاں اور اس کی رعایا مسلمان ہو گئی ہے غرض جب سلطان رکن الدین اور برک خاں میں رسم اتحاد پیدا ہوئی
تو سیراد اورا کے بہت مغل مصر میں آئے، جہاں ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب ہوئی۔

تاتاری سلطنت اور خاندان چنگیز خاں کی دوسری شاخ دولت ایلیخانہ میں اشاعتِ اسلام کے
متعلق آرنلڈ لکھتا ہے:-

”ایران میں جہاں ہلاکو خاں دولت ایلیخانہ کا بانی ہوا، ترکوں میں اسلام کی اشاعت رفتہ رفتہ ہوئی اور ہلاکو خاں
کا بیٹا کورد اور اپنے بھائی باقا خاں کا جانشین ہوا، دولت ایلیخانہ کا پہلا بادشاہ تھا، جس نے اسلام قبول کیا
ایک عہد نویس عیسائی مصنف نے لکھا ہے کہ کورد اور کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب پر ہوئی تھی، بچپن میں اس کو
اصطباغ ملا تھا، اور نکولس اس کا نام رکھا گیا تھا، لیکن کورد اور جب بڑا ہوا تو اس نے مسلمانوں کے اثر و سبب سے
جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا، عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا، اور سلطان محمد (یا احمد) نام رکھا،
اور جس قدر ہو سکا، اس بات کی کوشش کی کہ سب تاتاری اسلام قبول کر لیں، اور اس کے لئے انعام و اکرام
اور اختیار اور عزت لوگوں کو بخشی، یہاں تک کہ اس کے زمانہ میں بہت تاتاری مسلمان ہو گئے، اس بادشاہ نے
سلطان مصر کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر ذیل کے مراسلہ سے بھیجی۔

”خدا کی قوت اور قان کے اقبال سے سلطان احمد کا فرمان بادشاہ مصر کے نام، بعد تہیہ کے واضح ہو کہ
خدا نے اپنی عنایت اور ہدایت کی روشنی سے آغاز نوجوانی کے زمانہ میں ہم کو اپنی الوہیت اور وحدانیت کا
اقرار کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے اور اپنے دوستوں اور نیک بندوں کی نسبت
خوش اعتقاد رہنے کی ہدایت کی تھی، وہ جس کسی کو ہدایت پر لانا چاہتا ہے، اس کے دل کو مذہبِ اسلام قبول کرنے کے لئے

لے مقرر ہی ۱۸۸۵ء ایضاً ۲۲۲ ص ۵۳ و ص ۵۴ نے اس بادشاہ کو مسلمان ہونے سے پہلے کورد اور مسلمان ہونے کے بعد احمد

لکھا ہے۔ ۵۳ ہیٹوم (راویو تووم ۲ ص ۶)

کھول دیتا ہے ہم اس وقت سے آج تک دین کا بول بالا کرنے اور مذہب اسلام اور مسلمانوں کے معاملات کی اصلاح کرنے پر مائل رہے یہاں تک کہ والد بزرگوار اور برادر بزرگ کی طرف سے عکرائی کی نوبت ہم تک پہنچی اور خدانے اپنی مہربانی سے ہماری امیدوں کو پورا کیا، اور حکومت و سلطنت ہم کو عنایت کی، پھر قربتالی (کورتائی) مبارک میں جس سے وہ مجلس مراد ہے جس میں تمام بھائی بنڈ اور شہزادے اور بڑے بڑے امیر اور فوج کے سردار مشورہ کرنے کے لئے بیٹھے ہیں سب نے مل کر یہ اقرار کیا کہ ہمارے برادر بزرگ کے حکم سے فوج کشی کو جاری کیا جائے اور ہماری فوجوں میں سے جن کی کثرت سے زمین باوجود وسیع ہونے کے تنگ ہے اور جن کی صولت اور مہیبت سب کے دل کانپتے اور ٹھرتے ہیں، ایک غم غم کو اطراف میں روانہ کیا جائے اور یہ فوج کشی ایسے مضبوط ارادہ کے ساتھ ہو جس کے سامنے بلند پہاڑ جھک جاویں اور سنگ خارا کے چٹان نرم پڑ جاویں ہم نے اس مقصد پر غور کیا جس پر ان کے ارادے پختہ اور ان کی رائیں متفق تھیں اور ان سب کا خلاصہ جو معلوم ہوا، وہ اس عام نیکی کے خلاف تھا جس کے جاری کرنے کا ہم ارادہ رکھتے تھے اور جس سے مراد یہ ہے کہ شعار اسلام کو زندہ کیا جائے اور جو احکام ہماری طرف سے جاری ہوں، ان سے خونریزی موقوف ہو، اور دنیا کی مصیبت کم ہو، اور دنیا کے اطراف میں امن و امان کی ہوا چلے اور تمام شہروں کے حاکم ہماری شفقت اور مہربانی سے آرام پاویں، کیونکہ ہم خدا کی تعظیم کرتے ہیں، اور خدا کی مخلوق پر مہربان ہیں، اس لئے خدانے ہمارے دل میں الہام کیا کہ ہم شتمل آگ کو بجھائیں اور فتنہ و فساد کو فرو کریں اور جن لوگوں نے یہ رائے دی ہے، ان کو اس تدبیر سے مطلع کریں جس سے دنیا کی بیماریاں اور تکلیفوں کے دور ہونے کی امید ہے، اور جس کو سب پہلے عمل میں لانے کی سب سے آخری علاج سے باز رہنے کا خدانے ہم کو ہدایت کی ہے، اس لئے ہم پیکانوں کو جنبش میں لانے اور کمانوں پر چلے چڑھانے میں جلدی نہیں کرتے ہیں، اور جب تک حق بات ظاہر نہ ہو، محبت قوی نہ ہو، ہم اس امر کی اجازت نہیں دیتے، شیخ الاسلام قدوة العارفين کی نصیحت سے جو امور مذہبی میں ہمارے سب سے بہتر مددگار ہیں، ہمارے اس ارادہ کو جو فلاح و بہبودی کی خواہش پر مبنی ہے، اور اس رائے کو جس سے کامیابی کی امید ہے، پختہ اور مصمم کر دیا، چنانچہ ہم نے یہ فرمان

جاری کیا، جو ماننے والوں کے لئے خدا کی رحمت اور زمانے والوں کے لئے خدا کا عذاب ہے، ہم نے اس فرمان کے ماننے والوں کے لئے قاضی القضاة قطب الدین شیرازی اور اتابک بہار الدین کو جو اس سلطنت کے عامل ہیں روانہ کیا ہے، تاکہ لوگوں کو ہمارے طریقہ سے واقف کریں اور تمام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے جو بات ہمارے دل میں پوشیدہ ہے، سب اس سے آگاہ ہوں، نیز ان سب لوگوں کو اس بات سے مطلع کریں کہ خدا نے ہم کو بصیرت و ہدایت عطا کی ہے اور اسلام ان تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے، جو مسلمان ہونے سے پہلے وقوع میں آئے ہوں، اب تو خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ ہم حق کی اور اہل حق کی پیروی کریں، پس اگر لوگوں کے دل ایسی دلیل کی جستجو میں ہیں جن سے وہ ہم پر بھروسہ کر سکیں، اور ایسی حجت طلب کرتے ہیں جس سے کامیابی کی امید کر سکیں تو وہ ہماری ان تمام فضیلتوں پر نظر ڈالیں، جو دنیا میں عام طور پر مشہور ہو چکی ہیں، کیونکہ ہم نے خدا کی عنایت سے دین کے نشانوں کو بلند کیا ہے اور ہر ایک حکم جاری کرنے میں اس امر کو پیش نظر رکھا ہے، اور شرع محمدی کے قوانین کو بلحاظ ان کی عظمت اور بزرگی کے عین مقتضائے انصاف پر جاری کیا ہے، ہم نے تمام رحمت کے دلوں کو خوش کیا ہے، اور جن سے پہلے کوئی برائی یا خطا سرزد ہوئی تھی، ان سب کو یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے کہ خدا بھی تمہاری اگلی خطاؤں کو معاف کرے، ہم نے مسلمانوں کے اوقات کی جن میں سجدیں اور مقبرے اور مدرسے شامل ہیں، اصلاح کی ہے، اور تمام خیرات خانوں اور بہان سراؤں کو جن کے نشانات مٹ گئے تھے، دوبارہ آباد کیا ہے، اور اوقات کی آمدنی کو ان کے قدیم دستور اور وقت کرنے والوں کے شرائط کے موافق حقداروں تک پہنچا دیا ہے، ہم نے حکم دیا ہے کہ ہمارے حکام حاجیوں کے معاملہ کو اہتم باشان سمجھیں، اور ان کے لئے سامان سفر مہیا کریں، اور جن رستوں سے وہ سفر کرتے ہیں، ان کو آباد و بے خطر رکھیں، اور حاجیوں کے خانوں کو با آرام تمام روانہ کریں، ہم نے تمام سوداگروں کو جو ملک میں آمد و رفت رکھتے ہیں، پوری آزادی عطا کی ہے، کہ وہ اپنے طریقہ سے جس طرح چاہیں، سفر کریں، اور فوج اور قراغول اور شیخوں کو جو ملک کے اطراف میں مقرر ہیں، سخت ممانعت کی ہے کہ وہ سوداگروں کی آمد و رفت میں کسی طرح کی مزاحمت کریں، تاکہ شہر اور ملک

آباد ہوں، قتلے اور فساد فروہوں نیز تلواریں میان میں رہیں اور تمام باشندے آرام و آسائش سے بسر کریں اور
مسلمانوں کی گردنیں ذلت و خواری کے طوق سے نکل جائیں۔

”تاریخ مغلیہ کے ناظرین کو ان صدمہ اظلموں اور متواتر کشت و خون کے ہنگاموں کو پڑھنے کے بعد جو نفل
اور تاتاریوں نے برپا کئے، اس فرمان کے مطالعہ کرنے سے بہت راحت معلوم ہوئی ہوگی اور تعجب ہوا ہوگا کہ
ایک نفل فرمانروا کی زبان سے بھی اس قدر فیاضی اور انسانی ہمدردی کے خیالات ادا ہوئے۔“

”۱۲۸۳ء میں تگودار احمد کے خلاف ایک بغاوت برپا ہوئی جس کا سرغنہ ازخون خاں تھا، تگودار کو اس نے
قتل کیا، اور خود مالک تخت و تاج بن گیا، ازخون کے عہد حکومت میں (۱۲۸۳ء تا ۱۲۹۱ء) جو چند سال تک
جاری رہا، عیسائیوں پر پھر سلطنت کی طرف سے مہربانی ہوئی اور مسلمانوں کو سختیاں اٹھانی پڑیں اور سرکاری
عہدوں اور نوکریوں سے وہ برطرف کر دیئے گئے، ۱۲۹۵ء تک تگودار کے جانشین اپنے قدیم مذہب شاہان
کے پیرو رہے، لیکن ۱۲۹۵ء میں البتہ ان کا ساتواں بادشاہ غازان جو خاندان ایلخانیہ کا سب سے زیادہ بابر
اور پرسلطوت بادشاہ ہوا، مسلمان ہو گیا، اور اس نے اسلام کو ایران کا شاہی مذہب قرار دیا۔“

مسلمان ہونے سے پہلے سلطان غازان کی تعلیم و تربیت بد مذہب پر ہوئی تھی اور خراسان میں اس
بادشاہ نے بدھوں کے لئے مندر تعمیر کر دیئے تھے، بد مذہب کے عالموں کی صحبت سے وہ بہت خوش ہوتا
تھا، اور یہ لوگ جس وقت دولت مغلیہ کو عرض ہوا تھا، ایران میں کثرت سے چلے آئے تھے، سلطان غازان
کو مختلف مذہبوں کی تحقیق و تفتیش کا بڑا شوق تھا، اور ہر مذہب کے عالموں کو وہ مذہبی مباحثہ کرتا تھا،
غازان کا وزیر اور اس کے عہد کا مورخ حکیم رشید الدین تھا، جس کا یہ خیال غالباً صحیح معلوم ہوتا ہے کہ
سلطان غازان سچی نیت اور عقیدہ سے مسلمان ہوا، اور اپنے تمام زمانہ بادشاہی میں وہ اسلام کا نہا پابند رہا۔“

۱۴۸۰ء و ماہ ۲۳/۲۳ ۵۲ دعوت اسلام ۲۵۱/۲۴۸ ۵۳ دے گبن ج ۳ ۲۶۵/۲۶۳ ۵۴ دہوسن نوم ۱۲۸۰ء

۲۶۵ ایضاً ۳۶۵ ۵۶ دعوت اسلام ۲۵۳

مورخ ابن کثیر نے بھی غازان کے اسلام لانے کا ذکر ۶۹۳ھ کے واقعات میں بڑی مسرت کے ساتھ کیا ہے اور ان کے اور دوسرے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سہرا نیک دل مسلمان ترک امیر تو زون کے سر ہے جن کی تلقین اور سعی سے تاتاری سلطان نے اسلام قبول کیا، ابن کثیر ۶۹۳ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

”اس سال چنگیز خان کا پرپوتا قازان بن ارغون بن ایغاب تولى بن چنگیز خان تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر تو زون رحمت اللہ علیہ کے ہاتھ پر علانیہ مشرت باسلام ہوا اور تاتاری کل یا بیشتر اسلام میں داخل ہو گئے جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا، اس روز سونا چاندی اور موتی لوگوں کے سڑوں پر بچھا دئے گئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا، اور جمعہ اور خطبہ میں شرکت کی، بہت سے مندر اور گرجے گرائے گئے، اور ان پر جزیہ مقرر کیا بغداد اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کی گئیں اور انصاف کیا گیا، لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھ میں تسبیحیں اور ہیکل (۶) دیکھے اور اللہ کے فضل و احسان کا شکر ادا کیا۔“

”آرنلڈ لکھتا ہے کہ ۱۳۰۵ء میں غازان کا بھائی سلطان بن محمد خدا بندہ کے نام سے تخت ایران پر بیٹھا اس سلطان کی ماں عیسائی تھی اور بچپن میں اس کی تعلیم و تربیت بھی عیسوی طریقہ سے ہوئی تھی اور نکوس کے نام سے اس نے اصطباغ پایا تھا، لیکن ماں کے مرنے پر وہ اپنی بیوی کے کہنے سے مسلمان ہو گیا، ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ نکوس خان یعنی سلطان خدا بندہ کے مسلمان ہونے سے مغلوں میں بڑا اثر پیدا ہوا، غرض اس زمانہ سے ظہر ایٹمانیہ میں اسلام سب مذہبوں پر غالب آ گیا۔“

اس خاندان کی تیسری شاخ میں جو بلاد متوسطہ پر قابض تھی، اور جس کا بانی چغتائی بن چنگیز خان تھا، اشاعتِ اسلام کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آرنلڈ لکھتا ہے:-

”بلاد متوسطہ میں جو چغتائی ابن چنگیز خان اور اس کی اولاد کے حصہ میں آئے تھے، دعوتِ اسلام کے حالت

لہ آرنلڈ اور دوسرے مورخین اس کو نوروز بیگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ۵۲ البدایہ والنہایہ، ج ۱۳ ص ۳۴

۵۳ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۵۴ ۵۵ دعوتِ اسلام ص ۲۵۴

کاپتہ کم چلتا ہے، اس سلسلہ میں پہلا بادشاہ جس کو نور اسلام کی برکت ملی وہ براق خاں تھا جو چغتائی خاں کا پرپوتا تھا، اور جس نے تخت نشین ہونے کے دو برس کے بعد مسلمان ہو کر سلطان غیاث الدین (۱۳۶۶ء-۱۳۷۰ء) اپنا نام رکھا، لیکن یہاں شروع ناز میں اسلام کی ترقی زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکی، چونکہ براق خاں کے مرنے کے بعد جو مغل مسلمان ہوئے تھے، انھوں نے پھر اپنا قدیم مذہب اختیار کیا، اور چودھویں صدی عیسوی سے پہلے اس حالت کی اصلاح نہ ہو سکی، البتہ طر مشرین خاں جس نے ۱۳۲۲ء سے ۱۳۳۰ء تک سلطنت کی، جس وقت مسلمان ہوا، تو چغتائیہ مغلوں نے بالعموم اسلام اختیار کر لیا، اور جب ایک فوج انھوں نے اپنے بادشاہ کی طرح اسلام قبول کر لیا تو وہ مضبوط دل سے اس مذہب پر قائم رہے، لیکن اس سال میں بھی اسلام کا اور نڈھوں پر غالب آنا جو حریف مقابل تھے، یعنی امر نہ تھا، کیونکہ طر مشرین کے جانشینوں نے مسلمانوں کے اوپر ظلم و ستم کرنے شروع کر دیئے، اور جب تک کاشغر کا بادشاہ جس کی ریاست چغتائیہ سلطنت کی تقسیم و ضعف سے خود مختار ہو گئی تھی، اسلام کی حمایت کو نہ اٹھا، اس وقت تک اسلام کی ترقی ممکن نہ ہوئی، سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کا نام تغلق تیمور خاں (۱۳۶۳ء-۱۳۷۰ء) تھا، لکھا ہے کہ بخارا سے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کاشغر میں آئے، اور انھوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا، شیخ جمال الدین اور ان کے ساتھی سفر میں تھے کہ نادانستہ تغلق کی شکاری زمین پر سے ان کا گذر ہوا، بادشاہ نے اس تصور میں ان سب لوگوں کی مشکلیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا، اور نہایت خصہ کی حالت میں ان سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری زمین پر بے اجازت داخل ہوئے، شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہ تھی کہ ہم ایسی زمین پر چل رہے ہیں جس پر چلنے کی ممانعت بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اس نے کہا کہ ایرانی سے تو کتا بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا کہ سچ ہے، اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا تو فی الحقیقت ہم کتے سے بھی بدتر تھے، یہ جواب سن کر تغلق تیمور حیران رہ گیا، اور

حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو یہ ایرانی ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور بادشاہ نے شیخ جمال الدین کو علیحدہ لے جا کر کہا کہ جو کچھ تم اس وقت کہتے تھے اس کو اب بجاؤ اور دین برحق سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ میں کہ شیخ نے اسلام کے احکام اور ارکان کو ایسے جوش سے بیان کیا کہ تغلق تیمور کا دل جو پہلے پتھر تھا اب ہوم کی طرح نرم ہو گیا، شیخ نے حالت کفر کا ایسا ہیبت نکتہ کھینچا کہ بادشاہ کو اپنی غلطیوں کے اب تک بے بصیرت رہنے کا یقین ہو گیا، لیکن اس نے کہا کہ اگر اس وقت میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کروں گا، تو پھر رعایا کو راہ راست پر نہ لاسکوں گا، اس لئے کچھ عرصہ کے لئے تم سکوت کرو، جب میں اپنے باپ کے تخت اور ملک کا مالک ہوں تو اس وقت تم میرے پاس آنا چھوڑنا، سلطنت اب حصہ ہو کر چھوٹی چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور برسوں کے بعد تغلق تیمور اس قابل ہو گا کہ ان سب عملداریوں کو شامل کر کے پھر قلم و چھتائی کی مثل ایک سلطنت قائم کر دے، اس عرصہ میں شیخ جمال الدین اپنے وطن کو چلے گئے، اور یہاں سخت بیمار پڑے، جب موت کا وقت قریب آیا، تو اپنے بیٹے رشید الدین سے کہا کہ تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہو گا، تم اس وقت اس کے پاس جانا، اور میرا سلام پہنچا کر بے خوف و خطر بادشاہ کو یاد دلانا کہ اس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا، چند سال کے بعد تغلق نے باپ کا تخت حاصل کر لیا تو ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہنچا کہ باپ کی وصیت کو پوری کرے، لیکن باوجود کوشش کے اس کو خان کے دربار میں حضور نہ ہوا، آخر کار اس نے مجھ کو یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصباح تغلق کے خیمہ کے قریب ذرا کہنی شروع کی، تغلق کی جب غیند خراب ہوئی تو غصہ ہوا، اس نے رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا، رشید الدین آیا اور اپنے باپ کا پیغام تغلق کو سنایا، تغلق کو پہلے ہی سے اپنے وعدہ کا خیال تھا، وہ کلہ پڑھ کر مسلمان ہوا، اس کے بعد اس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی، اور اس کے زمانہ میں ان تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہو گیا، جو چغتائی، ابن چنگیز خاں کی اولاد کے تسلط میں رہتے تھے۔

بعض ترک مورخین کی تاریخوں میں یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ تغلق تیمور نے اپنے شکاری

کی طرف اشارہ کر کے کمال حقارت سے شیخ جمال الدین سے پوچھا کہ یہ بہتر ہے کہ تم بہتر ہو؛ شیخ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ اگر میں دنیا سے ایمان کے ساتھ چلا گیا تو میں بہتر ہوں ورنہ یہ کتنا تعلق تیمور کے دل میں یہ بات چھب گئی، اور اس نے اس کی تفصیل دریافت کی اور پوچھا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ شیخ نے ایمان کی حقیقت بیان کی، اس پر تعلق تیمور نے اس سے خواہش کی کہ اس کی تخت نشینی کے بعد وہ اس کو اپنی زیارت سے مشرف کریں، اور پھر وہ واقعہ پیش آیا، جو اوپر مذکور ہوا، بہر حال اتنا محقق ہے کہ تعلق تیمور کے اسلام لانے، اور بابا اسطہ کا شجر اور سلطنت چغتائیہ میں اسلام کی اشاعت کا ظاہری سبب شیخ جمال الدین ہیں، حتیٰ کہ دل سے نکلے ہوئے ایک فقرہ نے اور ان کی قوت ایمانی اور اخلاص و درو نے وہ کام کیا، جو ہزاروں تقریریں اور لاکھوں شمشیریں نہیں کر سکتیں "جَزَاءُ اللّٰهِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَنَبِيِّهِ خَيْرٌ مِنَ الْجَزَاءِ"۔

چنگیز خاں کی چوتھی شاخ کے متعلق (جس کا بانی اوگتائی خاں تھا، اور جس میں منگو خاں ورتو بلانی خاں جیسے نامور فرمانروا گزے ہیں، اور جو تاتاری سلطنتِ عظمیٰ کے مشرقی حصہ پر قابض تھی) آرنلڈ لکھتا ہے:-

تمام سلطنت مغلیہ میں ہر جگہ ایسے مسلمان موجود تھے جو منکرین کو خفیہ طور پر مسلمان کر لیتے تھے، اوگتائی خاں (۱۲۲۹ء-۱۲۲۷ء) کے عہد میں حاکم ایران کرگز نامی کا حال لکھا ہے کہ وہ اول بدھ مذہب کا پیرو تھا، پھر اس نے یہ مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا، تیمور خاں کے زمانہ میں (۱۳۷۰ء-۱۳۷۱ء) خان اندانے جو تو بلانی خاں کا پوتا تھا، اور چین میں صوبہ کانسوہ کا حاکم تھا، اسلام قبول کیا، اور تاگوت میں اس نے بہت لوگوں کو مسلمان کیا، بلکہ جو فتح اس کے تخت میں تھی، اس کے بھی اکثر لوگ مسلمان ہو گئے، تیمور خاں نے اندا خاں کو اپنے دربار میں بلایا اور کوشش کی کہ اندا خاں اسلام چھوڑ کر بدھ مذہب قبول کرے، لیکن اس نے انکار کیا اور قید میں بھیج دیا گیا، تھوڑے عرصہ کے بعد اندا خاں قید سے رہا کر دیا گیا، کیونکہ تاگوت کی رعایا جس کو اپنے حاکم کے ساتھ بہت الفت تھی، بغاوت پر آمادہ ہو چکی تھی۔

غرض اس طرح پوری تاتاری قوم جس نے پورے عالم اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا تھا، اور جس کی
 سامنے کوئی اسلامی طاقت ٹھہر نہیں سکتی تھی، چند برس کے عرصہ میں اسلام کی حلقہ بگوش بن گئی، اور اسلام
 نے دوبارہ اس کا ثبوت دیا کہ اس کو اپنے دشمنوں کو تسخیر اور اپنے دام محبت میں اسیر کرنے کی عجیب و غریب
 قدرت حاصل ہے، تاتاری نہ صرف مسلمان ہوئے، بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد ٹپے ٹپے عالم اور فقیہ اور بڑے
 بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے، اور انھوں نے بہت سے نازک موقعوں پر اسلام کی پاسبانی کا فرض
 بھی انجام دیا۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
 پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے



مولانا جلال الدین رومیؒ

علم کلام و عقلیت کا بحران

ساتویں صدی میں سارا عالم اسلام علم کلام کے مسائل و مباحث سے گونج رہا تھا، جو شخص علم کلام ان اصطلاحات اور معتزلہ و اشاعرہ پھر اشاعرہ و حنابلہ کے مختلف ذمہ مسائل سے واقف نہیں ہوتا تھا، وہ پچھا لکھا انسان نہیں سمجھا جاتا تھا، اسی صدی کی ابتدا میں (۱۰۰۰ء میں) امام رازی نے انتقال کیا تھا، شیخوں نے علم کلام کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا تھا کہ اس کی صدائے بازگشت کے علاوہ کوئی آواز سننے میں نہیں آتی تھی، عالم اسلام کے علمی و فکری حلقے استدلال و قیاس کے خوگر تھے، کسی شے کا وجود، کسی چیز کی حقیقت، دین کا کوئی عقیدہ اس وقت تک قابل تسلیم نہیں سمجھا جاتا تھا، جب تک کہ اس کو عقلی دلائل، منطقی ترتیب اور فلسفیانہ مقدمات سے ثابت نہ کر دیا جاتا۔

متکلمین اشاعرہ نے عام زندگی میں اگرچہ معتزلہ اور فلاسفہ پر فتح حاصل کر لی تھی، اور ان کے علم کلام کے مقابلہ میں اعتزال و فلسفہ کی آواز پست ہو چکی تھی، لیکن اعتزال کی روح اور عقلیت خود پینے پاتھن کو مفتوح بنا چکی تھی، اشاعرہ کے علم کلام میں معتزلہ کی عقلیت پرستی کی روح سرایت گئی تھی، انھوں نے بھی عقل کو اتنی وسعت دے دی تھی کہ وہ ذات و صفات کے نازک اور اورائے عقل (انہ کہ مخالف عقل) مسائل و تفصیلات میں آزادانہ بحث کر سکے، انھوں نے بھی ظواہر و محسوسات کو بڑی حد تک

فیصل کن سمجھ لیا تھا، انھوں نے بھی دینی مسائل کے اثبات اور حقائق اشیاء کے وجود کی بنیاد استدلال و قیاس پر رکھی تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ تمام عالم اسلام پر ایک لفظی و استدلالی ذوق غالب تھا، علم کلام نقل و نقل ہو کر رہ گیا تھا، جس میں عرصہ سے کوئی جدت پیدا نہیں کی جاسکتی تھی، اس کے حلقہ میں مدتہائے دراز سے امام ابو الحسن اشعری یا حجت الاسلام غزالی صاحب تہذیب و ذہن و طباع پیدا نہیں ہوئے، قیاس و استدلال کے غلو نے دماغوں کو خواہ کتنی بولانی بخشی ہو، دلوں کی حرارت اور یقین کی روشنی کو نقصان پہنچایا تھا، شکلیں نے اپنی قوت استدلال اور مقدمات و نتائج کی آراستگی سے معترضین کی زبانوں کو خاموش کر دیا تھا، لیکن وہ قلوب کو سکینت و ایمان و اہل شک و ارتیاب کو یقین و اذعان عطا کرنے میں ناکام رہے تھے، ان کے اس طریق بحث و استدلال نے دماغوں اور دلوں میں بیسیوں گرمیوں ڈال دی تھیں، جن کو علم کلام سلجھانے سے قاصر تھا، وجدان جو علم و یقین کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے، علم کلام کی مسلسل بے اعتنائیوں بلکہ تحقیر کی وجہ سے بالکل معطل ہوتا جا رہا تھا، ظاہری جو اس خمسہ کے علاوہ کسی اور باطنی حاشہ کا وجود تسلیم نہیں کیا جا رہا تھا، اس لئے بہت سے وہ مسائل و حقائق جو حاشہ باطنی کے بغیر محسوس و معلوم نہیں کئے جاسکتے تھے، محل اعتراض بنے ہوئے تھے، اور ان کے انکار و نفی کا رجحان پیدا ہوتا جا رہا تھا، غرض سارا عالم ایک کلامی بحران میں مبتلا تھا، اور سب پر ایک "عقلی ظاہریت" چھائی ہوئی تھی، امت کی قوت عمل او اس سے بڑھ کر "حرارت عشق" جو اس امت کا سرمایہ، اس کی طاقت کا سرچشمہ اور نبوت کا فیضان ہے، سرد ہوتی جا رہی تھی، دل سوز سے خالی اور "حرارت عشق" سے عاری ہوتے جا رہے تھے، فلسفیانہ مباحث اور علم کلام کی معرکہ آرائیوں نے عالم اسلام کو ایک مدرسہ میں تبدیل کر دیا تھا، جس میں قبل و قال تو بہت تھی، مگر "زندگی" اور محبت، معرفت، اور نگاہ نایاب تھی، اہل قلوب کے روحانی جزیروں میں البتہ عشق کا سرور اور یقین کا نور پایا جاتا تھا، ورنہ عالم کا عالم الفاظ کے طلسم کا گرفتار اور ظواہر و محسوسات کا پرستار تھا۔

صاحبِ دل متکلم کی ضرورت

ایسی حالت میں عالمِ اسلام کو ایک ایسی بلند اور طاقت ور شخصیت کی ضرورت تھی جو دل دردمند اور فکر از جنبدونوں سے فیضیاب ہو جس کے لئے عقلیات کا سمندر پایاب ہو چکا ہو اور الفاظ و ظواہر کا ظلم ٹوٹ چکا ہو جو اپنی گرمی عشق اور سوزِ دروں سے اس یخ بستہ عالمِ اسلام میں زندگی کی نئی تڑپ پیدا کر دے اور عقل کے اس نگارخانہ میں عشق کا صور پھونک دے جو ایک ایسے نئے علمِ کلام کی بنیاد رکھے جو دماغوں سے زور آزمائی اور مخالفتین کی زبان بندی کے بجائے دماغ کی شکن دور کر دے اور دل کی گرہ کھولے اور ان کو سکینت و ایمان اور یقین و اطمینان سے بھر دے، یہ شخصیت مولانا جلال الدین رومیؒ (م ۶۷۲ھ) کی تھی جن کی ثنوی علمِ کلام کی بے اعتدالیوں اور عقل کی ہوس پرستی کے خلاف ایک صدائے احتجاج بلکہ اعلانِ جنگ ہے اور ایک ایسے نئے علمِ کلام کی بنیاد جس کی بدلتے ہوئے عالمِ اسلام کو سخت ضرورت تھی۔

مختصر حالات

مؤلف "مرآة المثنوی" نے اپنی (غیر مطبوعہ) تصنیف "صاحب المثنوی" میں مولانا کے حالات نہایت تفصیل و تحقیق سے لکھے ہیں یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

یہ قاضی تکر حسین گورکھپوری مرحوم اس دورِ آخر میں ثنوی اور صاحبِ ثنوی کے بہت بڑے شیدائی اور محقق عالم تھے ان کی کتاب "مرآة المثنوی" سے متعلق طریقہ میں اپنا جوا نہیں رکھتی، "مرآة المثنوی" کے علاوہ (جو طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہے) ان کی دو اور مختصر تصانیف ہیں جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں۔ (۱) صاحب المثنوی (۲) نقد المثنوی۔ ان دو کتابوں کی اشاعت ادبیاتِ رومی میں ایک گراں قدر اضافہ اور ایک بڑی خدمت ہوگی، صاحب المثنوی دارالمنہجین میں زیر طبع ہے، راقم سطور کو ان کے صاحبزادہ مولانا تکر حسین کی عنایت سے اس پیش بہا کتاب سے استفادہ و اقتباس کا موقع ملا، جزاء الشکر۔

خاندان اور والدین

محمد نام، لقب جلال الدین، شہرت مولانا روم یا مولانا رومی کے لقب سے ہے، آپ کا نسب باپ کی جانب سے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مل جاتا ہے، اور ماں کی جانب سے حضرت علیؓ کے شہدہ سے۔
مولانا کے آباؤ اجداد کرام بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے، مولانا کی وہیں پیدائش ہوئی مولانا کے پدری و مادری سلسلہ میں اجلہ علماء اور سلاطین وقت ہیں، مولانا کی دادی ملکہ جہان شاہان خوارزم کے خاندان سے تھیں۔

مولانا کے والد کا نام محمد اور لقب بہار الدین ولد تھا، ان کی ولادت غائباً ۵۴۳ھ میں ہوئی حضرت بہار الدین ولد نو عمری ہی میں تمام علوم میں کامل و ماہر ہو گئے تھے، آپ کے علم و فضل کی کیفیت یہی کہ اقصائے خراسان سے مشکل فتاویٰ آپ ہی کے پاس آتے تھے، مجلس کا طریق بادشاہوں کا ساتھ، سلطان العلماء خطاب بھی تھا، معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک درس عام ہوتا، ظہر کے بعد اپنے خاص اصحاب کے حلقہ میں حقائق و مسائل بیان فرماتے، دو شنبہ اور جمعہ کو عام وعظ کہتے، ہیبت نمایاں رہتی اور ہمیشہ متفکر معلوم ہوتے۔

مولانا کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم

آپ کے صاحبزادہ مولانا جلال الدین رومی ۶ ربیع الاول ۶۰۳ھ کو پیدا ہوئے، سلطان العلماء کے مریدان خاص میں ایک بلند پایہ بزرگ سید برہان الدین محقق ترمذی تھے، سلطان العلماء نے آپ ہی کو مولانا کا اتالیق مقرر فرمایا، اور ۴۔۵ سال کی عمر تک مولانا آپ ہی کے زیر تربیت رہے، اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ ہی کے زیر ہدایت منازل سلوک طے کئے۔

لے حال واقع ملک افغانستان۔ (ندوی)

والد کی بلخ سے ہجرت

مولانا کے والد ماجد کا اثر جب زیادہ بڑھا، اور آپ کی دعوت و نصیحت کو حد سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا، اور مریدوں کی تعداد بے شمار ہو گئی تو بعض علماء عصر کو رشک ہونے لگا، حضرت سلطان العلماء اپنے وعظ میں مذہب حکمائے یونان کی مذمت فرمایا کرتے کہ کچھ لوگوں نے کتبِ آسمانی کو پس پشت ڈال رکھا ہے، اور فلسفیوں کے ازکار رفتہ اقوال کو اپنا مسلک بنایا ہے، یہ لوگ کیوں کر نجات کی امید کر سکتے ہیں اس پر ملاذمت سے علماء ظاہر کے دلوں میں آپ کی طرف سے کدورت بیٹھ گئی، مگر چونکہ خوارزم شاہ آپ کا نہایت معقد تھا، ان لوگوں کو شکایت کا موقع نہیں ملتا تھا، اتفاق کہ ایک روز سلطان آپ کی زیارت کو آیا تو دیکھا کہ مجمع نہایت کثیر ہے، ایک عالم سے جو کاب شاہی میں تھے، مخاطب ہو کر کہا کہ کتنا کثیر مجمع ہے، فاضل مذکور کو موقع ملا، اور کہا کہ اگر اس کی تدبیر نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ انتظام سلطنت میں خلل واقع ہو، اور تدارک مشکل ہو جائے، یہ بات خوارزم شاہ کے دل میں بیٹھ گئی، اس نے پوچھا کہ کیا تدبیر کرنا چاہئے، فاضل مذکور نے

لے عام طور پر تذکروں میں ہے کہ یہ مکالمہ امام فخر الدین رازی سے ہوا جو سلطان کے ساتھ تھے، مصنف صاحب المثنوی کی تحقیق ہے کہ یہ ایک تاریخی غلطی ہے، جو متقول علی آری ہے، اس لئے کہ حضرت بہار الدین ولد نے بلخ کو ۶۰۹ھ یا ۶۱۰ھ میں ترک کیا ہے، امام رازی نے ۶۰۶ھ میں اپنے وطن ہرات میں انتقال کیا، جہاں انھوں نے اپنے انتقال سے کئی سال پیشتر سے مستقل قیام اختیار کر لیا تھا۔ مولانا روم کے فاضل سوانح نگار بدیع الزماں فرودالفرجین کی تحقیق کتاب زندگانی و مولانا جلال الدین محمد اجمی ایران سے شائع ہو کر آئی ہے، کی بھی یہی تحقیق ہے کہ یہ روایت تاریخی حقیقت سے ناقابل اعتبار ہے، اور ان کی بنیاد بھی یہی ہے کہ بہار الدین ولد کی ہجرت بقول اکثر ۶۱۰ھ کا واقعہ ہے، اور امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ میں ہرات میں انتقال کر چکے تھے۔ لفظ ہو ص ۱۲۰۔

قاضی تلمذ حسین مرحوم فرماتے ہیں، ممکن ہے یہ عالم سید بہار الدین رازی ہوں، جو خوارزم شاہ کے مقربین میں تھے، اور

طبقاتِ ناصری ص ۲۳۵ میں ان کا ذکر آتا ہے۔ (ہندی)

یہ صلاح دی کہ خزانہ اور قلعوں کی کنجیاں مولانا کے پاس بھیج کر یہ کہلانا چاہئے کہ جمعیت و کثرت تو سب کچھ جناب کو حاصل ہے ہی میرے پاس امور سلطنت میں سے صرف کنجیاں رہ گئی ہیں، وہ بھی حاضر ہیں۔ اس پیغام کو سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ سلطان اسلام سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اس ملک فنا کا یہ تمام خزانہ و دقینہ ملک و لشکر بادشاہوں کے لائق ہے، ہم درویشوں کو اس سے کیا سروکار؟ میں نہایت خوشی سے سفر کرتا ہوں کہ بادشاہ اپنے اتباع و اجاب کے ساتھ یہاں با استقلال سلطنت کرے، جمہ کو وعظ کہہ کر چلا جاؤں گا۔ اہالی بلخ کو جب یہ حال معلوم ہوا، شہر میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا، خوارزم شاہ سخت متوہم ہوا، قاصد بھیجے، اور رات کو خود مع وزیر کے آیا کہ ارادہ سفر سے باز رہئے، مگر آپ نے قبول نہ کیا، آخر یہ استدعا کی کہ آپ اس طرح روانہ ہوں کہ لوگوں کو خبر نہ ہو، ورنہ سخت فتنہ برپا ہو جائے گا، مولانا نے اس کو منظور فرمایا، جمہ کو وعظ کہا، اور شنبہ کو بلخ سے بغداد کی طرف روانہ ہو گئے، اس وعظ میں خوارزم شاہ کو متنبہ کر دیا کہ میرے بعد لشکر تاتار آ رہا ہے۔

سلطان العلماء بلخ سے اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ جس شہر کے قریب پہنچتے تھے، وہاں کے علماء و علماء شہر سے باہر نکل کر استقبال کرتے اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتے تھے۔ بغداد کو معظمہ، دمشق اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے آپ ملاطیہ پہنچے، آقشہر میں اپنے چار سال قیام فرمایا، اور درس و تدریس میں مشغول رہے، آقشہر سے لارندہ تشریف لائے، جو توابع قونیہ سے تھا۔

مولانا قونیہ میں

علاء الدین کیتباد سلطان روم کی خواہش و درخواست پر آپ ۷۶۲ھ میں قونیہ تشریف لے گئے،

لے بدیع الزماں فرزند انفرکار بجان یہ ہے کہ بہار الدین ولد کی ہجرت کا اصل سبب تاتاریوں کا عزم خراسان ایران تھا، اس اطلاع سے بڑے بڑے خاندان شرفاء و علماء ترک من کر رہے تھے اور محفوظ مقامات کی طرف رخت سفر باندھ رہے تھے، ملاحظہ ہو۔ ۱۵۱ (ندوی)

سلطان نے خود استقبال کیا، محل کے قریب گھوڑے سے اتر پڑا، اور بڑی فروتنی کا اظہار کیا، آپ نے مدرسہ قونیہ میں قیام فرمایا، سلطان مع اکثر امراء کے مرید ہو گیا۔

حضرت بہاء الدین ولد نے قونیہ میں دو برس قیام کے بعد ۶۲۸ھ میں انتقال فرمایا۔

اس تمام مدت میں مولانا ہمیشہ اپنے والد کے ہمراہ رہے اور علوم ظاہری و باطنی آپ سے حاصل کرتے

رہے ۲۲ برس کے سن میں آپ شہر (قونیہ) میں وارد ہوئے جو آئندہ آپ کا مسکن و مدفن بننے والا تھا۔

قونیہ میں سلطان کے اتالیق امیر بدر الدین گہر تاش نے آپ کے تبحر علمی اور خداداد ذہانت سے متاثر

ہو کر آپ کے لئے مدرسہ خداداد تعمیر کیا، اور اس کے لئے بہت بڑا وقف کیا۔

سلطان علاء الدین کی قیاد آپ کی بڑی تعظیم کرتا تھا، اور آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، سلطان

نے جب قونیہ کا قلعہ تیار کیا تو ایک روز آپ سے سیر کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ دفع سیل و منح خیل کے

لئے اچھا ہے، مگر مظلوموں کی تیر دعا کا کیا علاج آپ نے سوچا ہے، جو ہزاروں لاکھوں بروجوں سے گذر جاتی،

اور عالم کو خراب کر دیتی ہے، عدل و انصاف کا قلعہ بنائیے کہ اس میں دنیا کا امن اور عافیت کی خیر ہے،

سلطان پر اس نصیحت کا بڑا اثر ہوا۔

مولانا بہاء الدین ولد کے انتقال کے بعد سلطان وقت اور علماء و اکابر کے اتفاق رائے سے

آپ مولانا کے جانشین ہوئے اور آپ نے سلسلہ درس و تدریس اور تلقین و ارشاد کو بدستور جاری رکھا یہ

برہان الدین محقق ترمذی جو آپ کے اتالیق رہ چکے تھے اور ترمذ کو چلے گئے تھے، مولانا بہاء الدین ولد کے

انتقال کے بعد قونیہ تشریف لائے، مولانا آپ کے مرید ہو گئے، اور اپنے والد ماجد کے بعد مراتب سلوک آپ ہی

سے ملے، ۹ برس مولانا کی آپ سے صحبت رہی، ۶۳۶ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔

آپ کے تعلیمی سفر اور مشاغل

۶۳۰ھ میں مولانا نے مزید تکمیل علوم و اکتساب فیض کے لئے شام کا سفر کیا، اور حلب میں وارد ہوئے،

سلطان صلاح الدین کے فرزند الملک مظاہر نے قاضی بہاء الدین ابن شداد کی تحریک سے جو اہل علم میں سے تھے، ۵۹۱ھ میں متعدد بڑے بڑے مدد سے قائم کئے تھے، جس کی وجہ سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا تھا۔

حلب میں مولانا مدرسہ علاویہ میں قیام پذیر ہوئے اور کمال الدین ابن الحدیم سے استفادہ کیا مولانا یہاں اگرچہ تحصیل علم میں مشغول تھے، مگر آپ کے کمال کا یہ حال تھا کہ بقول پہ سالار جو مشکل مسائل کسی سے حل نہ ہوتے تھے، وہ آپ ہی حل کرتے تھے اور ایسے وجوہ بیان کرتے تھے، جو کسی کتاب میں درج نہ ہوتے۔

حلب سے مولانا دمشق تشریف لے گئے، یہاں آپ نے مدرسہ مقدسیہ میں قیام فرمایا، دمشق اس وقت مجمع علماء تھا، پہ سالار نے لکھا ہے کہ دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رمی، شیخ ابو صد الدین کرمانی، شیخ صدر الدین قنوی سے مولانا کی صحبت رہا کرتی، اور باہم دگر حقائق و معارف بیان ہوتے تھے۔

۶۳۴ھ یا ۶۳۵ھ میں آپ نے دمشق سے واپس آ کر قونیہ میں مستقل قیام اختیار کیا، سید بہان الدین کے انتقال (۶۳۷ھ) کے بعد ۵ سال تک آپ علماء ظاہر کے لباس میں رہے، اور علمی و تدریسی مشاغل میں ہمہ تن منہمک رہے، ۶۳۸ھ میں شیخ محی الدین ابن عربی نے انتقال کیا، جو بزم علم آپ کے گرد جمع تھی اس کے اکثر افراد قونیہ میں آگئے، جن میں شیخ صدر الدین بھی تھے، مشرق کی طرف سے جو علماء و فضلاء وہاں کی تباہیوں سے پریشان ہو کر روم کا رخ کرتے تھے، وہ بھی اکثر قونیہ کو اپنا لجاوا و ماویٰ بناتے، اس طرح قونیہ اس زمانہ میں مدینۃ العلماء بن گیا، اور ان علماء میں مولانا کی حیثیت سب سے بلند تھی، اس زمانہ میں مولانا کے وہی اشغال تھے، جو علماء ظاہر کے ہوتے ہیں، یعنی درس و تدریس، وعظ و تذکیر اور فتاویٰ نویسی، مولانا بہت زیادہ وقت مشغول تدریس میں صرف کرتے، خود آپ کے مدرسہ میں چار سو سے زیادہ طلبہ تھے۔

درس و تدریس کے علاوہ مولانا کا دوسرا مشغول یا فرض وعظ کہنا تھا، فتویٰ نویسی کا مشغول بھی مستقل

تھا، بیت المال سے مولانا کے لئے ایک دینار مقرر تھا، اسے اسی فتویٰ نویسی کا معاوضہ تصور فرماتے تھے اور اس معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ جب فقر کا رنگ غالب ہوا، اور مجلس میں مستغرق رہنے لگے اس وقت بھی حکم تھا کہ جس وقت کوئی فتویٰ آئے فوراً خبر کی جائے، قلم و دوات ہمہ وقت ساتھ رہتا تھا۔

انقلابِ حال

یہ حالت ۱۸۶۲ء تک قائم رہی اس کے بعد مولانا کی زندگی میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے زندگی میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا، اور مولوی جلال الدین قزوئی کو مشہور روزگار مولانا کے روم بنا دیا، یہ واقعہ مولانا کی شمس تبریزی سے ملاقات اور ان کی ذات سے شغفگی و قنایت تھی۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد

شمس تبریزی

(محمد بن علی بن ملک داد) شمس تبریزی کا نسب اور وطن کیا تھا؟ آپ کے مخالفین نے جہاں اور الزامات آپ پر لگائے تھے، وہاں ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ کا نسب نامہ معلوم ہے۔

نے درو اصل و نے نسب پیدا است می نہ دانیم ہم کہ اوز کجا است

آپ بچپن سے اعلیٰ استعداد اور جذبہ عشق و محبت کے حامل تھے، مناقب العارفین میں خود آپ ہی کی زبانی منقول ہے کہ ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں

لے بعض تاریخوں میں ہے کہ آپ بن صباح اسماعیلی کے جانشین و رفیق و طریق کیا بزرگ امیکا نسل سے تھے ان کے والد جلال الدین حسن جب منصب امامت پر فائز ہوئے تو انھوں نے اپنے بزرگوں کا طریقہ ترک کر کے صحیح اسلامی عقائد اختیار کئے، اور زوسل

کے لقب سے مشہور ہوئے، لیکن یہ روایات مشتبہ اور قابل بحث ہیں، ملاحظہ ہو زندگانی مولانا جلال الدین محمد ۱۵۲، ۱۵۳ (ہندی)

تیس تیس چالیس چالیس روز تک آپ کو غذا کی خواہش نہیں ہوتی تھی، علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ شیخ ابو بکر سلیمان کے مرید ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ زین الدین نجاشی کے مرید تھے، بعض روایتوں میں دوسرے نام لئے گئے ہیں، ممکن ہے آپ نے سب سے اکتساب فیض کیا ہو۔

جب آپ کو اس طرح سیری نہ ہوئی تو آپ اطراف عالم میں مردانِ خدا کی تلاش میں پھرنے لگے، یہ سفر اس طرح کرتے تھے کہ خود آپ کی ولایت و کمال سے لوگ آگاہ نہیں ہوتے تھے، ندیاہ پہنتے، اور جہاں جاتے سرانے میں قیام کرتے، دروازہ میں قیمتی قفل لگا دیتے کہ لوگ سمجھیں کہ کوئی بڑا تاجو ہے، مگر اندر سوائے پوریہ کے کچھ نہ ہوتا، کثرتِ اسفار کی وجہ سے لوگ آپ کو شمس پرندہ کہنے لگے تھے، تبریز، بغداد، اردن، الروم، قیصریہ و دمشق کا سفر فرمایا، معاش کا یہ طریقہ تھا کہ ازار بند بن لیا کرتے، اور اسی کو بیچ کر کام چلاتے تھے، غذا کی کیفیت یہ تھی کہ دمشق میں ایک برس رہے، ہفتہ میں ایک پیالہ سری کا شوربا اور وہ بھی بے روغن پی لیا کرتے، کسی کو اپنی صحبت کا متحمل نہیں پاتے تھے، اکثر یہ دعا فرماتے کہ خدا یا کوئی رفیق ایسا عطا کر جو میری صحبت کا متحمل ہو۔

مولانا کی ملاقات اور تغیر عظیم

آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا کہ روم جاؤ، وہاں ایک ل سوختہ ہے، اسے روشن کر آؤ، دو شنبہ ۲۶ جمادی الاخریٰ ۶۳۲ھ کو قونیہ پہنچے اور شکر فرودشوں کے محلہ میں قیام فرمایا، ایک روز دیکھا کہ مولانا سوا چلے آ رہے ہیں، اور لوگ گرد و پیش استفادہ کر رہے ہیں، شمس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ ریاضات و علوم کی غرض کیا ہے؟ مولانا نے کہا آداب و شریعت کا جاننا، شمس نے کہا نہیں، غرض یہ ہے کہ معلوم تک رسالی ہو جائے اور حکیم ستانی کا یہ شعر پڑھا ہے

لہ بدیع الزمان فروزانفر نے بجائے زین الدین نجاشی کے رکن الدین نجاشی لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ نجاشی زنجان کے توالیہ میں سے ہے، ص ۵۵، لیکن تاریخی حیثیت سے ان کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے، (مدوی)

علم کر تو ترانہ بستاند جہل ازاں علم بہ بود بسیار

مولانا اس سے تغیر و متغیر ہوئے، اور تیر نشانہ پر بیٹھا۔

مولانا حضرت شمس کو ہمراہ لے کر اپنے مقام پر آئے، اور بقول افلاک چالیس روز تک حضرت شمس کے ساتھ ایک حجرہ میں رہے، جس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا، یہ سالار نے لکھا ہے کہ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں دونوں بزرگ عزت نشین رہے، سوائے شیخ صلاح الدین کے کسی کی مجال نہ تھی کہ حجرہ میں داخل ہو سکے۔

شمس کی ملاقات نے مولانا کو نئی روح اور حقائق و مذاواق کی نئی دنیا عطا کی وہ خود فرماتے ہیں۔

شمس تبریزی بارہ حقیقت بنمود ماز فیض قدم اوست کہ ایماں داریم

ابھی تک مولانا اتنا سادہ و سادہ تھے، اور خود صاحب سجادہ تھے، اور علماء و طلبہ و صوفیہ مستفید طالب

اب مولانا مستفید طالب تھے، اور شمس تبریز صاحب فیض و ارشاد، مولانا کے صاحبزادہ سلطان ولد فرماتے ہیں۔

شیخ استاذ گشت نو آموز درس خواندی بخدش ہر روز

گرچہ در علم فقہ کامل بود علم نو بود کو بوسے بہ نمود

خود مولانا اپنی زبان سے فرماتے ہیں۔

زاہد بودم تر نہ گویم کردی سرفتنہ بزم و بادہ جویم کردی

سجادہ نشین باوقار سے بودم بازیچہ کو دکان کویم کردی

نتیجہ یہ ہوا کہ شمس کی ملاقات کے بعد مولانا نے درس و تدریس، وعظ گوئی وغیرہ سب یک قلم

لے صاحب الشنوی کی مختلف روایات میں سے اس روایت کو انتخاب کیا گیا ہے یہ روایت تذکرہ دولت شاہ کی ہے ۱۱۹۶ھ ۱۹۷۷ء

فروزانہ نے اس سلسلہ کی تمام روایات کو نقل کر کے ان سے بے اطمینانی کا اظہار کیا، اور شمس سے مولانا کے تاثر و فریغ کی سبب کسی

امانگ افہ اور تصرف کو قرار نہیں دیا بلکہ مردوں خدا کی تلاش و مشق و اہل مشق سے مولانا کی مناسبت فطری کو قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو زندگانی جلال الدین محمد قلی (اندوی)

تڑک کر دی، خود فرماتے ہیں ۵

عطار دوار دفتر پارہ بودم زدشت او زمانے می نشستم
چو دیدم نوح پیشانی ساقی شدم مست و قلم ہارا شکستم

شورش عام

مولانا جب اس طرح ہربات میں حضرت شمس کی پیروی کرنے لگے اور تمام تعلقات منقطع ہونے لگے، تو یہ امر مولانا کے شاگردوں اور مریدوں پر سخت شاق گذرا، ایک شورش کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ایک برسہا کے ساتھ گونہ حیرت بھی شامل تھی، شمس کے حالات سے لوگ واقف نہ تھے، مریدوں کا خیال تھا کہ ہم نے عمریں مولانا کی خدمت میں گذاریں، مولانا کی کرامتوں کو دیکھا، تمام اطراف و اکناف میں آپ کی شہرت کا باعث ہوئے، اب ایک بے نام و نسب شخص آیا، اور مولانا کو سب سے الگ کر لیا کہ آپ کی صورت تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتی، درس و تدریس و خط سب بند ہو گئے، ضروری کوئی ساہو یا مکار شخص ہے، ورنہ اس کی کیا ہستی ہے کہ ایسے پہاڑ کو تنگ کی طرح پہاڑے جائے۔

غرض سب کے سب شمس کے دشمن ہو گئے، مولانا کے سامنے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، ادھر ادھر مل جاتے تو برا بھلا کہتے، اور رات دن اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے کہ کسی طرح حضرت شمس کو وہاں سے نکالیں کہ پھر حسب سابق مولانا کی صحبت سے فیض یاب ہو سکیں۔

شمس کی غیبت

حضرت شمس الدین ان لوگوں کی گستاخیوں کا تحمل کرتے رہے، اور سمجھتے رہے کہ مولانا کی وفور عقیدت کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح آزرده ہیں، مگر جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا، اور آپ نے سمجھ لیا کہ اب انجام اس کا

مشتہ و فساد پر ہوگا، تو آپ ایک دن خاموشی کے ساتھ تونہ سے نکل گئے، افلاکی نے اس غیبت اول کی تائید روز
 شنبہ ۱۴۳۳ھ دی ہے، اس طرح بار اول تونہ میں آپ کا قیام سوا برس رہا۔
 شمس کی جدائی مولانا پر سخت شاق گذری، مریدوں نے جو کچھ سوچا تھا، اس کے برعکس واقع ہوا، اس کے
 بجائے کہ شمس کے چلے جانے کے بعد مولانا ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، جو کچھ توجہ تھی، وہ بھی جاتی رہی، اور
 ان ناقصوں کی وجہ سے اصحاب صدق و وفا بھی مولانا کی صحبت سے محروم ہو گئے۔

مولانا کی بیقراری اور شمس کی وابستگی

بقول سپہ سالار انقطاع کلی کی یہ حالت اس وقت تک قائم رہی کہ دمشق سے شمس الدین کا خطاچانک
 مولانا کے نام آیا، اس خط کے پانے کے بعد مولانا کی کچھ حالت بدلی، اور شمس کے شوق و عشق میں سماع کی جانب
 متوجہ ہوئے، اور جن لوگوں نے حضرت شمس کے خلاف حرکات میں شرکت نہیں کی تھی، ان پر حسب سابق عنایت
 فرمانے لگے، اس عرصہ میں مولانا نے حضرت شمس کی خدمت میں چار منظوم خطوط لکھے جن میں اپنی کیفیت اور
 اشتیاق ملاقات کی بتائی کا ذکر کیا ہے، پہلے نامہ شوق میں فرماتے ہیں ۵

ایھا النور فی الفواد تعال	غایۃ الوجد والمراد تعال
ایھا السابق الذی سبقت	منک صدوقۃ الوداد تعال
چوں بیانی زہے کشاد و مراد	چوں نیائی زہے کساد تعال
انت کا شمس اذنت و نأت	یا قریباً علی البعاد تعال

اس اشعار میں شورش بہت کچھ فرو ہو گئی، اطمینان ہو جانے کے بعد کہ اب لوگوں نے شمس کی مخالفت
 ترک کر دی ہے، مولانا نے شمس کو واپس بلانے کی تدبیر کی، صاحبزادہ سلطان ولد سے فرمایا کہ تم میری طرف سے
 اس شاہ مقبول کی طرف جاؤ، اور یہ لے جا کر ان کے قدموں پر نثار کرو، اور میری جانب سے کہو کہ جن

مریدوں نے گستاخی کی تھی، وہ سب صدق دل سے توبہ کرتے، اور التجا کرتے ہیں کہ جو خطا ہوئی درگزر فرمائیں اور اس جانب قدم رنجہ فرمائیں ان کے ہاتھ جو نیاز نار بھیجا اس میں اس مفارقت سے اپنی حالت بیان کرتے ہیں

کہ ازاں دم کہ تو سفر کر دی از حلاوت جدا شدیم چو موم
ہم شب چو شمع سے سوزیم ز آتش جفت وز انگبیس محروم
در فراق جسمال تو مارا جسم ویران و جان از ویوں بوم
ہاں عنان را بدیں طرف برتاب زفت کن پیل عیش را خرطوم
بے حضورت سماع نیست حلال ہجو شیطان طرب شدہ مروجم
یک غزل بے تو ایچ گفتہ نشد تا رسید آں مشرفہ مفہوم
پس بذوق سماع نامہ تو غزل پنج و شش بشد منظوم
شام از تو چو صبح روشن باد اے بتو فخر شام وار من و روم
سلطان ولد حضرت شمس کو عزت و احترام شاہانہ کے ساتھ قونیہ لائے۔

شمس کی دوبارہ غیبت

حضرت شمس کے قونیہ پہنچنے پر مولانا کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جن لوگوں سے گستاخیاں سرزد ہوئی تھیں، سب نے آ کر معافی مانگی، ایک مدت تک یہ صحبت بے کدورت اسی طرح برقرار رہی اس اثنا میں شمس کے ساتھ مولانا کا اخلاص و اتحاد پہلے سے زیادہ بڑھتا گیا، مگر اس دورِ خرمی کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ پھر آزر دگی کے اسباب پیدا ہو گئے، حضرت شمس کا قیام مولانا کے تابخانہ کے قریب ہی والان صفا میں ایک طرف تھا، شمس وہاں اپنی اہلیہ کے ساتھ جن سے قونیہ میں عقد ہوا تھا، مقیم تھے، مولانا کے منجھلے صاحبزادہ (چلی علاء الدین) جب مولانا کے گھر جاتے تو اسی طرف سے ہو کر گذرتے، مولانا شمس کے

یہ وہی بات ناگوار ہوتی، کسی مرتبہ شفقانہ طور پر سمجھایا، علاء الدین کو یہ بات شاق گزری، ان کے دل میں کچھ
 اس بات سے بھی کدورت تھی، کہ حضرت شمس الدین سلطان ولد پر زیادہ نظر عنایت رکھتے ہیں، اس کا چرچا
 لوگوں سے بھی کیا، جو لوگ اس قسم کے موقع کے منتظر تھے، انھوں نے اور بھی حاشیے چڑھائے اور کہنے لگے کہ یہ بھی
 خوب ہے، کہ ایک بیگانہ نے آکر مولانا کے مکان پر قبضہ کر لیا ہے اور فرزند کو گھر میں آنے نہیں دیتا۔

حضرت شمس الدین نے محض لطف و حلم کی وجہ سے مولانا سے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا، مگر جب معاملہ
 حد سے گزر گیا تو سلطان ولد سے برسبیل حکایت، یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے حرکات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
 اس مرتبہ میں اس طرح غائب ہوں گا کہ پھر کسی کو پتہ نہ چلے گا، مولانا کی بعض غزلوں سے مترشح ہوتا ہے کہ
 مولانا بھی بالکل اس سے بے خبر نہ تھے، بلکہ ان کو اس کا اندیشہ تھا، اور انھوں نے اشعار میں اس سے
 باز رہنے کی منت سماجت کی ہے۔

بہر حال لوگوں میں حضرت شمس الدین کے خلافت خیالات پھر جوش زن ہو گئے تھے، اور آپ خود ہی
 آزرده خاطر ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دفعتاً غائب ہو گئے۔

ناگہان گم شد از میان ہمہ تارود از دل اندبان ہمہ

مولانا کی بتیابی

مولانا جب صبح کو مدرسہ تشریف لائے، اور شمس کو گھر میں نہ دیکھا تو چیخ اٹھے اور سلطان ولد

لے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قونیہ میں کچھ لوگوں نے حضرت شمس کو قتل کر دیا، اور مولانا نے فرمایا: *يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَلِمُ مَا يُرِيدُ*

لیکن فرزند انفر نے غیبت کی اسی روایت کو ترجیح دی ہے کہ سلطان ولد سب سے قریب تر اور حالہ۔ باخبر تھے ان کی روایت اس

باب میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے، اس لئے شمس کے قتل کی روایت قابل اعتبار نہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر شمس

قتل کر دیئے گئے ہوتے اور مولانا کو اس واقعہ کا علم ہوتا، تو ان کی تلاش میں یہ سرگردانی نہ ہوتی (زندگانی ص ۸۳-۸۴) (ندوی)

کے خلوت خانہ پر جا کر آواز دی، بہاء الدین پرخفتہ؟ برخیز و طلب شیخت کن کہ باز شام جان را از نور

لطف او خالی کی یا بیم؟

دو تین روز ہر طرف جستجو کرتے رہے، مگر کہیں حضرت شمس کا پتہ نہ چلا، اس مرتبہ شمس کی غیبت سے مولانا کا حال پہلے سے بھی زیادہ متئیر ہو گیا۔

شیخ گشت از فراق او بجنون بے سرو پا ز عشق او چو ذوالنون
جو لوگ حضرت شمس کی آزدگی کا باعث ہوئے تھے مولانا نے ان سب کو قطعاً اپنی صحبت سے خارج کر دیا
لیکن سابی کے برخلاف اس مرتبہ اپنے غزل گوئی اور سماع میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کیا یہ ۶۳۵ھ کا واقعہ ہے
حضرت شمس کے غائب ہو جانے کے بعد مولانا نے دود زہر طرف آپ کی تلاش کی، مگر جب کسی طرح آپ کا
کچھ پتہ نہ چلا، تو مولانا کی حالت متئیر ہونا شروع ہوئی، طریقی سماع تو آپ پہلے ہی اختیار کر چکے تھے اب یہ
حالت ہوئی کہ ایک دم سماع کے بغیر نہیں گزرتا تھا، مدرسہ میں ٹھہلا کرتے تھے اور آشکار و نہان شور و فریاد
کرتے تھے تمام شہر میں غلغلہ مچ گیا، اسی زمانہ میں مولانا نے حضرت شمس کے فراق میں بہت کثرت سے اور
نہایت ہی دل دوز غزلیں کہیں، آپ کی درد انگیز فراقیہ غزلیں زیادہ تر اسی زمانہ کی ہیں۔

اس تمام جان گدازی و بے قراری کے باوجود مولانا کے دل سے یہ خیال محو نہ ہو سکا کہ رومیوں کے
خانہ جنگی، مصریوں کی ترک تازی اور تاتاریوں کی تاراجی کے باعث سارا ملک تہ و بالا ہو رہا ہے، معلوم
نہیں، اس عالم آشوب میں حضرت شمس پر کیا گزری؟
شمس الدین کے غائب ہو جانے کے بعد آپ کے اشتیاق میں مولانا کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص
بھوٹوں بھی کہہ دیتا کہ میں نے حضرت شمس کو فلاں جگہ دیکھا ہے تو مولانا باس تک اتار کر اس کی نذر کر دیتے
شکرانہ دیتے، اور بہت کچھ اظہار شکر کرتے۔

سفر شام اور سکونِ خاطر

اسی جوش و خروش کے عالم میں مولانا نے سفر کا ارادہ کیا، اور شام کی طرف روانہ ہو گئے، آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ چل کھڑے ہوئے، اسی طرح دمشق پہنچے، اور وہاں بھی لوگوں کے دلوں میں آتشِ عشق بھڑکا دی، تمام لوگ حیران تھے کہ ایسا عالم و فاضل شخص کیوں اس طرح دیوانہ ہو رہا ہے، شمس تبریزی کیا چیز ہیں، جو کہ ایسا فرد فریدان کے پیچھے یوں مارا مارا پھر رہا ہے، یہ راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جب دمشق میں شمس کا کچھ پتہ نہ چلا، اس وقت مولانا نے فرمایا کہ میں اور شمس دو نہیں ہیں، وہ اگر آفتاب ہیں تو میں ذرہ ہوں، وہ اگر دریا ہیں تو میں قطرہ ہوں، ذرہ کی ہستی آفتاب ہی سے ہے اور قطرہ کی تری دریا ہی سے ہے، بس فرق کیا ہوا، چند روز بعد اپنے شام سے روم کی جانب مراجعت فرمائی۔ چند برس قونیہ میں قیام فرمایا، مگر پھر عشق نے جوش کیا، اور کچھ لوگوں کو لے کر دمشق کی طرف روانہ ہو اور آخر پھر... قونیہ تشریف فرما ہوئے، اور اس مرتبہ یہ خیال لے کر آئے کہ میں خود عین شمس ہوں، شمس کی جستجو کیا تھی، درحقیقت خود اپنی ہی جستجو کر رہا تھا، اس مرتبہ قونیہ اس خیال کے ساتھ واپس آئے کہ شمس میں جو کچھ تھا، وہ خود مجھ میں موجود ہے۔

اس مرتبہ دمشق سے واپس آنے کے بعد مولانا حضرت شمس کے ملنے سے بالکل مایوس ہو گئے تھے، مگر جس کیفیت کو آپ شمس میں ملاحظہ فرماتے تھے، اسے اب خود اپنے میں ملاحظہ فرمانے لگے، سلطان ولد کے الفاظ ہیں کہ اگرچہ مولانا قدس اللہ سرہ شمس الدین تبریزی و اعظم اللہ ذکرہ، بصورت دردِ عشق نیافت یعنی در خود بیافت زیراں حال کہ شمس الدین را بود حضرتش را ہاں حاصل شد:

شیخ صلاح الدین زرکوب

دمشق سے دوسری مرتبہ واپس آنے کے بعد مولانا کچھ دنوں ساکن رہے، اس کے بعد آپ نے شیخ

صلاح الدین کو اپنا ہمراز و خلیفہ بنایا ۶۳۷ھ میں آپ نے ان کو اپنا مجلس خاص بنایا، اور حضرت شمس الدین کے بجائے ان کو اپنا معین و دمساز قرار دیا۔

شہ صلاح الدین زبجد شمس دین گشت اور اندریں درزش معین
حال و قالش از وجودش می فرود سترہائے نادر ازوے می شنود

شیخ صلاح الدین قونیه کے قریب کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، غریب الدین کی اولاد تھے، جو اہی گیری کیا کرتے تھے، خود شیخ صلاح الدین نے زد کو بی کا پیشہ اختیار کیا، ابتدائے حال سے امانت و دیانت میں شہور تھے، سید برہان الدین جب قونیه آئے تو آپ ان کے مرید ہو گئے، اور ان کی نظروں میں اختصاص خاص پیدا کیا، سید کے انتقال کے بعد مولانا سے تجدید بیعت کی، انتقال سے دس برس قبل مولانا سے آپ کو وہ قرب حاصل ہوا، اس دس سالہ مدت میں آپ مولانا کے خلیفہ خاص رہے، شیخ نے یکم محرم ۶۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔

لوگوں میں اس قرب و اختصاص سے پھر شورش پیدا ہوئی، اب لوگوں کو شکوہ تھا، کہ ان سے تو شمس تبریزی ہی بہتر تھے، وہ بہر حال صاحب علم تھے، یہ صاحب توہمیں کہنے والے ہیں، سب جانتے ہیں کہ ایک عامی آدمی میں اگر بحر ورق کوٹتے رہے، اب مولانا کے رفیق بنے ہیں، حیرت ہے کہ مولانا اس رتبہ اور پایہ کے باوجود ایسے شخص کی تعظیم و تکریم میں یہ مبالغہ کرتے ہیں، شیخ نے سنا تو فرمایا کہ لوگوں کو طلال اس کا ہے کہ مولانا نے مجھے سب میں مخصوص کر لیا، مگر اصل بات کو نہیں سمجھتے کہ مولانا خود اپنے پر عاشق ہیں، میں تو محض ایک جلیہ ہوں۔

۱۔ فرودانفر لکھتا ہے: مولانا از دیدار شمس زوید گشت تمامی دل و ہنگی ہمت رفتی در صلاح آورداد شیخ و خلیفہ در شکی جنود لہ
منسوب فرمود و یاران را باطاعت سے امور ساخت ۹۳ (ندوی) ۲۔ بدیع الزمان فرودانفر: زندگانی مولانا جلال الدین
میں لکھا ہے: مولانا بکوری حشیم نکران حوود دیدہ بر صلاح الدین گاشت وہاں عشق و دل باختگی کہ با شمس داشت بائے زیاد نہا
و از انجا کہ صلاح الدین مرے درام و زرم و جذب و ارشادش بنوع دیگر بود شورش و انقلاب مولانا آرام نگر و دید و از بے قراری
بقرار باز آمد و برائے شکستن خار ہجران شمس از پیانہ وجود و طلب ہائے سبکی نوشید ۱۰۳۔

دش بریں کی خدمت و صحبت کے بعد شیخ ناگہاں بیمار ہوئے اور حکیم محرم کو نہایت طمانیت قلب کے ساتھ اس دارِ غرور سے دارِ سرور کی طرف سفر کیا۔

چلی حسام الدین

شیخ صلاح الدین کے انتقال کے بعد مولانا نے چلی حسام الدین ابن اخی ترک کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا، چلی حسام الدین مولانا کے ممتاز مریدوں میں سے تھے اور مولانا کے انتقال کے بعد ابرین تک مولانا کی خلافت کے فرائض انجام دیئے، آپ اصلاً ترک اور وطناً روسی تھے، اور روم کے مشہور اور ذی اثر خاندان اخی سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شمس الدین بیزی اور شیخ صلاح الدین سے بھی آپ کو ارادت تھی اور ان لوگوں کے فیض سے بھی آپ پیش از پیش متمتع ہوئے تھے۔

حضرت حسام الدین چلی نے اپنے تمام ملازموں اور غلاموں کو حکم دے دیا کہ اپنے طور پر کام کریں، آہستہ آہستہ اپنا کل سہلو کو مولانا کی خدمت میں صرف کر دیا، آخر میں غلاموں کو بھی آزاد کر دیا، مولانا کا پاس ادب اس قدر ملحوظ تھا کہ مولانا کے وضو خانہ میں کبھی وضو نہ کرتے، سخت سخت سردی ہوتی، برف پڑتی ہوتی، مگر گھر جا کر وضو کر کے آتے، دوسری طرف مولانا بھی آپ سے اس طرح پیش آتے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا کہ مرید ہیں۔

۱۔ چلی ترک زبان میں سینہ کا ہم معنی ہے، ۲۔ نروز انفر نے ان کی تاریخ ولادت ۶۲۲ھ لکھی ہے، ۳۔ مولانا کو جو کچھ فتوحات ہوئیں سب چلی کے پاس بھیج دیتے، صاحبزادہ سلطان ولد نے ایک مرتبہ حکایت کی تو فرمایا کہ: "اشراف اشراف تاشکندہ اگر صد ہزار کال زاہد را حالت غمخوارانہ شود و ہم ہلاکت یابند و اراگیتان باشند آن را ہم بجزت چلی فرستیم مولانا کو ان کے بغیر نساہ و شفیگی نہیں ہوتی تھی، جس مجلس میں چلی نہ ہوتے مولانا کی طبیعت میں جوش و گری نہ پیدا ہوتی اور اسرار و معرفت کی باتیں نہ کرتے، جن لوگوں کو یہ حقیقت معلوم تھی وہ مجلس میں سب سے

زیادہ اس کا اہتمام کرتے کہ حضرت چلی موجود ہوں، تاکہ دریائے فیض جاری ہو (ملاحظہ ہو زندگانی ص ۱۰۵)۔ ندوی

ثنوی کی تحریک

ثنوی شریف کی تصنیف اسی زمانہ کا کارنامہ ہے، اس میں حضرت حسام الدین کی تحریک کو بہت بڑا دخل ہے، بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا، "ثنوی شریف کا وجود میں آنا آپ ہی کی وجہ سے ہوا"۔

رفقاء کے انتخاب کا سبب

مولانا کو کسی نہ کسی رفیق کے بغیر راحت نہیں ملتی تھی، شمس الدین کے بعد صلاح الدین اور صلاح الدین کے

لے فرزند انفرنے لکھا ہے کہ ثنوی کی تالیف چلی حسام الدین کی فرمائش و طلب سے ہوئی، انھوں نے لکھا ہے کہ چلی دیکھتے تھے کہ مولانا کے اجازت سے شیخ ملاو سانی کی تصنیفات و کلام کے مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں، مولانا کی غزلیات کا اگرچہ بڑا ذخیرہ ہے، مگر اس میں حقائق تصوف و ذاتی سلوک سے زیادہ مولانا کی گرمی طبع و جوش عشق ہے، وہ موقع کے منظر تھے، ایک رات مولانا کو تنہا دیکھ کر انھوں نے عرض کیا کہ کوئی کتاب حدیقہ سنانی یا سلسلہ طریقہ طرز پر لکھی جائے، مولانا نے سنتے ہی اپنے عمار سے ایک کاغذ نکالا، جس میں ۱۸ شعر لکھے ہوئے تھے، پہلا شعر وہ تھا جس کو ثنوی کا آغاز اور مطلع بنا لیا۔

بشنوا ز نے چوں حکایت می کند وز جدائی ہا شکایت می کند

آخری مصرعہ تھا۔ ع

پس سخن کوتاہ پاید و السلام

پس یہ ثنوی کی تالیف کا آغاز تھا، مولانا بجزبہ اشعار زبان مبارک سے ادا کرتے اور مولانا حسام الدین لکھتے جاتے، لکھ لینے کے بعد

حسام الدین اس کو بلند طور پر خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے، بعض مرتبہ پوری پوری رات اسی سلسلے میں گزر جاتی اور ثنوی کی تالیف شام سے

صبح تک جاری رہتی، ثنوی کی جلد اول مکمل ہوئی تھی کہ حسام الدین کی الہی نے انتقال کیا، اور حسام الدین کی طبیعت پر سخت اثر پڑا، اور وہ مضمحل ہو گئے،

ان کے مضمحلان سے مولانا کی طبیعت بھی رک گئی، اور دو سال تک ثنوی کا سلسلہ بند رہا، پھر دوبارہ حسام الدین کی تحریک اور تقاضا سے اس کا

سلسلہ شروع ہوا، اور مولانا کی وفات تک جاری رہی، یہ مدت ۵ سال کی تھی (زندگانی مولانا جلال الدین محمد ۱۱۸-۱۱۶)۔ ثنوی

بعد حسام الدین آپ کے ہزاروں مسازرے، بلکہ سلسلہ خیال کو اور آگے بڑھایا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ سید بہار الدین ترمذی بھی اسی زمرہ میں داخل تھے، اگرچہ دوسری حیثیت تھے، سید موصوف کے انتقال اور شمس کی آمد کے درمیان پانچ برس کا زمانہ مولانا نے اس طرح گزارا گویا اس دوران میں آپ کچھ کمی محسوس کرتے تھے، اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مولانا کے باطن میں جو کمالات مخفی تھے، ان کے اظہار کے لئے کسی نہ کسی محرک کی ضرورت تھی، ”دیوان وثنوی“ انہی حضرات کی تحریک باطنی کے شواہد ظاہری ہیں، صرف حسام الدین کی عدم فرصت کی وجہ سے ثنوی شریف کی تصنیف دو برس سعلق رہی۔

مولانا نے جن اصحاب کو اپنی ہم نشینی کے لئے منتخب کیا، ان کے انتخاب کی وجہ کشف و کرامت نہیں تھی، آپ کا قول اور مسلک یہ تھا کہ محبت کا سبب جنسیت ہو کرتی ہے، خود مولانا نے سلطان ولد کے سوال پر فرمایا کہ میں مناسبت جنسیت کی وجہ سے ان کو خاص طور پر دوست رکھتا ہوں، فرمایا کہ جو محبت مناسبت کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا نتیجہ شیطانی نہیں ہوتا، حقیقی محبت اور مناسبت سے دنیا و آخرت کہیں بھی شیطانی نہیں ہوتی، چنانچہ اہل غرض دوستوں کو آخرت میں یہ تمنا ہوگی کہ **يَا لَيْتَنِي لَمْ آتِخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا**، ”مجان متقی کی صفت یہ ہوگی: **الْاِخْلَافُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ**“

خود فرماتے ہیں:-

موجب ایماں نہ باشد معجزات یک جنسیت بود جذب صفات

مولانا کی وفات

سپ سالار کا قول ہے کہ مولانا کے انتقال سے قبل قونیہ میں چالیس روز زلزلہ آتا رہا، افلاک کا بیسا ہے کہ مولانا ہنوز صاحب فراش تھے کہ سات روز برابر زلزلہ رہا، تمام لوگ عاجز آگئے، مولانا سے طلب امداد کی، فرمایا زمین بھوکی ہوگئی ہے، لقمہ چرب چاہتی ہے، جلد کا بیاب ہو جائے گی، اور یہ زحمت تم لوگوں سے

رفع ہو جائے گی، اور اس زمانہ میں یہ غزل ارشاد فرمائی:۔

با ایں ہمہ مہر و مہر بانی دل می دہت کہ خشم رانی
دیں جلا شیشہ ہائے جان را در ہم شکنی بہ نُن تَرانی

چلیپی حسام الدین کی روایت ہے کہ ایک روز شیخ صدر الدین اکابر درویشوں کے ساتھ مولانا کی عیادت کو آئے، مولانا کی حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور فرمایا خدا شفا ئے عاجل عطا فرمائے، امید ہے کہ صحت کلی حاصل ہو جائے گی، مولانا نے فرمایا، اب شفا آپ ہی کو مبارک ہو، عاشق و معشوق میں بال کا پیرا ہن رہ گیا ہے کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور نور میں شامل ہو جائے۔

مرضی ہی میں یہ غزل شروع کی، حسام الدین چلیپی لکھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

دوسرے نہ بیا لیں تنہا مرار ہا کن ترک من خرابے شب گرد بتلا کن
مایم و موج سودا شب تا بروز تنہا خواہی بیا بنجشا خواہی برو جفا کن
از من گریز تا تو ہم در بلا نیفتی بگزیں رہ سلامت ترک رہ بلا کن
مایم و آب دیدہ در کنج غم خزیدہ بر آب دیدہ ماصد جائے آسا کن
خیرہ کشی است مارا دارد و بے چو خارا بکشد کشش نہ گوید تندیروں بہا کن
بر شاہ خورویان واجب وفا بنا شد لے زرد روئے عاشق تو صبر کن فنا کن
در دست غیر مردن کا نرا دوا بنا شد پس من چکو نہ گویم کان و در دادا کن
در خواب دوش پیری در کوئے عشق دیدم بادست اتنا تم کرد کہ عزم سوئے ما کن
عین انتقال کے قریب فرمایا:۔

گر مومنی و شیرینی ہم مونس مرگت در کافری و تلخی ہم کافرست مُردن

۵، جمادی الاخریٰ ۶۷۲ھ کو بوقت غروب آفتاب حقائق و معارف بیان فرماتے ہوئے انتقال فرمایا۔

فرمایا، انتقال کے وقت مولانا کی عمر ۶۸ برس تین ماہ کی تھی۔

جنازہ کو جب باہر لائے، قیامت کا ازدحام برپا ہوا، ہر قوم و ملت کے لوگ ساتھ تھے، اور سب روتے جاتے تھے، یہودی اور عیسائی تو ریت و انجیل پڑھتے جاتے تھے، مسلمان ان کو ہٹاتے، مگر وہ باز نہیں آتے تھے، فساد کا اندیشہ ہوا، جب یہ خبر پروانہ کو پہنچی، تو اس نے راہبوں اور قسبوں سے پوچھا کہ تمہیں اس امر سے کیا تعلق ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے انبیاء سابقین کی حقیقت کو انہی کے بیان سے سمجھا اور اولیاء اکل کی روش کو انہی کی روش سے جانا، وہ لوگ اسی طرح تالوت کے ساتھ رہے، ہجوم کی حالت یہ رہی کہ تالوت صبح سویرے مدرسہ سے روانہ ہوا تھا، اور شام کے قریب قبرستان پہنچا، آخر بوقت شب یہ آفتاب فقر و تصوف دیدہ ظاہر سے نہاں ہو گیا۔

اخلاق و خصوصیات

مولانا شبلی مرحوم سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں:-

مولانا جب تک تصوف کے دائرہ میں نہیں آئے، آپ کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال کی ایک شان رکھتی تھی، ان کی سولہویں جنم تک تھی تو علماء اور طلبہ بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا، سلطانین و امراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی، درس و تدریس، افتاد افادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا، لیکن وہ کھپلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی، ورنہ زیادہ تر محبت و معرفت کے نشہ میں مرشار رہتے:

ریاضت و مجاہدہ

ریاضت و مجاہدہ حد سے بڑھا ہوا تھا، سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں، ان کا بیان ہے کہ

لے حسین الدین پروانہ حاکم تونسہ۔

میں نے کبھی ان کو شبِ خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا، بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قصداً لیٹنے نہیں تھے، نیند غالب ہوتی تو میٹھے میٹھے سو جاتے، ایک غزل میں فرماتے ہیں:-

چہ آساید بہر پہلو کہ خسپد کسے کہ خار دارد او نہالین

ساعت کے جلسوں میں مریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو ان کے لحاظ سے دیوار سے ٹیک لگا کر زانو پر سر رکھ لیتے کہ وہ لوگ بے تکلف ہو کر سو جائیں، وہ لوگ پڑ کر سو جاتے تو خود اٹھ بیٹھتے، اور ذکر و شغل میں مصروف ہوتے، ایک غزل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ہم خفتد و من دل شدہ را خواب نبرد ہمہ شب دیدہ من بر فلک اتارہ شرد

خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز ناید خواب من ز ہر فراق تو بنوشید و ببرد

روزہ اکثر رکھتے تھے اور مسلسل کئی کئی روز کچھ نہ کھاتے تھے۔

ناز کی کیفیت

ناز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا، نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا، سپہ سالار کہتے ہیں کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اول عشا کے وقت سے نیت باندھی، اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی، مولانا نے ایک غزل میں اپنی ناز کی کیفیت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:-

چو نماز شام ہر کس نہد چراغ و خوانے منم و خیال یارے غم و نوحہ و فغانے

چو وضو ز اشک سازم بود آتشیں نمازم در مسجد بسوزد چو در درسد اذانے

عجا نمازستان تو بگو درست ہست آن کند انداز مانے نہ شاندا و مکانے

عجا دور کعت ست این عجا چہارم آیین عجا چہ سورہ خواندم، چوندا شتم زمانے

در حق چگونہ کویم؟ کہ نہ دست ماند ز دل دل دوست چون تو بردی بدوائے خدا مانے

بخدا خیر نہ دارم چو نمازی گزارم کہ تمام شدر کوئے کہ امام شرفلانے
ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں
سے تر ہو گئی، جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر ریخ ہو گئے، لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔

زہد و قناعت

مزاج میں انتہا درجہ کا زہد و قناعت تھی، تمام سلاطین و امراء نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے،
لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، جو چیز آتی، اسی طرح صلاح الدین زرکوب یا چلی حسام الدین کے
پاس بھجوا دیتے، کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں نہایت تنگی ہوتی، اور مولانا کے صاحبزادہ سلطان ولد اصرار
کرتے تو کچھ رکھ لیتے، جس دن گھر میں کھانے کا سامان کچھ نہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے، اور فرماتے کہ آج ہمارے
گھر میں درویشی کی بو آتی ہے۔

قیاضی و ایثار

قیاضی و ایثار کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل سوال کرتا تو عجایب کرتا یا جو کچھ بدن پر ہوتا اتار کر دے دیتے،
اسی لحاظ سے کرتا عجایب کی طرح سامنے سے کھلا ہوتا تھا کہ اتارنے میں زحمت نہ ہو۔

بے نفسی اور فنائیت

ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ راہ میں جا رہے تھے، ایک تنگ گلی میں ایک کتا سر راہ سورا تھا، جس سے
راستہ رک گیا تھا، مولانا وہیں رک گئے، اور دیر تک کھڑے رہے، ادھر سے ایک شخص آ رہا تھا، اس نے کتے کو
پہا دیا، مولانا نہایت آزرده ہوئے اور فرمایا کہ ناحق اس کو تکلیف دی۔

ایک دفعہ دو شخص سربراہ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اوعین! تو ایک کہے گا تو دوسرے کا، اتفاق سے مولانا کا ادھر گزر ہوا، آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہے مجھ کو کہو کہ تم مجھ کو اگر ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سنے گے، دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔

کسبِ حلال

معاشرہ کا یہ طریقہ تھا کہ اوقات کی مدد سے پندرہ دینار ماہوار روزیہ مقرر تھا، چونکہ مولانا مفت خوری کو نہایت ناپسند کرتے تھے اس لئے اس کے معاوضہ میں فتویٰ لکھا کرتے تھے، مریدوں کو تاکید تھی کہ اگر کوئی فتویٰ لائے تو گوئیں کسی حالت میں ہوں، ضرور خبر کرو و تا کہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔

ایک دفعہ کسی نے کہا کہ شیخ صدر الدین کو ہزاروں روپیہ کا وظیفہ ہے اور آپ کو کل پندرہ دینار ماہوار ملتے ہیں، مولانا نے کہا کہ شیخ کے مصارف بھی بہت ہیں، اور حق یہ ہے کہ یہ پندرہ دینار بھی انہی کو ملنے چاہئیں۔

اہل دنیا سے کیسوی

مولانا کو بالطبع امراء و سلاطین سے نفرت تھی، صرف جن خلق کی وجہ سے ان کی لیتے تھے، روزانہ کی مجلسوں کو دور بھاگتے تھے، ایک دفعہ ایک امیر نے معذرت کی کہ اشغال سے فرصت نہیں ہوتی، اس کے حاضر ہو سکتا ہوں، معاف فرمائیے گا فرمایا۔

معذرت کی ضرورت نہیں، میں آنے کا بہ نسبت نہ آنے سے زیادہ ممنون ہوتا ہوں۔

فتویٰ معنوی اور اس کا علمی و اصلاحی مقام و پیغام

فتویٰ معنوی

مولانا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے پرجوش طبیعت پائی تھی، عشق ان کی فطرت

لے سوانح مولانا روم باختصار و خفیت تغیر۔

میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، ظاہری علم اور عقلیات کے توغل نے اس آگ کو دبا رکھا تھا، شمس تبریز کی آتشیں صحبت نے ان کی فطرت کو چھڑ دیا، اور تربیت و ماحول نے اس پر جو پورے ڈال دیئے تھے، وہ دفعہ اٹھ گئے، اور وہ سراپا سوز و ساز بن گئے۔

شعلہا آخر زہر مویم دمسد از رگ اندیشہ ام آتش چکیدہ
اس مقام پر پہنچ کر عارف کے ہرٹن مو سے صدا آتی ہے کہ۔

در جہان یارب ندیم من کجاست نخل سینا یم کلیم من کجاست
یہی وجہ تھی کہ ہدم و ہمزاز کے بغیر ان کے لئے جینا محال تھا، شمس تبریز کے بعد جب تک ان کو صلاح الدین زرکوب اور صلاح الدین زرکوب کے بعد جب تک ان کو حسام الدین چلی نہیں مل گئے، ان کی بے قرار طبیعت کو سکون نہیں ہوا۔ ع۔

شمع راتنہا طپیدن سہل نیست

یہی آتش سوزاں تھی جو ان کو کشاں کشاں سماع کی طرف لے جاتی تھی، اور وہ اس سے قوت اور غذا حاصل کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع کہ ازو باشد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیالات ضمیر بلکہ صورت گرد از بانگ صغیر
آتش عشق از نوا ہا گرد تیز آہنچنانکہ آتش آن جوز ریز

اسی سوز نے ان کے ساز کو چھڑا اور خاموش رہنا ان کے لئے ناممکن کر دیا اس لئے ان کے بقول۔

جوش نطق از دل نشان دوستیت بستگی نطق، از بے الفتی است
دل کہ دلبر دید کے ماند ترش بلبل گل دیدہ کے ماند خموش

۱۵ اقبال در ثنوی اسرار خودی ۱۵ ایضاً ۱۹ ثنوی ۱۹۔ نزل کشور اشاعت نہم ۱۵ ایضاً ۱۵ ایضاً ۱۵

اس ساز سے جو نغمے نکلے ان کے مجموعے کا نام ثنوی ہے، یہ ان کے خیالات و حالات و واردات و تاثرات اور مشاہدات و تجربات کا آئینہ ہے، اس میں صاحب کلام کا سوز و درد، جوش و ہستی اور ایمان یقین بھرا ہوا ہے، اور یہی اس کی عالمگیر مقبولیت اور بے نظیر تاثیر کی اصل وجہ ہے۔ عہ ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا ہونے

عقلیت و ظاہر پرستی پر تنقید

مولانا کا علمی نشوونما تمام تراشاعہ کے علمی ماحول میں ہوا تھا، وہ خود ایک کامیاب مدرس اور معقول عالم تھے، توفیق الہی نے جب ان کو معرفت و آگہی کے مقام تک پہنچایا، اور قال سے حال، خبر سے نظر، الفاظ سے معانی، اور اصطلاحات و تعریفات کے لفظی ظلم سے ترقی کر کے حقیقت و مغز تک پہنچے تو ان کو فلسفہ و علم کلام کی کمزوریوں اور استدلال و قیاس کی غلطیوں کا اندازہ ہوا، اور فلاسفہ و حکمین اور اہل استدلال کی بے بضاحتی اور حقیقت ناشناسی کی حقیقت ان پر منکشف ہو گئی، تو انہوں نے بڑی قوت اور وضاحت کے ساتھ علم کلام پر تنقید کی، وہ چونکہ اس کوچہ کے ذرہ ذرہ سے آشنا ہیں، اس لئے وہ جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان کا ذاتی تجربہ و مشاہدہ ہوتا ہے، اور اس کی واقفیت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اس عصر کے فلسفہ و عقلیات کا سب سے زیادہ زور جو اس ظاہری پر تھا، ان جو اس غم سے کو علم اور حصول یقین کا سب سے زیادہ مستند اور قابل وثوق ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اور جو چیز ان کی گرفت میں نہ آئی، اور ان کے ذریعہ اس کی تصدیق نہ ہو سکے، اس کی نفی اور اس کے انکار کی طرف رجحان روز بروز ترقی کر رہا تھا، معزز لہ اس حیثیت کے سب سے بڑے نقیب تھے، اس جو اس پرستی نے ایمان بالغیب کو بہت نقصان پہنچایا تھا، اور شریعت اور وحی کے پیش کئے ہوئے حقائق کی طرف سے ایک طرح کی بے اعتمادی پیدا کر دی

لہ اقبال بال جبریل۔

چونکہ ظاہر ہاگرفتند احمقان اُن دقائق شد از ایشان بس نہاں
لابرم محبوب گشتند از غرض کہ دقیقه فوت شد در مقرر صلی

و اس سے آگے بڑھ کر وہ عقل پر بھی تنقید کرتے ہیں کہ عالم غیب کے حقائق اور انبیاء کے علوم و معارف
کے بارہ میں عقل بھی کوتاہ اور نارسا ہے اس کے پاس قیاس کی کوئی بنیاد نہیں اور وہ اس عالم کا کوئی
تجربہ نہیں رکھتی، دریائے شور کا رہنے والا آب شیرین کا کیا اندازہ کر سکتا ہے؟

اے کہ اندر چشمہ شور است جات تو چہ دانی شط و جیون و فرات
وہ اس عقل کو جو محسوسات اور مقدمات کی پابند ہو عقل جزوی کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کے
نزدیک اوہام و شکوک اس کا ثمرہ عالم ظلمات اس کا وطن ہے، وہ عقل کے لئے باعث بدنامی اور انسان
کے لئے سبب ناکامی ہے، اس عقل جزوی سے دیوانگی ابھی!

عقل جزوی آفتش وہم ست وطن زانکہ در ظلمات شد اورا وطن
عقل جزوی عقل را بد نام کرد کام دنیا مرد را بے کام کرد
زیں خرد جاہل ہی باید شدن دست در دیوانگی باید زدن

وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود اس عقل دورانیش کا تجربہ کیا ہے، اور اس نتیجہ تک پہنچا ہوں۔

آزمودم عقل دورانیش را بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

پھر وہ ایک سیدھی اور عام فہم بات کہتے ہیں کہ اگر عقل دینی حقائق و معارف کے اور ان کے لئے

کافی ہوتی تو اہل منطق و استدلال اور ائمہ کلام سب سے بڑے عارف اور دین کے محرم اسرار ہوتے۔

اندریں بحث از خرد رہ میں بدے فخر رازی را ز دار دین بدے

ان کے نزدیک انسانوں کے ساختہ پر داختہ علوم، علم حقیقی کے لئے حجاب اور سالک کے لئے

۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً ۱۰۲ ایضاً

انتشار و اضطراب کا موجب ہیں اس لئے یقین و معرفت کے لئے ان میں اضافہ و ترقی کے بجائے کمی اور ان کے گلو خلاصی کی ضرورت ہے فرماتے ہیں:-

گر تو خواہی کت شقاوت کم شود
چہ کن تا از تو حکمت کم شود
حکمتے کز طبع آید و ز خیال
حکمتے بے فیض نور ذوا بجلال
حکمتے دنیا فراید ظن و شک
حکمت دینی بر د فوق فلک ہے

ان کے خیال میں استدلال مقدمات کی ترتیب اور نتیجہ کا استخراج ایک مصنوعی طریقہ ہے اور اس کے بہت محدود اور ناقص نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں اس سے دینی حقائق کا ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے لکڑی کے مصنوعی پاؤں کے ذریعہ آزادانہ چلنا پھرنا اور سفر طے کرنا، ان کی یہ تمثیل ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے کہ:-

پائے استدلالیان چوبین بود
پائے چوبین سخت بے تکمیل بود
ان کے نزدیک علم کلام اور متکلمانہ بحث و استدلال سے یقین کی کیفیت اور حلاوت ایمانی حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ تکلم جو تقلید امتقدین کے دلائل و براہین کو نقل کر دیتا ہے اور آموختہ سنا دیتا ہے خود بے روح، اور ذوق و کیفیات یقین سے محروم ہے۔

آن مقلد صد دلیل و صد بیان
بر زبان آرد ندارد هیچ جان
چونکہ گویندہ ندارد جان و فر
گفت اورا کے بود برگ و شتر
وہ اس عقل جزوی کے بجائے جو محسوسات و معلومات اور تجربات کی پابند اور دنیا کے اندر محدود ہے اس عقل ایمانی کے قائل ہیں جو خود عقل کے لئے رہنا اور اس کے لئے چراغ راہ ہے اور جو اس سے وہ نسبت رکھتی ہے جو عقل جزوی جسم کے ساتھ اور جس کے بغیر عقل عقل کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے اس کو عقل عقل

کہہ سکتے ہیں، عقل عقل ان لوگوں کا حصہ ہے جو نور ایمان اور دولت یقین سے بہرہ ور ہیں۔

بند معقولات آمد فلسفی شہسوار عقل عقل آمد صنفی

عقل جزوی سے انسان کے دفتر کے دفتر سیاہ ہیں، عقل عقل سے عالم مطلع انوار ہے۔

عقل دفتر ہاگند کیسریاہ عقل عقل آفاق دارو پُر زماہ

از سیاہی و سپیدی فارغ است نور ہمیش بر دل و جان بانغ است

عقل ایمانی شہر کے لئے پاسبان کا حکم رکھتی ہے، عقل جزوی کا تقاضا خوف و ہراس اور دنیا کے

اندیشے ہیں، عقل ایمانی کا تقاضا اطمینان و سکون اور خواہشات نفس سے حفاظت ہے۔

عقل ایمانی پوشنہ عادل است پاسبان و حاکم شہر دل است

عقل در تن حاکم ایسان بود کہ ز ہمیش نفس در زندان بود

ان کے نزدیک جس طرح جو اس عقل کے تابع اور محکوم ہیں، اسی طرح عقل پر روح کو تفوق اور حکومت

حاصل ہے، روح ایک اشارہ میں عقل کی سیکڑوں گرہیں کھول دیتی ہے، اور جھکیوں میں اس کی مشکل آسان کر دیتی ہے۔

حس اسیر عقل باشد اے فلاں عقل اسیر روح باشد ہم بدان

دست بستہ عقل را جان باز کرد کار ہائے بستہ را ہم ساز کرد

فلسفی ادنی معقولات اور ابتدائی معلومات کی منزل سے آگے نہیں بڑھتا، اس کی عقل نے

ابھی دروازہ سے باہر قدم ہی نہیں نکالا ہے۔

فلسفی گوید ز معقولات دون عقل از دلہیزی ناید برون

فلسفی خود اپنی عقل و فکر کا مارا ہوا ہے، وہ ایسا بد قسمت مسافر ہے کہ اس کی پشت منزل کی طرف

اور رخ صحرا کی طرف ہے، اس لئے وہ جس قدر تیز قدم بڑھاتا ہے، منزل مقصود سے دور ہو جاتا ہے۔

۱۵ ثنوی ۲۳۶ ۱۵ ایضاً ۲۳۷ ۱۵ ایضاً ۲۳۸ ۱۵ ایضاً ۲۳۹

فلسفی خود را از اندیشہ بکشت کو بد و کوراسوے گنج است پشت
 کو بد و چنداں کہ افزوں می دود از مراد دل جدا ترمی شود
 فلسفی دنیا کے علوم سے باخبر، بڑا وسیع النظر، صد ہا چیزوں سے آشنا، مگر اپنے سے نا آشنا ہے،
 اعمال انکسب سے بڑا علم خود شناسی ہے۔

صد ہزاراں فضل دارد از علوم جان خود را می ندانداں علوم
 دانداد خاصیت ہر جو ہرے در بیان جو ہر خود چون خرے
 قیمت ہر کالہ می دانی کہ چسیت قیمت خود را ندانی ز احمقیست
 جان جلد علیہا این ست این کہ بدانی من کیم در یوم دین
 وہ اپنے زمانہ کے عالم و متکلم کو حکمت یونانی سے حکمت ایمانی کی طرف ہجرت کی دعوت دیتے ہیں
 جو حقیقی علم اور حکمت ہے۔

چند چند از حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بخوان
 وہ کہتے ہیں کہ تزکیہ نفس سے صحیح معرفت نفس حاصل ہوگی، لوح دل جتنی صاف ہوگی، حکمت
 ایمانی کے نقوش اتنے ہی روشن اور اجاگر ہوں گے، اس وقت بغیر کتاب و استاد کے انبیاء علیہم السلام
 کے علوم و معارف وارد ہوں گے اور حکمت کے دہانے کھل جائیں گے۔

خوش را صافی کن زاوصاف خود تا بہ بینی ذات پاک و صاف خود
 بینی اندر دل علوم انبیا، بے کتاب و بے معید و اوستا
 دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

آئینہ دل چون شود صافی و پاک نقشہا بینی برون از آب و خاک

۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰

روزِ دل گر کشادست و صفا
کی رسد بے واسطہ نورِ خدا

دعوتِ عشق

ساتویں صدی میں علمِ کلام اور عقلیت کی جو سرد ہو، عالمِ اسلام میں مشرق سے مغرب تک چلی تھی، اس سے دل کی انگلیٹھیاں سرد ہو گئی تھیں، اگر کہیں عشق کی چنگاریاں تھیں تو راکھ کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی تھیں، ورنہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک افسردہ دلی بلکہ مردہ دلی چھائی ہوئی تھی، اور کہنے والا دیر سے کہہ رہا تھا کہ۔

بھی عشق کی آگ اندھیرے مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اس سرد اور خواب آور فضا میں مولانا نے "عشق" کی صدا بلند کی، اور اس زور سے بلند کی کہ ایک بار عالمِ اسلام کے جسم میں بجلی سی کو ندر گئی۔

مولانا نے کھل کر عشق کی دعوت دی اور محبت کی کرامت اور عشق کی کرشمہ رازیاں بیان کیں۔

از محبت تلہا شیریں شود وز محبت مسہار زیں شود

از محبت درد با صافی شود وز محبت درد با شافی شود

از محبت سخن گلشن می شود بے محبت روضہ گلشن می شود

از محبت سنگِ روغن می شود بے محبت موم آہن می شود

از محبت سقمِ صحت می شود وز محبت قہرِ رحمت می شود

از محبت مردہ زندہ می شود وز محبت شاہ بندہ می شود

وہ عشق کی طاقت و نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جانِ طور آمد عاشقا طور مست و خرم و سوسی صعقا

وہ فرماتے ہیں، عشق نہایت غیور خود دار ہے، وہ ہفت اقلیم کی سلطنت کو خاطر میں نہیں لاتا، جس نے ایک بار اس کا مزہ چکھ لیا، اس نے پھر کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

وہ دو عالم سے بیگانہ اور دنیا کا سب سے بڑا مست و دیوانہ ہے۔

باد و عالم عشق را بیگانگی اندر و ہفتاد و دیوانگی

وہ شاہوں کا شاہ اور مظلوبوں کا مطلوب ہے، بادشاہوں کے تخت و تاج اس کے قدموں کے نیچے ہیں۔

سخت پنہاں است و پیدائش جان سلطانان جاں در حشرش

غیر ہفتاد و دولت کیش او تخت شاہان تختہ بندے پیش او

اس فقر جو راور عشق غیور کا جب وہ تذکرہ کرنے لگتے ہیں تو خود ان پر جوش و سرستی کی کیفیت

طاری ہو جاتی ہے اور وہ خود ہو کر کہتے لگتے ہیں۔

ملک دنیا تن پرستان راحلال ما غلام ملک عشق بے زوال

وہ کہتے ہیں کہ عشق کی ہی وہ بیماری ہے جس سے بیمار کبھی شفا نہیں چاہتا، بلکہ اس میں اضافہ

و ترقی ہی کی دعا کرتا ہے۔

جلہ رنجوراں شفا جو بند داین رنج افزون جوید و درد و چین

خوبتر زین سم ندیدم شربتے زین مرض خوشتر نباشد صحتے

لیکن وہ ایسی بیماری ہے کہ پھر کوئی بیماری نہیں ہوتی۔

۱۵۱۵۵ ایضاً ۵۵۱۵۵ ایضاً ۲۳۴ ایضاً ۲۳۴ ایضاً ۵۵۱۵۵ ایضاً ۵۵۱۵۵

آن کلامت می رہاند از کلام وان مقامت می جهانند از مقام
بیماری کبھی ایسی بیماری ہے کہ ہزار صحتیں اس پر قربان، اس کی کلفت ایسی کلفت ہے کہ ہزاروں
راحتیں اس پر تیار۔

پس مقام عشق جانِ صحت است زنجہایش حسرت ہر راحت است
یہ عشق پاکباز اگر گناہ ہے تو ایسا گناہ ہے کہ طاعتیں اس کے سامنے بیچ ہیں، اس سے ایک گھڑی
میں جو ترقی حاصل ہوتی ہے، وہ سا لہا سال کی ریاضت سے میسر نہیں۔

زین گنہ بہتر نباشد طاعتے سا لہا نسبت بدین دم ساعتے
راہ عشق میں جو خون بہے وہ کسی پانی سے کم پاک نہیں، شہید عشق کو ہمارے غسل و وضو کی ضرورت نہیں۔
خون شہیدان راز آبِ ولی تراست این خطا از صد صواب اولی تراست
عاشق وہ جگر سوختہ و دل باختہ ہیں کہ ان پر عام انسانوں کے قوانین جاری نہیں کئے جاسکتے، جو
گاؤں سرسوریران ہو گیا ہو اس پر خراج کیسا؟

عاشقان را ہر نفس سوزیدیت برود ویران را خراج و عشقیت
عشق آدم کی میراث اور زیر کی و چالا کی شیطان کا سرمایہ ہے۔

داند آن کونیک بخت و محرم است زیر کی ز ابلیس و عشق از آدم است
زیر کی و چالا کی میں اپنے دست و بازو (عقل و خرد) پر اعتماد ہوتا ہے، عشق میں کسی کے دامن سے
وابستگی ہوتی ہے، اور سپردگی، زیر کی و چالا کی، 'شناوری' (پیراکی) کافن ہے، عشق، کشتی نوح، زیر کی و
چالاک کو اس طوفان میں بچتے اور ساحل تک پہنچتے اور صاحبِ عشق کو غرق ہوتے کب دیکھا گیا ہے؟
زیر کی بساچی آمد و بچار کم زہد، غرق است او پابان کار

۱۰ جنوری ۱۹۵۵ء ۱۲ ایضاً ۱۳ ایضاً ۱۴ ایضاً ۱۵ ایضاً ۱۶ ایضاً ۱۷ ایضاً ۱۸ ایضاً ۱۹ ایضاً ۲۰ ایضاً

عشق چوں کشتی شود بہر خواص کم بود آفت، بود اغلب خلاص
عقل کی ہوشمندی، عشق کی حیرانی پر قربان کر دینے کے قابل ہے، وہ ہوشمندی محض ظن قیاس

ہے، اور یہ حیرانی شاہدہ و عرفان۔

زیر کی بفروش و حیرانی بجز زیر کی ظنیست، حیرانی نظر
مولانا عشق کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبوب بننا تو ہر ایک کے بس میں نہیں، لیکن عاشق
بننا ممکن ہے، اگر خدا نے تم کو محبوب نہیں بنایا ہے تو تم عاشق بن کر زندگی کا لطف حاصل کرو۔

تو کہ یوسف نیستی، یعقوب باش ہجو او باگریہ و آشوب باش
تو کہ شیریں نیستی فرہاد باش چوں نئی لیلیٰ تو محنوں گرد فاش
وہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاشق بننے میں جو مزہ ہے اور ترقی ہے، وہ محبوب
بننے میں کہاں؟ اگر محبوبان عالم کو اس دولت سرمد کا پتہ چل جائے، محبوبوں کی صف سے نکل کر عشا
کی صف میں شامل ہو جائیں۔

ترک کن معشوقی و کن عاشقی اے گمان بردہ کہ خوب و فائق
لیکن عشق کی یہ دولت بیدار کسی مردہ و ناپائدار محبوب کے لائق نہیں، عشق خود زندہ ہے،
اسے ایک زندہ و پائندہ محبوب چاہئے۔

عشق بر مردہ نباشد پائدار عشق را بر حے جان افزایے دار
اسی زندہ و پائندہ حقیقی و قیوم محبوب سے عشق جاوداں کی تشفی و استواری ہے، اسی سے اس کی
تازگی اور آبیاری ہے۔

عشق زندہ در رواں و در لبر ہر دے باشد ز غنچہ تازہ تر

۱۰۰ نموی ۲۲۲۲ ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰

عشق آن زندہ گزین کو باقیست وز شراب جانفزا بیت ساقیت
 عشق آن بگزین کہ جملہ انبیاء یافتند از عشق او کار دیکہ
 حسن کی اس بارگاہ عالی میں عشق کو اپنی نارسالی کا شکوہ نہیں ہونا چاہئے کہ حسن ازل سدا کے
 عشق نواز اور دوست طلب ہے۔

تو لگو مارا بیداں شہ باز نیست با کریمان کار ہا دشوار نیست
 یہ عشق دیکھنے میں ایک بیماری ہے جو دل کی شکستگی سے پیدا ہوتی ہے، یہ بیماری بڑی جان لیوا
 ہے، لیکن آدمی اگر اس کو برداشت کر لے جائے تو اس کا نتیجہ معرفت حقیقی اور حیات ابدی ہے۔

عاشقی پیدا است از زاری دل نیست بیماری چوں بیماری دل
 علت عاشق ز علتہا جداست عشق اصلہا بامراہ جداست

یہ بیماری سب بیماریوں کی دو اور قسم کے نفسانی و اخلاقی امراض کے لئے شفا ہے، جن روحانی
 امراض کے علاج سے طبیب مایوس اور معالج و مصلح دست بردار ہو چکے ہوں، اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی
 ہو، عشق ایک نگاہ میں اس کو اچھا کر سکتا ہے، برسوں کا مرض جب عشق کے ہاتھوں اپنے روحانی امراض
 کہنہ سے شفا پاتا ہے، تو سرور و بخودی کے عالم میں بچار اٹھتا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سوئے ما اے طبیب جملہ علتہائے ما
 اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما
 عشق ایک شعلہ ہے جو خس و فاشاک کو جلا کر خاک کر دیتا ہے، اور محبوب کے سوا کسی کار و ادار
 نہیں، وہ بڑا موحد بڑا غیور ہے۔

عشق آن شعلہ است کو چوں بر فروخت ہر چیز معشوق باقی جملہ سوخت

۱۰۰ فتویٰ ص ۱۰۰ ایضاً ص ۱۰۰ ایضاً ص ۱۰۰ ایضاً ص ۱۰۰

تین لاد و قتل غیر حق براند در نگرزاں پس کہ بعد از لاپہ ماند
ماند الا اثر باقی جملہ رفت شاد باش اے عشق شکر سوزت

یہ عشق الہی ایک بحر ناپیدا کنار ہے، اس کی داستان ختم ہونے والی نہیں، زمانہ کی وسعت بھی اس کے لئے تنگ اور دنیا کی عمر بھی اس کی داستان سمرالی کے لئے کوتاہ ہے، یہ اس حسن ازلی کا قصہ ہے، جس کا نہ اول ہے نہ آخر، اس لئے یہاں خاموشی ہی بہتر اور اعترافِ عجز ہی مناسب ہے۔

شرح عشقِ امن گویم بر دوام صد قیامت بگزرد و اوں ناتمام
زانکہ تاریخ قیامت را حد است حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزد است

جہانِ دل

لیکن عشق جس کی دعوت مولانا اس جوش و خروش سے دیتے ہیں، دل کی زندگی، اور بیداری اور دل کی گرمی کے بغیر ممکن نہیں، ہر زمانہ کی طرح مولانا کے زمانہ میں بھی دل کی طاقتوں اور وسعتوں سے غفلت اور ناواقفیت بڑھتی جا رہی تھی، اور دماغ کی عظمت کا سکہ دلوں پر پھینتا جا رہا تھا، دماغ روشن اور دل سرد ہوتے جا رہے تھے، معدہ زندگی میں مرکزی مقام حاصل کرتا جا رہا تھا، مولانا نے دل کی عظمت و وسعت کی طرف متوجہ کیا، اور اس کے عجائبات و فتوحات بیان کئے، اور یاد دلایا کہ انسان اپنے اس جسمِ خاکی میں کیسا سرد بہار باغ رکھتا ہے، اور اس کے پہلو میں کیسی دنیا آباد ہے، جس میں ملک کے ملک گم ہو جائیں، جس کو کسی دشمن کا خطرہ اور کسی رہزن کا اندیشہ نہیں۔

امین آباد است دل اے مرداں حصن محکم موضع امن و امان
گلشن خرم بکام دوستاں چشمہا و گلستان در گلستان

۱۹۹۰ء مئی ۲۰ء ۱۹۹۱ء مئی ۲۲ء ۱۹۹۲ء مئی ۲۴ء

انہوں نے بتلایا کہ دنیا کے باغات چند دنوں کے بہان، لیکن نخل دل سدا جوان اور باغ دل بہار
بے خزاں ہے، جسم کا بلوغ برسوں میں لگتا ہے، اور دم میں اجر جاتا ہے، دلوں کے باغ لگنے میں دیر نہیں
لگتی، مگر اس کی رعنائی اور تازگی میں کبھی فرق نہیں آتا۔

گلشنے کر نقل رویدیکم است گلشنے کر عقل روید خرم است
گلشنے کر تن دم گرد تباہ گلشنے کر دل دم وافرحتاہ

وہ تلقین کرتے ہیں کہ جسم کو جوان بنانے کی سہی لا حاصل اور سکندر کی طرح چہترہ حیوان کی ناکام
تلاش کے بجائے عشق کے آب حیات کا ایک جرعه نوش جان اور دل کی زندگی کا سامان کرنے کی ضرورت
ہے تاکہ صحیح معنی میں زندہ دلی اور نشاط روح حاصل ہو اور ہر دور زندگی میں توانائی و رعنائی محسوس ہو۔

دل بجز تا دانا باشی جوان از تجلی چہرہ ات چوں ارغوان
طالب دل شو کہ تا باشی چول مہشوی شادان و خندان، چو گل

لیکن دل کے لفظ سے دھوکہ نہ ہو! دل وہ نہیں ہے جو سینہ میں دھڑکتا ہے اور خواہشات نفس
اور بواہوسی کی آماجگاہ ہے، جو محبت کی لذت سے نا آشنا، یقین کی دولت سے محروم، ذوق و شوق سے خالی
ہے، جس کی کلی کبھی کھلتی نہیں، اور جس کی قسمت کبھی چمکتی نہیں، یہ دل دل نہیں، پتھر کی ایک بل ہے۔

تنگ و تاریک است چوں جان بہو مینوا از ذوق سلطان و دود
نے دران دل تاب نور آفتاب نے کشاد عرصہ نے فتح باب

یہ دل اپنی ساخت اور اپنی صورت شکل جسامت کے لحاظ سے ویسا ہی ایک دل ہے، جیسے اہل
دل کا بیدار و بیتاب دل، لیکن حقیقت کے لحاظ سے دیکھئے تو سوائے لفظی اشتراک و جسمانی مشابہت کے
دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، وہ بھی پانی ہے، جو چہترہ اصافی میں رواں ہے، اور وہ بھی پانی ہے، جو کسی دلدل

یا کچھ کے اندر ہے، لیکن پہلا پانی خالص پانی ہے جس کے پیاس بھی بجائی جاسکتی ہے اور ہاتھ بھی صاف ہو سکتے ہیں، دوسرا پانی میں مٹی کا اتنا بڑے ہے کہ اس پانی کا کام لینا مشکل ہے یہی فرق دل اور دل میں ہے ایک دل مادہ پرست اور بواہوس ایک بے حس و مردہ دل انسان کا ہے ایک دل انبیاء و اولیاء کا ہے جس کی بلندگی سامنے آسما بھی پست اور جس کی وسعت کے آگے ناسے عالم کی وسعت گری ہے اس شے سوچ سمجھ کر کہو کہ ہمارے پہلو میں بھی دل ہے

تو ہی کوئی مراد دل نیز ہست دل فراز عرش اشد نہ پست
در گل تیرہ یقین ہم آب ہست لیک ازاں آبت نیاید آبدست
زانکہ گر آب است مغلوب گل است پس دل خود را گلو کاہن ہم دل است
آن دے کر آسمان ہا برتر است آن دل ابدال یا پیغمبر است

لیکن پھر تسلی دیتے ہیں کہ دل بہر حال دل ہے اور خدا کے یہاں کوئی دل مردود نہیں وہ ہر دل کا خریدار ہے اس لئے کہ خریداری سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہیں۔

کالہ کہ بیچ خلقش سنگرید از خلافت آن کریم آن را خرید
بیچ قلبے پیش او مرد و نیست زانکہ قصدش از خریدن خود نیست

پھر وہ فرماتے ہیں کہ معدہ کے قفس زہریں کو چھوڑ کر دل کی آزادستی کی سیر کرو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو، تمہارے اور خالق کے درمیان بڑا حجاب ہی معدہ اور شکم پرستی ہے، تم اس حجاب سے نکلے کہ تم کو اس بارگاہ عالی سے سلام پہنچے۔

معدہ را بگذار سوئے دل خرام تاکہ بے پردہ ز حق آید سلام

مقام انسانیت

مستبد شخصی سلطنتوں کے اثرات اور پیہم مظالم مسلسل جنگوں کے نتیجے میں عام انسانوں میں

زندگی سے بیزاری اپنے مستقبل سے مایوسی اور احساس کہتری پیدا ہو گیا تھا، اور انسان خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا تھا، عجمی تصوف نے فنائیت انکار ذات اور خود شکنی کی تلقین اتنے جوش اور قوت کی تھی کہ خود نگری اور خود شناسی جس پر حرکت، جدوجہد اور کشمکش موقوف ہے، ایک اخلاقی جرم اور مانع ترقی سمجھی جانے لگی تھی، انسانوں کے سامنے ملکوئی صفات کے حصول اور لوازم بشریت سے انسلاخ، تجرد و تفرید کی تبلیغ، اس انداز میں ہوئی تھی کہ انسان کو اپنی انسانیت سے شرم آنے لگی تھی، اور وہ اپنی ترقی انسانیت میں نہیں بلکہ ترک انسانیت میں سمجھنے لگا تھا، عام طور پر مقام انسانیت سے غفلت اور انسان کی رفعت و شرافت سے ذہول پیدا ہو گیا تھا، اور اس وقت کی ادبیات اور شعر و شاعری میں تحقیر انسانیت کی روح سرایت کر گئی تھی، اس کا نفسیاتی اثر یہ تھا کہ لوگوں میں عام طور پر اپنے بارہ میں بے اعتمادی، ناامیدی، افسردگی اور شکستہ پائی جاتی تھی، اور انسان کبھی کبھی حیوانات اور جمادات پر رشک کرنے لگتا تھا، وہ جوہر انسانیت سے ناواقف اور اپنی عظمتوں اور زرقیات سے غافل تھا، مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں اس پہلو کو ابھارا اور انسان کی بلندی کا ترانہ اس جوش سے بلند کیا کہ اس کی سوئی ہوئی خودی بیدار ہو گئی، اور وہ اپنے مقام سے آگاہ ہو گیا، مولانا کی اس رجز خوانی کا پوری اسلامی ادبیات پر اثر پڑا اور اس نے شعر و شاعری اور تصوف میں ایک نیا رجحان پیدا کر دیا۔

مولانا انسان کو اپنی انسانی خلقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا "أَحْسِنِ تَقْوِيمَ" کے خطاب سے یاد فرمایا ہے، یہ لباس موزوں خاص طور پر اسی کے لئے قلع کیا گیا ہے، اور اس کی قامت پر راست آتا ہے۔

کہ گرامی گوہر راست اے دوست جان

أَحْسِنِ التَّقْوِيمَ " از عرشش فزون

أَحْسِنِ التَّقْوِيمَ ذَرَاتِیْنَ " بخواں

أَحْسِنِ التَّقْوِيمَ " از فکر ت برون

وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے سوا اور کس کے سر پر کرامت "کاتاج رکھا گیا ہے اور کتومنا" اور

اعطیناکم کے خطاب سے مشرف کیا گیا ہے!

بیچ کر مٹا شنید ایں آسان
کشنید ایں آدمی پُر غمان
تاج کر مٹناست بر فرق سرت
طوق اعطیناک آویز برت

وہ فرماتے ہیں کہ انسان خلاصہ کائنات اور مجموعہ اوصاف عالم ہے انسان کیا ہے ایک کوزہ

میں دریا بند ہے اور ایک منقر سے وجود میں پورا عالم پنہاں ہے۔

آفتابے در کیے ذرہ نہاں
ناگہاں آں ذرہ بکشاید بان
ذرہ ذرہ گرد و افلاک و زمین
پیش آں خورشید چوں جست از کین
بحر علی در نمی پنہاں شدہ
در سگزن عالمے پنہاں شدہ

انسان آفرینش عالم کا مقصود اور تمام کائنات کا محسود ہے اسی سے اس عالم کا رنگ و بو

اور زندگی کی آبرو ہے اس کی طاعت تمام موجودات پر فرض ہے۔

ہر شرابے بندہ آن قد و قد
جلہ متان را بود بر تو حسد
بیچ محتاج مے گلگون نے
ترک کن گلگونہ تو گلگونے
جو ہر است انسان و چرخ اور زمین
جلہ فرج و سایہ اندو تو عرض
علم جوئی از کتب ہائے فسوس
ذوق جوش تو ز حلوائے بسوس
خدمتت بر جملہ ہستی مفرض
جوہرے چون مجزدار و با عرض

یہی نہیں بلکہ انسان منظر صفات الہی ہے، وہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تجلیات و آیات کا

عکس نظر آتا ہے۔

۴۹۵ ۴۹۶ ایضاً ۴۹۷ ۴۹۸ ایضاً ۴۹۹ ایضاً ۵۰۰ ایضاً

آدم اصطراب اوصافِ علویست وصفِ آدم منظرِ آیاتِ اوست

برچہ دروسے می نماید عکسِ اوست ہیچو عکسِ ماہ اندر آبِ جوست

فلقِ را چوں آبِ دانِ صا و زلال و ندر و تابانِ صفاتِ ذوا بجلال

علمِ شان و عدلِ شان و لطفِ شان چوں ستارہ چرخِ در آبِ روان

اس سب کے فرمانے کے بعد وہ محسوس کرتے ہیں کہ انسان کی تعریف اور اس کی قدر و قیمت کا بیان

اب بھی مکمل نہیں اور سچ پوچھئے تو کسی میں اس کے سننے کی تاب بھی نہیں۔

گر گویم قیمتِ آن متعین من بسوزم، ہم بسورد مستعین

اس رفعت و بلندی کے بعد خدا کے سوا انسان کا کون خریدار ہو سکتا ہے اور کون اس کی قیمت

لگا سکتا ہے، حیف ہے کہ انسان خود اپنی قیمت نہ جانے اور ہر قیمت پر ہر ایک کے ہاتھ بک جانے کے لئے

تیار ہو، وہ بڑی دل سوزی سے فرماتے ہیں۔

اے غلامتِ عقل و تدبیراتِ دہوش تو چرائی خویش را از ان فروش

پھر فرماتے ہیں کہ انسان کا سودا ہو چکا ہے، اللہ اس کا خریدار ہے اور وہی انسان کا سچا قدر دان ہے

مشریٰ ماست اللہ اشتری از غم ہر مشتری ہین بر تر آ

مشریٰ جو کہ جو یان تو است عالمِ آغاز و پایان تو است

لیکن یہ سب ان انسانوں کا تذکرہ ہے جو جوہرِ انسانیت سے آراستہ اور حقیقتِ انسانیت سے

آشنا ہیں ان انسان نما آدمیوں کا ذکر نہیں جو انسانیت کا خول اور صورت ہی صورت ہیں جو اپنے نفس کے

مائے ہوئے اور خواہشاتِ نفس کے ققیل ہیں، یہ آدمی نہیں ہیں آدمی کی بے جان تصویریں ہیں۔

ایں نہ مردانند اینہا صورت اند مردہ نان اند و کشتہ شہوت اند

۵۶۲ ۵۶۱ ایضاً ۵۶۰ ایضاً ۵۵۹ ایضاً

ہر زمانہ کی طرح مولانا کے زمانہ میں بھی یہ حقیقی انسان کیاب اور عنقا صفت تھا، عام طور سے وہی انسان ملتے تھے، جو چوپایوں اور درندوں کے اخلاق رکھتے تھے، مولانا ان بہائم صفت اور درندہ خصلت انسانوں سے اکتا گئے تھے، اور ان کو "انسان" کی تلاش تھی، اپنی تلاش تھی، اپنی تلاش کا واقعہ ایک دلچسپ مکالمہ کی شکل میں بیان فرماتے ہیں۔

دی شیخ با چراغ ہی گشت گردِ شہر
کز وام و دو ملولم و انسا نم آرزوست
زین ہمران سُست عناصرِ دلِ گرفت
شیر خدا و رستم و ستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست

دعوتِ عمل

مولانا کا تصوف اور ان کی تلقین، تعطل، بے عملی اور رہبانیت کی مبلغ نہیں، وہ عمل، جدوجہد، کسب اور اجتماعی زندگی کے داعی اور مبلغ ہیں، رہبانیت اور ترک دنیا کو اسلام کی روح کے منافی اور تعلیمات نبوت کا مخالف سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اگر اجتماعی زندگی مطلوب نہ ہوتی تو جمہور و جماعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کیوں ہوتی، فرماتے ہیں۔

مرغ گفتش تو اجد در خلوت مالیت
دین احمد را ترتیب نیک نیست
از ترتیبِ نبی فرمود آن رسول
بدعتے چوں در گرفتے اے فضول
جو شرط است و جماعت در نماز
امر معروف و ز منکر احتراز
در میان امت مرحوم باش
سنت احمد مہل محکوم باش

ان کے زمانہ میں توکل تعطل محض کامرادت بن کر رہ گیا تھا، کسی قسم کی احتیاط و انتظام توکل

کے منافی سمجھا جاتا تھا، اور بری نظر سے دیکھا جاتا تھا، مولانا نے توکل کا شرعی مفہوم بیان کیا، اور کسب کی ترغیب دی، اور اس کی فضیلت بیان کی "اعقلھا وتوکل علی اللہ" کا مضمون حدیث بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

گفت پیغمبر باواز بلند با توکل زانویے اشتربہ بند
 رمز الکاسب حبیب اللہ فتو از توکل در کسب کاہل مشو
 رُو توکل کن تو با کسب لے عمو جہد می کن، کسب می کن موبو
 جہد کن جدے نمانا وار ہی در تو از جہدش بمانی ابلی

انہوں نے کمزور جانوروں کی زبان سے توکل و تعطل کے وہ تمام دلائل نقل کر دیئے ہیں جو عام طور پر ضعیف الہمت اشخاص پیش کیا کرتے ہیں، یہ دلائل بڑے معقول اور روزنی معلوم ہوتے ہیں، پھر ان تفصیل سے جواب دیا ہے، شکر کا جواب مولانا کے اصلی خیالات کا آئینہ ہے۔

شکر کی زبان سے وہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کو جو اعضاء و جوارح اور جو صلاحیتیں اور طاقتیں دی گئی ہیں، ان سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے کوشش اور جدوجہد مطلوب ہے، اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ہاتھ میں کدال یا پھاوڑا دے دے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ زمین کھودے، یا چٹان توڑنے اس کے لئے زبان سے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، اسی طرح جب ہم کو ہاتھ پاؤں اور کام کرنے کی قدرت دی گئی ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں اور جسمانی قوت سے کام لیں اور اپنے ارادہ و اختیار کو عمل میں لائیں، اس بنا پر سعی و عمل اور کسب و جہد عین خدا کی مرضی اور فطرت کا اشارہ ہے اور تعطل اور ترک عمل نشائے الہی کے خلاف اور کفرانِ نعمت ہے، صحیح توکل یہ ہے کہ کوشش میں کمی نہ کی جائے اور نتیجہ کے بائے میں خدا پر بھروسہ کیا جائے، کیونکہ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے، فرماتے ہیں:-

لے اوننی باندہ دو پیرا شکر پر توکل کرو

گفت شیر آری دلے رب العباد
 نروبانے پیش پائے ما نہاد
 پایہ پایہ رفت باید سوئے بام
 است جبری بودن اینجا طمع خام
 پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ
 دست داری چوں کنی پنهان تو چنگ
 خواجہ چوں بیلے دست بندہ داد
 بے زبان معلوم شد اورا مراد
 چوں اشارتہاش را بر جان نہی
 در وفائے آن اشارت جان دہی
 پس اشارت ہاش اسرار ت دہد
 بار بردار و ز تو کارت دہد
 سعی شکر نعمت قدرت بود
 جبر تو انکار آن نعمت بود
 شکر نعمت نعمت افزون کند
 کفر نعمت از کفایت بیرون کند
 ہاں محسب اے جبری بے اعتبار
 جز بزیراں درخت میوہ دار
 تا کہ شاخ افشاں کند ہر لحظہ باد
 بر سر خفتہ بریز و نقل و زاد
 گرتو کل می کنی دو کار کن
 کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

پھر شیر کی زبان سے وہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ جدوجہد اور سعی و عمل سنت انبیاء اور طریق اولیاء ہے، پھر وہ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ مال و اولاد دنیا نہیں ہے جس کی شریعت میں مذمت ہے اور جو خدا کی رحمت سے دور ہے وہ عقلیت کی زندگی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

شیر گفت آئے و لیکن ہم ہیں
 جہد ہائے انبیاء و مرسلین
 حق تعالیٰ جہد شان را راست کرد
 انچہ دیدند از جفا و گرم و سرد
 جہد می کن تا توانی اے کیا
 در طریق انبیاء و اولیاء
 چسیت دنیا از خدا غافل بدن
 نے قماش و نقرہ فرزند وزن

مال را گر بہر دین باشی جمول نعم مال صانع گفت آن رسول
 جہد حق است و دوا حق است و د منکر اند نفعی جہدش جہد کرد

وہ صرف اپنے زمانہ کے عوام ہی پر تنقید نہیں کرتے، اور صرف ان غلطیوں ہی پر نہیں ٹوکتے جن کا تعلق علمی اور دینی حلقوں سے ہے، بلکہ وہ پوری جرأت کے ساتھ اس طبقہ کی بھی تنقید کرتے ہیں، جن کے ہاتھ میں زمام حکومت تھی، وہ بر ملا اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ حکومت نااہلوں کے ہاتھ میں آگئی ہے اور بازیچہ اطفال بن گئی ہے، مطلق العنان شخصی سلطنت کے زمانہ میں یہ تنقید بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے، مگر مولانا کی حق گو زبان خاموش نہیں رہتی، وہ فرماتے ہیں۔

حکم چوں بردست زنداں اوقناد لاجرم ذوالنون بزندان اوقناد
 چوں قلم بردست غدارے بود لاجرم منصور بردارے بود
 چوں سفیہاں را بود کار و کیا لازم آمد یثیثون الانبیاء

حکومت کے غلط ہاتھوں میں ہونے کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے اپنے زمانہ کی شکایت فرماتے ہیں۔

حکم چوں دردست گمراہے بود جاہ پندارید و در چاہے فناد
 احقان سردر شدتند وز بیم عاقلان سراکشیدہ در گلاہیم

عقائد و علم کلام

مولانا نے عقلیات و حیات پر صرف تنقید اور اپنے زمانہ کے علم کلام کی بے اعتدالی، ظاہر پرستی اور لفظی معرکہ آرائی پر گرفت ہی نہیں کی، اور صرف باطنی احساسات و وجدان اور روح سے کام لینے اور عشق کی دعوت دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کلامی مسائل و مشکلات کو اپنے مخصوص انداز سے حل کرنے

اور اپنے مخصوص پیرایہ میں بیان کرنے اور دل نشیں کرنے کی کوشش بھی کی ہے، گویا مولانا کی دعوت اور ان کا فلسفہ صرف سلبی اور ناقہدانہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایجابی اور معلمانہ بھی ہے، جن مسائل کے حل کرنے میں علم کلام کے بازو نشل ہو کر رہ گئے ہیں اور جن گتھیوں کے سلجھانے کی کوشش میں اور بے شمار گتھیاں پڑ گئی ہیں، مولانا ان مسائل کو اس طرح بیان کر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی پیچیدگی ہی نہیں تھی، اور وہ بدیہی حقائق اور روزمرہ کی زندگی کی باتیں اور واقعات ہیں، مولانا کا خاص طرز یہ ہے کہ وہ دماغ کو شکست دینے کی اور مخاطب کو لاجواب کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ اپنی بات کو اس کی خوشی اور رضامندی سے دل میں بٹھانے اور ذہن میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اور مخاطب کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ بات پہلے سے اس کے دل میں تھی، اور مولانا نے اس کی ترجمانی کی ہے، اس طرز کلام کا نتیجہ ہے کہ فتویٰ سے دینی اصول و عقائد اور حکمانہ مسائل و مباحث کے بارہ میں ایسا اذعان، شرح صدر اور اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے، جو علم کلام کے پورے کتب خانہ سے نہیں پیدا ہوتا، اس کے ساتھ ساتھ ایک ذوق و سرور بھی پیدا ہوتا ہے، جو ایک صاحبِ یقین اور صاحبِ عشق ہی کے کلام سے پیدا ہو سکتا ہے۔

مولانا اگرچہ اشعری مکتب خیال کے ایک کہنہ مشق استاد اور قمبر عالم ہیں، مگر وہ اپنے ذاتی تجربہ اور موہبت ربانی سے عقائد و کلام میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں، اور ایک نئے علم کلام کے بانی ہیں، ان کی روش عام متکلمین اور علمائے عقائد سے بالکل علیحدہ ہے، اور نسبتاً قرآن مجید کے طرز استدلال اور فطرت سلیم سے زیادہ قریب ہے۔

وجود باری

وجود باری کا مسئلہ علم کلام اور تمام مذاہب کا معرکہ آرا اور بنیادی مسئلہ ہے، قدیم علم کلام نے اس کے جو دلائل دیئے ہیں، وہ محض منطقی ہیں، ان سے اذعان اور یقین کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ

زیادہ آدمی لاجواب ہو کر رہ جاتا ہے، قرآن مجید کا طرز یہ ہے کہ وہ اس بارہ میں انسان کی فطرتِ سلیم کو اکساتا ہے اور اس پر اظہارِ اعتماد کر کے اس کے سوئے ہوئے احساس کو بیدار کر دیتا ہے، وہ پیغمبر کی زبان سے بے ساختہ کہلواتا ہے۔

أَنَّىٰ اللَّهُ شَافِقًا فَلْيَدْرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ ۖ بَعْدَ الشَّرِّ كَإِبْرَاهِيمَ ۚ يَشْكُرُ مَا يُؤْتِيهِ

(ابراہیم - ۱۰) زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اس بیباختگی اور استعجاب سے انسان کی فطرت چونک پڑتی ہے اور وہ اپنا صحیح کام کرنے لگتی ہے، پھر زمین و آسمان کی پیدائش سے پیدا کرنے والے مصنوعات سے صنایع اور آثار سے موثر کی طرف توجہ دہری ہو جاتی ہے، اس کے قرآن مجید میں یہی طرز استدلال ملے گا کہ اللہ کی نشانیاں دیکھو، اور مخلوقات سے خالق، اور مصنوعات سے صنایع تک پہنچو، قرآن کے نزدیک خدا کی معرفت کا یہی یقینی، مختصر اور بے خطر راستہ ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ

حَقِّ يَتَّبِعُونَ لَّهُمْ آتَاةَ الْفَلَقِ ۚ وَهُوَ مُخْتَصِمٌ

بِرَبِّكَ أَنَّمَا عَلَّمَ طَائِفًا مِّنْهُم

(الحجر السجدہ - ۳۷) پرگواہ ہونے کے لئے۔

مولانا نے بھی ثنوی میں یہی طرز استدلال اختیار کیا ہے، وہ جا بجا کائنات سے خالق کائنات کے وجود پر استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن کرنے والوں کا ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا، مگر جو کچھ ہوتا ہے، یہ خود اس کی دلیل ہے کہ اس پر وہ کے چھپکوتی کرنے والا ہے، لیکن فعل ظاہر اور فاعل مخفی ہے۔

دست پنهان و قلم میں خط گزار
اسپہ درجوان و تاپید اسوار

تیر پیدا میں و تا پیدا کسان جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان
لیکن حرکت خود محرک کے وجود کی دلیل ہے، اگر کہیں ہوا کی سننا ہٹ ہے تو سمجھ لو کہ ہوا کا چلانے والا بھی ہے۔

باد را دیدی کہ می جنبہ بدان باد جنبانیست اینجا باد راں
پس یقین در عقل ہر دانندہ ہست این کہ با جنبیدہ جنبانندہ ہست
اگر تمہیں موثر نظر نہیں آتا تو آثار تو نظر آتے ہیں ان آثار سے سمجھ لو کہ موثر ضرور ہے جسم میں حرکت و زندگی روح سے ہے، روح اگرچہ نظر نہیں آتی، مگر جسم کی حرکت اس کا ثبوت ہے۔

گر تو اور امی نہ بینی در نظر فہم کن آن را با ظہار اثر
تن بجان جنبہ نمی بینی تو جان لیک از جنبیدن تن جان بدان
موثر کے لئے اس کے آثار اور صالح کے لئے اس کے مصنوعات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟
آفتاب کے وجود کے لئے اس کی روشنی سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہے؟

خود نباشد آفتابے را دلیل جز کہ نور آفتاب مستطیل
پھر کائنات صرف موجود ہی نہیں ہے، بلکہ منظم، باقاعدہ اور مرتب ہے، ہر چیز اپنے چوکھٹے میں جڑی ہوئی ہے، سیاروں کی گردش کا ایک نظام ہے، آفتاب و ماہتاب کے لئے بھی اصول و ضوابط ہیں، ابر و باد بھی پیلے بے زنجیر نہیں کہ جدھر کو چاہیں، اُدھر کو چل دیں، ان کے لئے بھی تازیانہ مقرر ہے، اگر ذرا سرتابی کریں، فوراً گوشمالی کی جائے، یہ نظام و ترتیب صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ کائنات کے اوپر کائنات کا خالق اور مدبر ہے، اور وہ حکیم و علیم بھی ہے، اور کائنات اس کے اختیار و انتظام سے کسی وقت خارج نہیں۔

۱۰۰ شوی ۱۰۰ ۱۰۰ ایضا ۱۰۰ ایضا ۱۰۰ ایضا

گرمی بینی تو تند بروتدر در عناصر گردش و جوشش نگر
 آفتاب و ماہ دو گاہ و خراس گرمی کردند وی دارند پاس
 اختران ہم خانہ خانہ می روند مرکب ہر نفس و سعدے می شوند
 ابر را ہم تازیانہ آتشیں مجا زند کہ بان چنین رونے چنین
 بر فلان وادی بار این سو بار گوشمالش می دهد کہ گوش دار

پھر وہ فرماتے ہیں کہ اس کائنات کو خالق کائنات نے اپنے فائدہ کے لئے نہیں پیدا کیا، بلکہ انسان کے فائدہ اور اس کی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے اس طرح وہ خلق عالم کی مصلحت کو جس میں فلاسفہ و تکلمیں سرگرداں ہیں بڑے دل نشین پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اس میں بھی ان کا البیلا پن اور سرور و متی موجود ہے۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ مست قصد من از خلق احسان بودہ
 آفریدم تاز من سو دے کنند تاز شہدم دست آلودے کنند
 نے برائے آن کہ من سو دے کنم در برہنہ من قبائے بر کنم
 من نہ کردم خلق تا سو دے کنم بلکہ تا بر بندگاں جو دے کنم

نبوت اور انبیاء

انبیاء علیہم السلام کا تعارف وہ خود ان کی زبان سے کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ طیبیان الہی اور معالجین قلوب ہیں طیب نبض سے دل تک پہنچتے ہیں انبیاء براہ راست دل تک پہنچ جاتے ہیں طیبیوں نے صحت جسمانی کے بقا اور انبیاء دونوں کی شفا اور اخلاق و اعمال کی اصلاح اور اعتدال پر توجہ دی ہے

ما طیبیا نیم شاگردان حق بحر قلزم دید ما را انا نفلق

آن طبیبان طبیعت دیگر اند
 کہ بدل از نبضے بنگرند
 مابدل بیواسطہ خوش بنگریم
 کہ فراست بہ اعلیٰ منظریم
 آن طبیبان غذا نید و شمار
 جان حیوانی بدیشاں استوار
 آن طبیبان نعالیم و مقال
 ملہم ما پر تو نور جلال
 کایں چنین فعلے ترا نافع بود
 واں چناں فعلے زرہ قاطع شود
 ایں چنین قولے ترا پیش آورد
 واں چناں قولے ترا نیش آورد
 آن چناں واں چناں از نیک بد
 پیش تو بنیم و بنا نیم جد
 آن طبیبان را بود بوسے دلیل
 ویں دلیل ما بود وحی جلیسل

دلائل نبوت میں بھی وہ عقلی دلائل و مقدمات سے استدلال کرنے کے بجائے عموماً مذوقی اور وجدانی دلائل سے استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کی ہر ادراک تلافی ہے کہ وہ پیغمبر ہے وہ سرتاپا اعجاز ہوتا ہے دیکھنے والوں کے لئے (بشرطیکہ ان میں عناد اور تکبر نہ ہو) وہ خود اپنی نبوت کا دلیل ہوتا ہے یہی وہ چیز ہے کہ عبداللہ بن سلام نے جمال جہان آرا پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ فرمایا تھا۔

وَ اِنَّ هٰذَا لَیْسَ بِوَجْہٍ کَذٰبٍ
 بخدایہ کسی دروغ گواہی نہیں ہو سکتا۔

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ آست
 رود آواز پیغمبر معجزہ است

وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اور امت کے ضمیر میں ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ پیغمبر کو کچھ کہتا ہے، امت کا ضمیر اس پر آمنا و صدقنا ہی پکارتا ہے، امت کا ضمیر پیغمبر کی ہر صدا پر وجد کرتا ہے اس لئے کہ وہ صد ایسی دلکش، ایسی معصوم اور دنیا میں ایسی انوکھی اور نرالی ہے کہ اس میں اور کسی صدا اور دعوت میں کوئی مناسبت اور کسی اشتباہ کا موقع نہیں، فرماتے ہیں۔

چوں پیمبر از بروں بانگے زند جان امت در دروں سجدہ کند
 زانکہ جنس بانگ او اندر جہان از کسے نشنیدہ باشد گوش جان
 آن غریب از ذوق آواز غریب از زبان حق شنود اتی قریبے

وہ کہتے ہیں کہ سننے والوں کو پیغمبر کی صداقت کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ان کا کہنا دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی اور نظام عالم اسی پر قائم ہے پیاسے کو (بشرطیکہ سچی پیاس ہو) پانی کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ پانی کا ثبوت نہیں مانگتا، بچہ کو ماں دودھ پلانا چاہتی ہے تو وہ دہلی کا انتظار نہیں کرتا طلب اور محبت اعتماد اور پیش قدمی کے لئے کافی ہے۔

نشہ را چوں گوی تو شتاب در قدح آب است بتان زد آب
 ایچ گوید نشہ کیں دعویٰ است رد از برم اے مدعی! ہجور شو
 یا بطفل شیر مادر بانگ زد کہ بیاسن مادر مہاں اے ولد
 طفل گوید مادر اجنت بیار تاکہ باشیرت بگیرم من قرار

ان کے نزدیک معجزہ موجب ایمان نہیں ہے، یعنی ضروری نہیں کہ معجزہ دیکھنے والا ایمان لے ہی آئے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ معجزہ دیکھ کر ایمان لانے والوں کے نام سیرت میں شکل سے ملیں گے، مشاہیر صحابہ وہی ہیں جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لائے تھے اور اصل ایمان ان ہی کا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ معجزات تو مغلوب اور لاجواب کرنے کے لئے ہیں اور جو مغلوب و لاجواب ہوتا ہے، وہ مشکل سے یارِ غار اور جان نثار بنتا ہے، اصل کشش اور تسخیر کی چیز جنسیت اور مناسبت ہے۔

موجب ایمان نباشد معجزات بوائے جنسیت کند جذب صفت

اہ فتویٰ منہا یہ ایضاً

معجزات از ہیر قہر دشمن است بولے جنسیت سوے دل بردن است
قہر گرد و دشمن، اما دوست نے دوست کے گرد بہتہ گردنے

انبیاء کے تذکرہ میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ بڑے غیور اور خود دار ہوتے ہیں، ان سے استفادہ کے لئے ادب اور نیاز مندی شرط ہے، وہ سلطان مزاج ہیں، ان کا منصب یہ ہے کہ وہ فرمائیں اور دوسرے سنیں، معارضہ اور مجادلہ محرومی کا باعث اور حجاب اکبر ہے۔

گر ہزاراں طالب اندو یک لول از رسالت بازمی ماند رسول
ایں رسولان ضمیر راز گو مستمع خواہند، اسرافیل خو
نخوتے دازند و کبرے چون شہان چاکری خواہند از اہل جہان
تا ادبہا شان بجاگ نادری از رسالت شان چگونہ بر خوری

فرماتے ہیں کہ اور ایسا کیوں نہ ہو یہ بھی تو دیکھو کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کس کا پیام لائے ہیں۔
ہر ادب شان کے ہی آید پسند کا بندیشان ز ایوان بلند

معاد

مولانا کے نزدیک موت حقیقی زندگی کا پیش خیمہ اور انسان کی ترقی کا زینہ ہے، آبادی ویرانی کے بغیر ممکن نہیں، خزانہ جب ہی دستیاب ہوتا ہے، جب زمین کھودی جاتی ہے، جب بنے ہوئے مکان کو ویران کیا جا رہا ہو تو سمجھ لو کہ دوبارہ آباد کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔

شاہ جان جسم را ویران کند بعد ویرانیش آبادان کند
کرد ویران خانہ ہیر گنج و زر وز بہان گنجش کند معمور تر

۱۹۱۹ء ۱۹۱۹ء ۱۹۱۹ء ۱۹۱۹ء ۱۹۱۹ء

اس جسم خاکی کی شکست ایک بڑی تعمیر کی علامت ہے، کلی کے چکنے سے سمجھ لینا چاہئے کہ پھل آنے والے ہیں۔

چون شگوفہ ریخت میوہ بسر کند چونکہ تن بشکست جان سر بر کند
وہ جو ادسطلق، وہ فیاض برحق، جان جیسی دولت سے کر کیسے بالکل چھین لے گا، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ وہ زار و زار جان لے کر زندگی جاوداں عطا فرمانا چاہتا ہے، وہ اس خاکدان سے نکال کر وہ نعمتیں عطا فرمانا چاہتا ہے، جو وہم و خیال میں کبھی نہیں ملائین رات ولا اذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر۔

آن کے لاکھ کر چیں شاہے کشد سوائے تخت و بہترین جاہے کشد
نیم جان بستاند و صد جان دہد انچہ دروہمت نیاید آن دہد
ترقی کے مدارج عالیہ کے لئے فنا اور نیستی ضروری ہے، کبھی کسی نے اگلی تختی دھوئے اور پرانے نقش مٹائے بغیر تختی لکھی ہے؟ کبھی مٹی نکالے بغیر زمین کے اندر سے پانی نکلا ہے؟ لکھنے کے لئے آدمی سادہ کاغذ اور بونے کے لئے آدمی خالی زمین ڈھونڈتا ہے۔

لوح را اول بشوید بے وقوف آنگے بروے زوید او حروف
وقت شستن لوح را باید شناخت کہ مرآن را دفترے خواہند ساخت
چون اساس خانہ آتوا گفتند اولین بنیاد را بر می گفتند
گل بر آرد اول از قعر زمین تا باخر بر کشی ما بر حسین
کاغذ سے جوید کہ آن بنوشن نیست تم کار د موضعے کہ کشت نیست

نیستی ہی، نیستی کا استحقاق پیدا کرتی ہے اور خالق کی رحمت کو جوش میں لاتی ہے، منعم

ہمیشہ فقیروں ہی پر سخاوت کرتے ہیں۔

ہستی اندر ہستی بتواں نمود الم داران بر فقیر آرنند جو د
تم خود اپنی حالت پر غور کرو، تم برابر ارتقا کے منازل طے کرتے آئے ہو، اور لوٹ پھوٹ کا
سلسلہ برابر جاری رہا ہے، تم نے ایک جاہل ہستی اتارا، دوسرا اپنا، ایک فنا سے تم نے بقا عاں
کیا، اگر تم پہلی حالت پر رہتے، تو تم کو یہ ترقی و کمال کہاں سے حاصل ہوتا، اور تم آب و گل میں مقید رہتے،
اب آخری ترقی سے کیوں گھبراتے ہو، اور تمہارا طاہر روح نفسِ عنصری سے نکلے ہوئے کیوں ڈرتا ہے۔

توازن روزے کہ درہست آمدی	آتشے یا خاک، یا بادے بدی
گردان حالت ترا بودے بقا	کہ وسیدے مژرا این ارتقا
از مبدل ہستی، اول نساند	ہستی دیگر بجائے اوفشانند
این بقا، از فنا یا ہستی	از فنایش رو چرا بر تافتی
این فنا، چه زیان بودت کتا	بر بقا چھسیدہ اے بے لوائے

اس لئے دراصل موت، موت نہیں زندگی کی تہید ہے، اور مرنے کا دن مومن کے لئے شامِ غم

نہیں صبحِ حید ہے۔

آزمودم مرگ من در زندگی است چون رہم زین زندگی پابند گیت^{۳۴}
عارفوں کی موت کو عایوں کی موت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، ان کو اس جہانِ فانی سے
چھوٹنے کا غم نہیں ہوتا، موت ان کے لئے مزدہ جان نغز، اور موت کا جھونکا ان کے حق میں بادِ بہاری
بن کر آتا ہے، قومِ عاد پر جو ہوا چلائی گئی تھی، وہ حضرت ہود اور ان کے ساتھیوں کے لئے نسیم بن گئی تھی۔
ہوڈ گرد مومناں خطے کشید نرمی شد باد کا نجای رسید

پہنچین باواہل باعارفان نرم و خوش بچو نسیم بوستان

جبر و اختیار

جبر و اختیار کی بحث علم کلام کی مشکل ترین بحثوں میں سے ہے، ایک فرقہ اختیار کا منکر اور جبر محض کا قائل ہے، اور عقائد و فرق کی تاریخ میں جبر یہ کے لقب سے مشہور ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ اگر انسان مجبور محض ہوتا، تو وہ خدا کی طرف سے امر و نہی کا مخاطب کیوں بنتا، اور شریعت کے احکام اس کی طرف کیوں متوجہ ہوتے، کیا کسی نے کسی پتھر کو بھی حکم دیتے سنا ہے۔

جبر لیں گوید کہ امر و نہی راست اختیار نے نیست دین جملہ خطا است

جملہ قرآن امر و نہی است و عید امر کردن سنگ مرمر را کہ دید

فرماتے ہیں کہ اختیار کا عقیدہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اور وہ روزمرہ کی زندگی میں اس عقیدہ کا اقرار اور جبر کا انکار کرتا رہتا ہے، کسی پر چھت کی لکڑی گر جاتی ہے تو اس کو چھت پر غصہ نہیں آتا، سیلاب سامان بہا لے جاتا ہے تو کسی کو اس پر غصہ اتارتے نہیں دیکھا گیا، ہوا کسی کی پگڑی اڑا لے جاتی ہے تو کوئی ہوا سے نہیں لڑتا، سب جانتے ہیں کہ یہ مجبور و بے تصور ہیں، البتہ انسان کے ساتھ انسان کا یہ معاملہ نہیں، گویا صرف وہی صاحب اختیار ہے۔

گر ز سقہ خانہ چوبے بشکند بر تو افتد سخت بجزوحت کند

یہی خشنے آیدت بر چوب سقہ یہی اندر کین او باشی تو وقت

کہ چرا بر من زد و دستم شکست با چرا بر من فتاد و کرد پست

واں کہ قصد عورت تو می کند صد ہزاراں خشم از تو سرزند

در بیاید سیل رخت تو برد بیچ یا سیل آورد گیتی خرد
گر بیاید باد و دستارت رلود کے ترا با باد، دل خستے نمود
خشم در تو شد بیان اختیار تانہ گوئی جبر یا نہ اعتذار

وہ ایک قدم آگے بڑھا کر فرماتے ہیں کہ جانور تک جبر و قدر کے مسئلہ سے فطری طور پر واقف ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ آلات و جہادات کا کچھ قصور نہیں، کتے کو بھی اگر پتھر مارا جائے تو وہ پتھر پر نہیں بکتا، بلکہ انسان کے پیچھے دوڑتا ہے، شتربان اونٹ کو مارتا ہے تو اونٹ کو لکڑی پر غصہ نہیں آتا، شتربان سے انتقام لینا چاہتا ہے، جب حیوان تک اس حقیقت سے واقف ہیں تو انسان کو جبری بننے سے شرم آنی چاہئے۔

ہمیں گر برسگے سنگے زنی بر تو آرد رود گرد و منثنی
گر شتربان اشترے رامی زند آن شتر قصد زندہ می کند
خشم اشتریست با آن چوپا و پس ز مختاری، شتر بردہ است بو
عقل حیوانی چو دانست اختیار این گواے عقل انسان شرم دار
روشن است این لیک ز طعم سحر آن خوردند چشم بر بند ز نور
چونکہ کلی میل آن نان خورد نیست رو بہ تاریکی کند کہ روز نیست

علت و معلول

اسباب و علل کے بارہ میں اسلامی فرقوں میں بڑی افراط و تفریط تھی، حکما کے نزدیک کائنات میں علت و معلول کا سلسلہ قائم ہے اور طول کبھی علت، سبب کبھی سبب سے مختلف نہیں ہو سکتا، معتزلہ بھی اس رکن سے بڑی حد تک متاثر نہیں، ان کا بھی رجحان یہی ہے کہ جو چیز جس کی علت مان لی گئی، جس شے کا

جو خاصہ اور اثر تسلیم کریا گیا، اس میں تغیر و انقلاب کا بہت کم امکان ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بڑی مشکل سے خرد عادت کا وجود تسلیم کرتے ہیں، اور کسی شئی کے اپنے خاصہ کے خلاف وقوع پذیر ہونے اور کسی حادثہ کے غیر سبب کے وجود میں آنے کو بہت بعید سمجھتے ہیں، اشاعرہ دوسرے سرے پر ہیں، ان کے نزدیک کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں، نہ کسی شئی میں کوئی خاصہ اور تاثیر ہے، اس بے اعتدالی اور انتہا پسندی سے بھی نقصان پہنچا، اور ہر شخص کو ہر بات کہنے اور اسباب کے انکار و ترک کا بہانہ مل گیا، اور اس کے ایک بے نظمی اور تعطل پیدا ہوا۔

مولانا کا مسلک ان دونوں سروں کے درمیان ہے، وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسباب کی ایک حقیقت ہے، اور علل و معلومات، اسباب و مسببات کا ایک سلسلہ ہے جس کا انکار نہ ممکن ہے، نہ معقول، عام سنتہ الشریہی ہے کہ مسببات اسباب کے تابع ہوں، اور اشیاء سے ان کے خواص برآمد ہوں، البتہ خرق عادت ممکن ہے، اور کبھی کبھی اس کا وقوع ہوتا ہے، فرماتے ہیں:۔

بیشتر احوال بر سنت رود گاہ قدرت خارق سنت شود

سنت و عادت نہادہ بامزہ باز کردہ خرق عادت مجزہ

بے سبب گرز با موصولیت قدرت از عزل سبب معزولیت

عام لوگ انہی اسباب کو دیکھتے ہیں، اور معذور ہیں کہ ان کو کچھ اور نظر نہیں آتا۔

حاصل آنکہ در سبب پمپیدہ لیک معذوری ہمیں را دیدہ

فرماتے ہیں کہ بیشک قطع اسباب مناسب نہیں، اسباب کی ایک حقیقت ہے، لیکن سبب الاسباب کے

بھی بالاتر حقیقت ہے، وہ سبب الاسباب رب الاسباب اور قادر مطلق ہے، اس طرح اسباب پرستی

نہ کرنے لگو کہ قادر مطلق کو بالکل معزول و معطل سمجھنے لگو۔

اے گرفتارِ سبب بروں پر
لیک عزلِ آن سبب ظنِ مبر
ہرچہ خواہد آن سبب آورد
قدرتِ مطلق سببہا بردرد

یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اسبابِ صرف وہی نہیں ہیں جو ہمارے علم اور مشاہدہ میں ہیں بلکہ ان اسبابِ ظاہری سے اوپر کچھ اسبابِ اور ہیں، جو ہماری نظر سے اوجھل ہیں، یہ اسبابِ باطنی ان اسبابِ ظاہری کے لئے اس طرح سے سبب اور محرک ہیں، جس طرح یہ اسبابِ ظاہری مستببات و نتائج کے لئے سببِ حقیقی اسبابِ ظاہری کو بھی متحرک و عامل کر دیتا ہے، اور کبھی بیکار و محطل کر کے رکھ دیتا ہے، سب سے اعلیٰ اور اصل سبب ارادہ الہی اور امر الہی ہے۔

سنگ بر آہن زنی آتش جہد
ہم با برحق قدم بیروں نہد
سنگ و آہن خود سبب آمد و نیک
تو بالاترنگراے مرد نیک
کایں سبب را آن سبب آورد پیش
بے سبب کے شد سبب ہرگز خویش
ایں سبب را آن سبب عامل کند
باز گا ہے بے پردہ عامل کند

ہم جس طرح ان اسبابِ ظاہری کو جانتے پہچانتے ہیں، انبیائے کرام ان اسبابِ حقیقی کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

واں سبب ہا کا بنیاد را بر آست
آن سببہا زین سببہا بر تراست
ایں سبب را محرم آمد عقل ما
واں سببہا راست محرم انبیاء

وہ اسبابِ حقیقی اسبابِ ظاہری کے حاکم اور ان پر غالب ہیں۔

ہست برابر اسبابِ اسبابِ دگر
در سبب منگرد راں انگن نظر

یہ اسبابِ ظاہری اسبابِ حقیقی کے سامنے بہت حقیر و ضعیف ہیں، معاملہ حقیقی اسبابِ ہی سے وابستہ ہے

ایں سبب ہجو مرہض است و علیل
ایں سبب ہجو چراغ است و فقیل
شب چراغ ترقیلے تو تباب
پاک دان زینہا چراغ آفتاب

انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں چونکہ ساری دنیا اسباب ظاہری میں اکھی ہوئی ہے اور اسباب پرستی اپنے پورے عروج پر ہوئی ہے خالق اسباب اور اس کی قدرت مطلقہ بالکل نگاہوں سے اوجھل اور دماغوں سے محو ہو چکی ہوئی ہے اور عالم کا عالم شرک اور ظواہر و مظاہر پرستی میں گرفتار ہوتا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام اسباب پر ضرب لگاتے ہیں اور اسباب کے بجائے سبب اور قادر مطلق کی طرف متوجہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے ہاتھوں سے سلسلہ اسباب کے بالکل خلاف واقعات ظاہر کر کے اور معجزات دکھا کر اسباب کی بے حقیقتی اور کمزوری ظاہر کرتا ہے۔

انبیاء در قطع اسباب آمدند
مجزات خویش بر کیوان زدند
بے سبب بر بحر ایشکا فتند
بے زراعت چاش گندم یافتند
رگیا ہم آرد شد از سعی شان
پشم برابر شیم آمد کشکشان
جلد قرآن است در قطع سبب
عز و دلش و ہلاک بولہبے

لیکن اللہ تعالیٰ کی عمومی عادت اور سنت جاریہ اسباب سے مسببات کا وجود ہے اور اس سے بندوں کو سعی و تعلیم مقصود ہے۔

یک غلب بر سبب راند نفاذ
تا بد اند طالے جستن مراد

اسی انداز پر مولانا ان تمام کلامی مسائل اور مذہب کے اصول و عقائد کی تشریح اور تعلقین کرتے چلے جاتے ہیں جن کو مشکلمین و اشاعرہ کے مناظرانہ طرز استدلال اور فلاسفہ کی طلسم آرائی نے پستان او نہایت خشک اور محدود موضوع بحث بنا دیا تھا مولانا نے ان مباحث و حقائق کو علم کلام اور فلسفہ

کے تنگ کوچے سے نکال کر عام فہم اور عقل سلیم کے وسیع آفاق میں لے جا کر بحث کی، اور دل نشین مثالوں، عام فہم نکتوں اور سادہ و موثر طرز بیان سے ان کو روزمرہ کی حقیقت اور زندگی کا واقعہ بنا دیا۔

ثنوی کا اثر

ثنوی نے عالم اسلام کے افکار و ادبیات پر بڑا گہرا اور دیر پا اثر ڈالا اسلامی ادب میں ایسی شاذ و نادر کتابیں ملیں گی جنہوں نے عالم اسلام کے اتنے وسیع حلقے کو اتنی طویل مدت تک متاثر رکھا ہے، چھ صدیوں سے مسلسل دنیائے اسلام کے عقلی، علمی، ادبی حلقے، اس کے نعروں سے گونج رہے ہیں، اور وہ دماغ کو نئی روشنی اور دلوں کو نئی حرارت بخش رہی ہے، اس سے ہر دور میں شاعروں کو نئے مضامین، نئی زبان، نیا اسلوب ملتا رہا، اور وہ ان کے قوائے فکر اور ادبی صلاحیتوں کو ابھارتی رہی، معلمین و متعلمین کو اپنے زمانہ کے سوالات و شبہات کو حل کرنے کے لئے اس سے نئے نئے دلائل، دل نشین مثالیں، دلائل و حکایتیں، اور جواب کی نئی نئی راہیں ملتی رہیں، اور وہ اس کے سہارے اپنے زمانہ کی بے چین طبیعتوں اور ذہین نوجوانوں کو مطمئن کرتے رہے، اہل سلوک و معرفت کو اس کے عارفانہ مضامین، دقیق و عمیق علوم اور سب سے بڑھ کر محبت کا پیغام اور سوز و گداز اور جذب و مستی کا سامان ملتا رہا، اور وہ ان کی خلوتوں اور انجمنوں کو صدیوں ترپاتی، اور گراتی رہی، اس لئے ہر دور کے اہل محبت اور اہل معرفت نے اس کو شمع محفل اور ترجمانِ دل بنا کر رکھا۔

اس کے مضامین کی تنقید سے بالاتر اور ہر قسم کی لغزش اور خطا سے مبرا نہیں، بہت سے فاسد العقیدہ صوفیوں اور اہل ہوس نے اس سے کبھی کبھی غلط فائدہ بھی اٹھایا ہے، وحدت وجود کے قائلین کو اب بھی اس سے اپنے مسلک کے لئے دلائل و شواہد مل جاتے ہیں، وہ بہر حال ایک

انسان کا کلام ہے جو معصوم نہ تھا، اور جس کے مضامین میں اس کے قلبی واردات اور خارجی تاثرات کو بھی دخل ہے، اس سب کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے وقت کا ایک بڑا علمی کارنامہ اور اسلام کی عقلی برتری اور اس کی غیر فانی زندگی کا ثبوت ہے، اس نے عالم اسلام کے فکری تعطل، علمی و ادبی جمود، اور تقلیدی ادب و علم کلام پر کاری ضرب لگائی، اور اسلام کے کاروانِ فکر کو جو ساتویں صدی میں آمادہ قیام اور نائل بہ آرام تھا، دوبارہ متحرک و سرگرم سفر کر دیا۔

اس کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں جب عالم اسلام پر دوبارہ مادیت و حسیت کا حملہ ہوا، اور یورپ کے نئے فلسفہ اور سائنس نے قلوب میں شکوک و شبہات کی تخم ریزی کی، اور ایمانیات و غیبیات کی طرف سے ایک عام بے اعتمادی پیدا ہونے لگی، اس کا رجحان بڑھنے لگا کہ ہر وہ چیز جو شاہدہ و تجربہ کے ماتحت نہ آسکے، اور جو اس ظاہری اس کی گرفت نہ کر سکیں، وہ موجود نہیں، عقائد کی قدیم کتابوں اور قدیم طرز استدلال و علم کلام نے اس کا مقابلہ کرنے سے معذوری ظاہر کی تو ثنوی نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا (جو یورپ کی مادی و سیاسی فتوحات سے کم خطرناک نہ تھا) کامیاب مقابلہ کیا، اور دلوں میں دوبارہ دینی و غیبی حقائق کی وقعت، علوم انبیاء کی عظمت، عالم غیب کی وسعت، اور قلب و روح، ایمان و وجدان کی اہمیت کا نقش قائم کر دیا اور فلسفہ و مادیت کے صدہا زخم خوردہ نوجوانوں اور قاضیوں کو جو اتحاد و ازداد کے دروازہ پر کھڑے تھے، یا ایمان و اسلام کی سرحد عبور کر چکے تھے، دوبارہ ایمان و یقین کی دولت عطا کی، ہندوستان میں ان اہل علم کی ایک بڑی تعداد ہے جو اس حقیقت کا صاف اعتراف کرتے ہیں کہ ان کو ثنوی کی بدولت دوبارہ دولت اسلام نصیب ہوئی اور وہ اس کے فیض سے مسلمان اور صاحب ایمان ہیں، بیسویں صدی کے سب سے بڑے مسلمان فلسفی اور فکری ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ

ذات نے شیخ رومی کے فیض و ارشاد اور اپنے تلمذ و استرشاد کا جا بجا اعتراف کیا ہے اور اس کا بڑا اظہار
یہ ہے کہ ثنوی نے ان کو ایک نئی روح اور ایک نیا جذبہ عطا کیا ایک جگہ فرماتے ہیں۔

پیر رومی مرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ و آفتاب خیمہ را از کہکشان ساز و طناب
نور قرآن در میان سینہ اش جامِ حم شرمندہ از آئینہ اش
از نئے آن نے نواز پاک زاد باز شورے در بہاد من قتاد
دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

رومی آن عشق و محبت را دلیل تشنہ کا مان را کلامش سلسبیل^۴

لیکن اس کے ساتھ وہ شکایت اور احتجاج کرتے ہیں کہ ایک طبقہ نے اپنی نظر اس کے الفاظ
اور ظاہری مطالب میں محدود رکھی اور اس کو جاں گدازی اور دل سوزی کے بجائے نقص و وجد کا
ذریعہ بنایا۔

شرح او کردند اور اکس ندید معنی او چوں غزال از مارید

رقص تن از حوت او آموختند چشم را از رقص جان برد و خند^۵

لیکن یہ نقص بہارا ہے، ثنوی کا نہیں، ثنوی اس دور انقلاب میں بھی رفیقِ راہ بن سکتی
ہے اس مادہ پرست دود کی سب سے زیادہ نایاب جنس سوز و گداز اور محبتِ پاک باز ہے:-

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیاک نہیں ہے

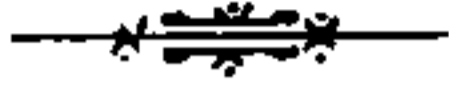
وہ آنکھ کہ ہے سر مراد فرنگ سے روشن پر کار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

یہ دولت بیدار ثنوی سے حاصل کی جاسکتی ہے، عصر حاضر کے نوجوانوں کو وصیت کرتے ہوئے

۴ تشنہ کا مان را کلامش سلسبیل ۲۳۳ ۵ چشم را از رقص جان برد و خند ۲۳۳ ۶ بال جبریل۔

فرماتے ہیں:-

پیردومی را رفیقِ راہ ساز تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست پائے او محکم فتد در کونے دوست



۱۵ جاوید نثار ۲۳۳

INDEX

اشٹاریہ

(انڈیکس: "ناریخ دعوت و عربیت" حصہ اول)

ترتیب

محمد عیاش الدین ندوی

۲۱۶	ابن المرجم الظالم	۲۸۷	ابن دقین العید
۸۸	ابن المسیب	۱۱۳	ابن الراوندی
۲۲۹	ابن المقفع	۲۰۱-۳۱۹۸	ابن رجب
۲۲۵	ابن ناصر (محدث)	۱۳۵	ابن رشد
۲۲۷، ۲۲۸، ۲۰۰	ابن نجار	۳۰۲، ۲۹۹، ۲۹۷، ۲۹۵، ۲۸۸	ابن نسکی
۱۱۶، ۱۰۸	ابو اسحاق اسفرائینی	۶۳، ۵۲	ابن سعد
۱۹۵، ۱۱۶	ابو اسحاق شیرازی	۲-۲	ابن السمانی
۱۸۹	ابوبکر ابن العربی	۲۸۵	ابن سینا
۱۱۲	ابوبکر اسماعیل	۷۲	ابن شہاب زہری
۱۸۵، ۱۸۳، ۱۱۶، ۱۰۸	ابوبکر باقلانی	۲۵	ابن عبد الحکم
۳۰، ۳۹، ۳۶	ابوبکر بن حزم	۱۸۹، ۱۰۵	ابن عساکر دمشقی
۸۷	ابوبکر بن حیاث	۳۱۸، ۳۰۹، ۳۰۸	ابن علقمی (نویسندہ ابو طالب محمد)
۱۱۲	ابوبکر بن صیرفی	۲۲۷	ابن الفارسی
۸۲	ابوبکر خلیل	۱۹۸، ۱۸۲	ابن قدامہ
۲۲۳	ابوبکر سلیمان بن	۲۷۸	ابن قرقہ ارسلان
۷۹، ۶۵	ابوبکر فریبانی	۲۸۵	ابن قیم
۲۸۱	ابوبکر محمد بن الطیب	۳۰۷، ۳۰۵، ۲۱۵، ۲۰۷، ۱۹۷، ۱۸۸	ابن کثیر
۲۷۳	ابو جعفر	۲۳۰، ۱۳۲، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۲۸، ۱۲۸	
۲۲۸	ابو حازم	۸۰	ابن ماجہ

۱۰۰	ابوالعباس رقی	۷۵	ابوالحاکم رازی
۹۷	ابوعبد الرحمن شافعی	۱۳۱، ۱۱۹، ۱۱۱-۱۶، ۱۰۳-۹	(امام) ابوالحسن اشعری
۱۰۷	ابوعبد الشریح خفیف	۳۳۶، ۱۱۸۵، ۱۸۳	
۱۹۹	ابوعبد الشرحمید بن یوسف البرزالی	۱۰۸	ابوالحسن باہلی
۴۸۱، ۳۷۱، ۱۲۵	ابوالعرفان ندوی	۱۸۹	ابوالحسن بصری
۲-۱۱۱-۵	ابوعلی جبائی	۱۰۵	ابوالحسن اجمائی
۱۹۱	ابوعلی فارمدی	۳۱۰	ابوالحسن خزرجی
۵۶	ابوعمر بن اعلیٰ	۲۹۹	ابوالحسن شاذلی
۳۱	ابوالفرج اصیبائی	۱۶۱۰	ابوالحسن علی ندوی
۱۹۵	ابوالقاسم ہروی	۱۱۴	ابوالحسن ہروی
۲۸۷	ابومحمد القاسم ابن عساکر	۱۵۵، ۱۵۴، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۶۸	(امام) ابوحنیفہ
۲۳-۱۷۹	ابومسلم خراسانی	۵۷	ابویان التوحیدی
۲۲۷	ابوالظفر	۱۹۸	ابوالخیر حاد
۱۳۰، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۳	(امام الحرمین) ابوالسائید بن جبلی	۸۰	(امام) ابوداؤد سجستانی
۲۲۴، ۱۸۹، ۱۳۷		۱۹۷، ۱۹۵	ابودکریا تبریزی
۱۵۰، ۱۱۴	ابومنصور ماتریدی	۲۳۹	ابوسعید جبائی
۲۲۴	ابوالنجیب بہروردی	۱۹۸	ابوسعید مخزومی (سبارک بن علی)
۱۳۰	ابونصر اسماعیلی	۲۰۳	ابوسلیمان خطابی
۱۶۴	ابونصرتار	۱۳۴	ابوطالب کی

۲۱	اريسٹ ڈی نسن (ERUSET DE BUNSEN)	۱۲۱	ابو نصر فارابی
۷۶	اسپرنگر	۲۴۷۱۷۲۱۳۰	ابو نعیم اصبہانی
۲۱	اشیفن	۱۹۷۱۱۹۵	ابو الوفا بن العقیل
۹۵۱۹۴۱۹۲	اسحاق بن ابراہیم	۲۱۶	ابو الوفا کیمی بن سعید
۱۰۵	اسماعیل اشعری	۸۷۱۸۲۱۳۷	(امام) ابو یوسف
۴۹	اسماعیل بن عبدالشر	۳۲۸	اتابک بہار الدین
۸۲	اشہب بن عبدالعزیز	۱۰۱	احمد بن ابراہیم دورق
۲۳	ایشورالوپا	۷۹	احمد بن جعفر
۱۳۲	انکاپون	۸۶-۹۳۱۸۴۱۸۲۱۸۱۶۲	(امام) احمد بن حنبل
۳۵۵۱۳۳۵	انگلک	۲۳۷۱۲۳۳۱۲۰۲۱۱۹۸۱۵۴۱۱۰۱۳۱۹۵-۱۰۱	
۳۹۸۱۳۶۹۰۳۶۱	(علامہ) اقبال	۱۱۴	احمد بن علی فقیہ
۲۸	اکبر	۱۸۸۱۱۸۷	احمد بن نظام الملک
۱۱۶	الپ ارسلان — سلجوق	۱۳۰	احمد الازکانی
۲۰۶	امیر الشراہ	۱۹۰	احمد الغزالی
۳۱۹	امین	۳۲	احطل
۳۱۳	انیل جن	۱۲۵	(سیدنا) ادیس (باطنی نام)
۳۳۲	اوحمد الدین کرمانی	۱۳۵۱۱۳۳۱۱۲۱۱۲۰	ارسلو
۳۳۳	اوگتائی خان	۳۲۹۱۳۲۴	ارغوزان
۳۲۴	ایل خان	۳۳۳۱۳۳۲۱۳۳۰-۱۳۲۶۱۳۲۵۱۳۲۴	آرنلڈ

۲۶۱	ابو یوسف نجم الدین	۲۶۱	بلاذری
(ب)		۱۱۴	بندار بن حسین
۱۲۷	باب (بانی مذہب بانی)	۲۳-۲۵	بودھ
۳۲۶	باقا خان	۱۲۱	بو علی ابن سینا
۲۳۱، ۱۱۳۴	بازید بیطای	۸۲	بو لیلی (شافعی)
۲۹۸	(قاضی القضاة) بن جلال	۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۲-۶۳	(قاضی) بہار الدین ابن شداد
۱-۱۹۳، ۷۱، ۷۸، ۷۷	(امام) بخاری	۲۳۲، ۲۲۷، ۲۲۶-۲۲۷	
۳۴۱	بدالدین گوہر تاش	۲۵۵	(سید) بہار الدین ترمذی
۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳-۳۴۲	بدیع الزمان فروزانفر	۲۲۴	(شیخ) بہار الدین ذکر الہمتانی
۲۵۶-۵۴، ۳۴۹، ۳۳۱	براق خان	۲۳۹	(سید) بہار الدین رازی
۳۲۶، ۳۲۵	برک خان	۲۲۹، ۲۲۵، ۲۲۱، ۲۲۰	(سلطان) بہار الدین ولد
۲۵۲	(سید) بردان الدین	۲۵۹، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۰	
۳۴۱، ۳۳۸	بردان الدین محقق ترمذی		(پ)
۶۸	بزراری	۳۱۱، ۲۷۰	پاپائے روم
۳۱۴، ۱۵۷، ۱۵۶	بتانی	۲۵۲	پطرس (راہب)
۱۶۵، ۱۶۴	بشر بن عازب		(ت) (ث)
۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۳، ۱۱۷۲	بشر حافی	۲۲۵	تاتاری خان
۱۴۲	بقراط	۲۱۸	تاج الدین بکی
۱۱۳	بلال بن ابی بردہ	۲۹۸	(قاضی القضاة) تاج الدین

۲۲۱-۲۲	جمال الدین	۸۰	(امام) ترمذی
۲۸۸	جمال الدین حاجب	۱۳۱	ترکان خاتون
۱۷	بنید بنیاد	۲۲۱-۲۲	تعلق تیمور خاں
۱۱۴	بنید شلی	۲۷۷	تقی الدین
۲۲	بواہر لال نہرو	۲۲۹، ۲۲۶	نگو دار خاں
۲۲۵	بوجی خاں	۲۲۷	نمد حسین گورکھ پوری
۲۲	جے، بسمولنگر (J. BASSMULUNGER)	۲۶۸	نگو
	(ج)	۲۹۸	(الملك العظم) تودین شاہ
۲۶۵	چائیلون	۲۲۰	(امیر) آوزمن (نوروزیگ)
۲۲۰-۲۲	چنائی خاں	۲۲۷	نوکل حسین
۲۲۵، ۲۵۹، ۲۵۶، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۱۹	چلی سام الدین	۵۷	نابت بن قرہ
۲۲۸	چلی ملال الدین		(ج)
۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	۷۰	باظا	
	(ح)	۱۲۶	جبریل
۱۹۷	(حضرت) حسنؑ	۸۸	جبرین عبدالمکید (گدشت)
۶۸، ۲۲	(حضرت) حسینؑ	۹۵	جبرین ولید
۲۱۲	(حضرت) حمادؑ	۲۲۲	جمال الدین حسن
۱۲۲	حارث محاسبی	۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۵، ۱۷۴	(مولا) جمال الدین دہلی
۲۸۵	حاکم باقر	۲۹۹، ۲۵۷، ۲۲۲، ۲۲۹	

	(۷)	۷۶	عیب الرحمن خاں شروانی
۲۲۹۱۲۲۵	(امام) رازی	۶۳۱۵۶	سجاد بن یوسف
۲۰۶	راشد	۱۹۹	سواد
۸۲	ربیع (شافعی)	۲۲۴۱۶۵-۶۴۱۶۳۱۵۵-۵۴۱۵۳۱۵۱	حسن بصریؒ
۵۶	ربیع بن انس	۷۰	حسن بن بہل
۷۲	ربیع بن صبیح	۲۲۲۳	حسن بن صباح اسماعیلی
۲۵	رجاء بن حیوہ	۶۸	حسن بن قحطیبہ
۲۶۹	رجز	۳۳	حسن المثنیٰ
۲۲۲۱۲۲۹	رشید الدین	۲۲۹	حلاج
۲۲۶۱۲۲۵	رکن الدین میرس	۸۶	حنبل بن ہلال
۲۲۲	رکن الدین سخاسی	۳۲	حنین (مغنی)
جلال الدین	(مولانا) روم دیکھے	۳۱	حاشب
۲۲	(سز) دہس ڈانس (RHYs DAVIS)		(خ)
۲۶۶۱۲۶۵۱۲۵۲	ریحی نالدوئی کرک	۱۰۰	(حضرت) خبابؓ
	(۸)	۲۲۳	خان اندا
۵۵	(حضرت) زید بن ثابتؓ	۱۱۵۱۷۲	خطیب بغدادی
۸۲	(امام) زفر		(ذ) (ذ)
۸۸	(امام) زہری	۲۶	دیازند سرسوتی
۶۸	زید بن علی	۱۱۳۱۹-۱۸۹۱۸۷۱۳۳	(حافظ) ذہبی

۳۸۷	سیدت الدین آدمی	۳۴۴	زین الدین سجاسی
۲۱۲۰	سینٹ پال	۱۸۸۱۸۳۱۴۷	زین الدین عراقی
۲۹۹۱۲۸۸	سیوطی	(س)	
	(ش)	۳۳	سالم بن عبداللہ
۱۵۵۱۱۵۲۱۹۷۱۸۸۱۸۷۱۸۲۱۸۱	(امام) شافعی	۳۰۵	سالم حسین
۳۵۷۱۱۹۱۱۶۷۱۱۴۷۱۸۲۱۷۱	شبلی نقانی	۳۵۸۱۳۵۷۱۳۵۵۱۳۴۷۱۳۴۵۱۳۴۲	پیر سالار
۲۴۸	(شیخ) شبلی	۹۵	سجادہ
۲۹۴	شرف الدین عبداللطیف	۳۴۲	سعد الدین عموی
۲۲۲	شرف الدین عینی	۳۱۹	(شیخ) سعدی
۲۳۵	(قاضی) شریح	۷۴	سید بن ابی عرب مدنی
۲۴۸	(قاضی) شریح	۵۵	سید بن جبیر
۵۵	(امام) شیبی	۳۳	سید بن المسیب
۱۹۸	(امام) شعرائی	۲۴۷۱۱۵۴۱۷۱	سیفان ثوری
۳۶۱۱۳۵۵۱۳۵۴۱۳۴۳-۵۲۳	شمس الدین تبریزی	۱۴۲	سقراط
۳۶۱۲۶۱۲۵	فکر آچاریہ	۳۷۴	سکندر
۳۰۵۱۲۸۸	شہاب الدین ابوشامہ	۲۵۸۱۵۴۱۵۰۱۳۳-۳۶	سلیمان بن عبد الملک
۲۹۹۱۲۲۴	شہاب الدین بہروردی	۷۶	(سید) سلیمان ندوی
۲۶۹	شیردل	۲۰۷۱۱۸۸۱۸۷۱۱۶۱۱۶۰	(سلطان) سنجر
۲۶۱	شیرکوہ اسد الدین	۳۲۵	سیرادادرا

ص ص

۲۷۰۱۲۵۱۱۲۳۸۱۲۳۷۱۴۸

۱۲۷۱۲۱

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۲۵۱۲۲

(حضرت) عمرؓ

۲۹۲۱۲۹۱

صالح اسماعیل

۲۲۸۱۲۲۸۱۱۲۶۱۸۵

(حضرت) علیؓ

۹۳

صالح بن امام احمد

۲۱۲

(ام المومنین حضرت) عائشہؓ

۱۸۸

صدر الدین

۱۶۲

(حضرت) عبدالرشید مسعودؓ

۳۶۱۱۳۵۶۱۳۴۲

صدر الدین قنوی

۹۱۰۹۰

عادم ابونمان

۲۲۴۱۱۸۳

صدیق حسن خان

۷۹

عاصم بن علی

صلاح الدین ایوبی ۶۳۱۲۵۶۱۲۵۲-۲۱۵۷۲۱۲۶۱

۲۲

عاصم بن عمر

۲۴۲۱۳۷۷۱۳۰۲۰۲۹۸۱۲۸۵-۸۷۱۲۸۲۱۲۸۲

۲۸۲

عاضد الدین الشتر

صلاح الدین زکریا ۵۴۱۲۴۵-۳۶۱۱۳۵۹۱۳۵۱

۲۰۲

عالمگیر اعظم

۴۱

صنعاک بن عبدالرحمن

۲۲۳

(شیخ) جد ابجبار

ط

۲۸۱

(قاضی) جد ابجبار

۳۱۹

طاہر

۹۷

عبدالرحمن بن اسحاق

۱۱۵

(امام) طحاوی

۸۲

عبدالرحمن بن قاسم

۲۳۱

ط مشرف خان

۸۷

عبدالرحمن بن ہدی

۹۵

طیفہ

۲۲۲

(شیخ) عبدالرزاق

ظ

۸۸

عبدالرزاق بن ہمام

۳۲۲۱۳۰۲۱۲۹۸

(الک) انطاہر بیرس

۲۲۳

عبدالعزیز

۳۰۶۱۲۸۲۱۲۷۶

(الک) انطاہر و اعزاز دین پاشا

۳۳۲	عثمان روی	۲۴۸	عبدالعزیز بن سلیمان
۹۹	عجیف	۲۸۸	عبدالعظیم المنذری
۳۳	عروہ بن زبیر	۱۳۷، ۱۳۱	عبدالغافر فارسی
۲۸۷، ۲۰۱	(شیخ الاسلام) عبدالدین بن عبدالسلام	۳۰۶	عبدالحئی بن قافراش
۳۰۳، ۳، ۲، ۲۹۷-۹۹، ۲۹۲-۹۳، ۲۸۸		۲۰۳، ۲۰۱، ۱۹۹، ۱۹۷، ۱۹۶	(شیخ) عبدالقادر جیلانی
۳۲، ۳۱	عکرم	۲۲۰، ۱۲۰، ۷، ۲۰۶	
۳۰۶	علاءالدین الطبری الطاہری	۱۳۷	عبدالقادر حسنی
۳۳، ۳۴	علاءالدین کیقباد	۱۹۵	عبدالقادر جوبانی
۳۳۹، ۳۱۰-۱۳، ۳۰۳	علاءالدین محمد خوارزم شاہ	۹۳	عبدالشہین امام احمد
۳۳، ۳۲	علی بن حسین (زین العابدین)	۳۴	عبدالشہین زبیر
۱۰۱	علی بن مدینی	۲۸۷	عبدالشہین سلام
۱۹۱-۹۳	علی بن یوسف تاشقین	۸۲	عبدالشہین جدامکرم
۲۶۱، ۲۵۳	عمادالدین زنگی	۱۵۶، ۷۱	عبدالشہین مبارک
۲۷۸	عمادالدین الکاتب	۸۲	عبدالشہین وہب
۱۸۹	عمر بن ابی اکسن رومی	۳۳	عبدالشہین المحض
۳۹، ۳۳-۳۶، ۳۱	(حضرت) عمر بن عبدالعزیز	۳۲	عبدالملک بن مروان
۲۵۸، ۲۴۸، ۲۳۷، ۱۹، ۷۳، ۳۸-۵۳، ۳۱، ۳۰		۲۲۲	(شیخ) عبدالوہاب
۲۰۱	عمر کیسانی	۱۹۳	عبدالمؤمن
۳۰	عمر بنت عبدالرحمن	۲۸۱	عبدعید

الوکر	دیکھے	فریابی	۳۲۳۱۳۱۳۱۰	عنایت اللہ
۷۹		فریبیری	۶۶	عوام بن و شب
۲۶۲		فرید البجدید		(ع)
۱۸۸		فرید الزماں	۳۳۰	غازان
۲۶۹-۷۱		فریڈرک	۱۳۷۱۱۲۹-۳۲۱۵۷	(امام ابو حامد محمد) الغزالیؒ
۷۱		فضل بن حیاض	۱۵۵-۵۸۱۵۳۱۵۱۱۴۵-۳۹۱۳۰-۳۲	
		(ق)	۱۸۴۱۱۸۳۱۱۷۷۱۱۶۸۱۱۶۷۱۱۶۱۱۶۰	
۳۲۶		قائ	۲۳۸۱۱۹۷۱۱۹۵۱۱۹۴۱۱۹۲۱۱۸۶-۹۰	
۴۰۱۳۳		قاسم بن محمد	۳۳۶۱۳۰۲۱۲۸۸	
۴۰۵		قادر حسینی	۳۳۱	(سلطان) غیاث الدین
۱۰۰		قتیبہ		(ف)
۲۴۹		قرمطی	۲۸۲۱۲۴۸	(حضرت) فاطمہؑ
۳۲۸		قطب الدین شیرازی	۲۷۵	(قاضی) قاضی
۹۵		قواری	۲۸۳	الغازی الدین اللہ
۱۸۸		قوام الدین	۲۹۴۱۲۹۳	فخر الدین عثمان
۳۳۳۱۳۱۷		قوبلانی قاس	۱۸۷۱۱۶۱۱۱۲۸	فخر الملک طوسی
۲۶۹-۷۱۳۵		قیر	۳۳	فرزدق
		(ک)	۱۷۴	فرعون
۲۷۲		کاشلین	بدیع الزماں	فرورز اللہ

۱۹۸۱۹۵۱۹۴۱۹۲۱۸۵۱۷۹-۱۶۹	امون	۸۲	(شمس الائمہ) کردی
۳۱۹			
۲۳۱	متنبی	۲۳۳	کرگز
۱۱۹۱۱-۳۱۹۳۱۹۲	شوکل بانتر	۳۵	کسری
۲۶۱	مجاہد الدین مہروز	۳۴۲	کمال الدین ابن العدیم
۳۰۶	مجاہد الدین ایک الدویدار		(ک) (ل)
۱۶۲	مخیر الدین	۲۶	گاندھی جی
۸۲	(امام) محمد	۲۶۶، ۲۶۵	گائی
۳۲۶	(سلطان) محمد (احمد)	۳۱۷	گبن
۱۱۵، ۸۹	محمد الوزہرا	۲۶۸	گودرے
۱۲۵، ۹۹	محمد بن اسماعیل	۳۲۴	گیوگ خاتان
۱۹۷	محمد بن حسن باقلانی	۲۸۱، ۲۶۲-۶۳، ۲۵۲-۵۵	(اسٹینلے) لین پول
۱۲۶	محمد بن حسن دہلی یانی		(م)
۵۵	محمد بن سیرین	۲۳۶، ۱۲۶	سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام
۳۶	محمد بن عبدالحکم	۸۶	(حضرت) عثمان بن عاصم
۱۹۱-۹۳	محمد بن عبدالشہر قنوت	۲۸۲	(حضرت) معاویہ
۱۸۷، ۱۶۱	محمد بن ملک شاہ	۳۱۵	ماہوج
۹۴، ۹۱، ۶۲	محمد بن نصر مرزدی	۲۱	مارٹن لوتھر (M. LUTHER)
۹۵	محمد بن نوح	۲۸۲، ۱۵۴، ۸۰-۸۲، ۶۸	(امام) مالک
۳۲۸	محمد بہاء الدین	۲۳۷	مالک بن دینار

۹-۱۸۸	یحییٰ بن مسین	۱۲۷	(موسیٰ) ہوارث
۸۲	یحییٰ بن یحییٰ لیشی	۸۷	ایبٹم بن بشر
۵۱	یزید بن لاشب	۸۷	ایبٹم بن حبیل
۶۳	یزید بن عبد الملک	۱۳-۲۱۰	ہیر لہیب
۶۳	یزید بن البلب		(۷)
۷۹	یزید بن ہارون	۲۲۴	سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام
۵۵	یار	۳۱۵	یابوج
۱۲۱	یعقوب کنزی	۸۵	یحییٰ بن اکثم
		۵۰	یحییٰ بن سعید

اقوام و قبائل - طبقات و ملتیں

۸۶، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۳۳، ۲۸۲	اہل بیت کرام خاندان نبوت	۸۶	ارباب کلیسا
۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۲، ۱۱۰، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۱، ۱۰۰	اہل سنت - سنی	۲۱	آرتھوڈوکس سنی
۲، ۸، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱		۳۵۳	ارموی
۱۲۶	اہل ظاہر	۲۸۹، ۱۸۲، ۸۶، ۱۱۹، ۱۱۵، ۱۷	اشعری ایشاعہ
۳۱۰، ۱۳۶	اہل عراق	۳۹۶، ۳۹۴، ۳۸۲، ۳۶۲، ۳۳۵	
۶۸	اہل مدینہ	۲۸۵، ۲۶۷، ۲۵۱، ۲۰۸، ۱۷۷، ۱۳۸، ۱۲۹، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۰، ۹۰، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۰	انبیاء
۲۸۲، ۲۷۱	اہل مصر - مصری	۳۹۸، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۸۶، ۳۶۷، ۳۶۴	
۳۳، ۳۱	اہل مصر - مغز	۱۳۳	اہل استدلال
		۳، ۷، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰	اہل بغداد

۵۲۵	بگوت گیتا	(ISLAM OR TRUE -	اسلام آرٹو کر سچا بیٹی
	(ت)	۲۱	CARISTIANITY)
۱۸۳	التاج الملکلی	۲۸۵	اشارات (ابن سینا)
۲۷۸۱۱-۲۷۸۱۲-۲۷۸۱۳	تاریخ ابن خلکان	۱۱۳، ۱۱۴	الأشعری البواحسن
۳۲۲، ۳۲۱	تاریخ الخلفاء للسیوطی	۷۶	الاصابة فی أحوال الصحابة
۱۶۸	تاریخ الاخلاق	۷-۱۳۲، ۱۳۰	الأغانی
۱-۲۷۹۸-۱۰۰۰، ۱۹۳۱، ۱۸۷	تاریخ الاسلام للذہبی	۳۱-۱۳۰۷	(رسالہ) الأتقلام
۴۰	تاریخ اصبہان	۱۸۷، ۱۸۷	اجام العوام عن علم الکلام
۳۱۷	تاریخ الخطاط و سقوط روما	۱۸۳، ۱۸۷	الفیہ
۱۰۱۱۹۵، ۷۷	تاریخ بغداد	۶۸	امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی
۹	تاریخ دعوت و عزیمت	۳۵۷، ۲۱	انجیل
۹۴	تاریخ صغیر	۲۵۳، ۲۵۲، ۲۴۱، ۲۲۲	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
۹۵، ۱۵۰	تاریخ طبری	۲۵	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اینڈ انٹیکس
۳۱۷	تاریخ عہد وسطی	۱۱۳	ایضاح البرہان
۱۳۵، ۱۳۲	تاریخ فلاسفۃ الاسلام		(ب)
۳۱۶، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۰۸، ۲۵۶-۶۱۸	تاریخ انکال	۳۹۹، ۳۶۹	بال جبریل
۹۴	تاریخ کبیر	۳۹، ۳۸، ۳۰، ۳۰، ۲۰، ۶، ۱۹۷	البدایہ والنہایہ
۱۱۵	تاویلات القرآن	۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۸، ۱۳۱۳	
۱۱۳	التبعین عن اصول الدین	۱۸۹	ابرهان

۱۳۶	بواہر القرآن	۱۸۹/۱۱۳۱/۱۳۱۰-۵-۸	تیسین کذب المفتری
۳۱۷/۳۱۳/۳۱۰-۱۳	چنگیز خاں (کتاب)	۲۸۱	تثبیت النبوة
	(ح)	۷۹/۳۳	تذکرہ الحفاظ
۱۲۷	حاضر العالم الاسلامی	۳۲۵	تذکرہ دولت شاہ
۱۳۶	حجۃ الحق	۲۸۸	الترغیب والترہیب
۳۰۲۱۸۰	حجۃ الشراہ بالذہ	۱۳۷	تعریف الأعیار بفضائل الأعیار
۳۵۴	حدیقہ انشائی	۱۲۷	تفسیر مولوی محمد علی
۶۰	احسن البصری	۲۲۴	تقصیر جود الاحرار
۲۹۹/۲۹۸/۲۸۸	حسن المحاضرہ	۲۲۳	اتکلمہ رموز الغیب
۲۴۷/۱۹۰-۱۸۹/۱۷۲	حلیۃ الاولیاء	۲۵/۲۴ (DISCOVERY OF INDIA)	تلاش ہند
۲۸۱	حسام	۲۳۶/۲۳۹/۲۳۸/۲۳۴-۳۶	تلمیس البلیس
۳۰۷/۳۰۶	احکامات الجامعہ	۲۵۰	تلخیص فہم اہل الاثر فی عیون التاريخ والسير
	(خ)	۲۵۷	توریت
۱۱۳	خبر الواحد	۱۳۲-۳۵	تہافت الفلاسفہ
۷۷/۷۶	خطبات عباس		(ج) (ج)
	(د)	۸۰	جامع ترمذی
۳۱۳/۱۹۷/۱۶۶/۱۵۷/۱۵۶	دائرة المعارف للبستانی	۸۲	الجامع العلوم
۳۲۲/۳۳۰/۳۲۹/۳۲۳-۲۵	دعوت اسلام (آرٹیکل)	۴۰۰/۳۹۹	جاوید نامہ
۳۰۲	الدلائل المتعلقة بالملائکة والانس	۲۰۱	جلار العینین

دی گین

۳۲۴

سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ۴۰۱۳۶-۱۴۴۱۴۵۱۳۶-۱۵۱۵

دیوان مولانا روم

۳۴۹۱۳۵۵

۸۲

سیرۃ النعمان

(ذ)

(ش)

ذیل طبقات المحتالہ

۲۰۳۱۲۰۲۱۱۹۸

۲۴۸

اشغال

ذیل المرأة

۳۲۱

۳۰۲

شجرة المعارف

(س)

شذرات الذهب فی اخبار من ذهب

۸۲

الرد علی المنطقیین

۱۱۹

شرح اجار العلوم دیکھی آمان السادة

رسائل اخوان الصفا

۲۸۵۱۱۲۲

الشرح والتفصیل فی الرد علی اهل الاطراف تظیل ۱۱۳

رموز الغیب

۲۱۴۱۲۱۲۱۲۱۰۲۰۹۱۲۰۶۱۲۰۵

۲۸۵

شکار (ابن سینا)

ذات الثالث

۳۲

(ص) (ض)

(س)

صاحب الثنوی

۲۲۵۱۲۳۴

زاویہ غزالیہ

۲۸۸

۴۹

صواعق

زندگانی مولانا جلال الدین

۲۱۹۱۲۴۵۱۲۲۲۱۳۲۹

۲۱

صفت مقدسہ

۳۵۴۱۳۵۲

۱۸۹۱۸۰-۱۴۹۱۴۰

صیغہ بخاری

(س)

۱۸۹۱۸۰

صیغہ مسلم

سلطان صلاح الدین (بین پول) ۵۶-۲۶۲۱۲۵۴

۸۰

صیغہ حسین

۲۸۱۱۲۴۳۱۲۴۰۱۲۶۵۱۲۶۳

۲۴۴۱۵۱۱۳۳

صفة الصفوة

صفت ابی داؤد

۸۰

۶۵

صفة التفاق و ذم المنافقین

سوانح مولانا روم

۳۶۰

۲۶۱

صلاح الدین الیولی (محمد فرید)

۳

ک

۷۱	المامون	۱۱۰۱۱۰۹	کتاب الابانہ عن اصول الديانہ
۳۶۲۱۳۶۰۱۳۵۵۱۳۵۴۱۳۳۷	شئوى معنوى	۱۱۳	کتاب الاجتهاد
۳۹۸۱۳۹۷۱۳۸۴-۸۷۱۳۶۳-۷۸		۸۲	کتاب الام
۳-۲	مجاز القرآن	۷۰	کتاب الحيوان
۲۶۲	الحاسن اليوسفيہ	۸۲۱۳۷	کتاب الخراج
۸۲	المدونہ	۲۸۳۱۲۸۲	کتاب المخطوط والآثار
۳۱۶	مرصاد العباد	۲۸۶۱۲۸۴۱۲۸۳	کتاب الروضتين في اخبار الدولتين
۲۲۴	مرآة الجنان لياقبي	۲۸۸	کتاب العبر
۳-۵	مرآة الزمان	۱۱۳	کتاب العمد
۳۳۷	مرآة المشوى	۱۱۳	کتاب الملح
۱۸۹	المستصفي	۱۱۳	کتاب الفصول
۱۳۸۱۳۶۹۱۳۴	مستظري	۱۱۳	کتاب القياس
۱۱۳	مسلم كريد (MUSLIM CREED)	۱۱۳	کتاب الموجز
۱۰۱	مسند امام احمد	۲۸۱	الكشف عن اسرار الباطنية
۱۸۹	المعتمد	۲۸۱	كشف ما كان عليه بنو عبید
۱۹۸۱۸۲	المعنى	۳۲۰	کليات سعدى
۱۳۶	مفصل الخصال		
۳-۲	مقاصد الصلاة	۲۳۳۱۲۲۶	مغزى الكبدى في نصيحة الولد

ل

۲۸۲۱۸۰

موظا

۱۳۲،۱۳۱

مقاصد الفلاسفہ

(ن)

۱۱۳،۱۱۳

مقالات اسلامیین

۱۲۸

نظام الملک طوسی

۶۹

مقدمہ ابن خلدون

۱۶۱

نصیحۃ الملوک

۷۹،۷۸

مقدمہ فتح الباری

۳۳۷

نقد المثنوی

۳۲۶

مقریزی توہم

۲۶۷،۲۶۴،۲۶۲

النوادر السلطانیہ

۱۶۱

مکتوبات امام غزالی

۲۷۸-۸۱،۲۷۶

۹۲،۸۷

مناقب ابن الجوزی

(و)

۸۱،۶۸

مناقب ابی حنیفہ

۲۲۴

وقیات الاحیاء

۹۲

مناقب حافظ ذہبی

۳۳۳،۳۳۰

وہوس

۳۳۳

مناقب العارفین

(ح)

۳۸

مناقب عمر بن عبدالعزیز

۳۲۴،۳۲۳

ہود و تھ

۱۸۴،۱۸۳

المستظم فی تاریخ الملوک والامم

۲۴

ہندوستانی تمدن

۲۵۷،۲۴۹،۱۹۷

۳۲۶

ہیوم

۱۳۶،۱۳۱،۱۳۱

التقدم من الضلال

(ط)

۳۵۴

مناطق العلیہ

۲۳۶

یوسف زلیخا

۱۸۴،۱۸۲،۱۳۷

منہاج القاصدین

۱۳۶

مواہب الباطنیہ

مقامات

۱۲۲۱۷۶۱۷۵	اندلس		(الف)
۲۵۶۱۲۵۴۱۲۵۲	انطاکیہ	۳۱۳	اترار
۲۵۲	انطوطوس	۲۴۹	بھار
۲۱۷۱۲۶۹-۷۱	انگلستان	۲۶۱۱۹۷	آذربائیجان
۲۵۵	اڈیسیا	۲۴۴۱۲۷۰	اردن
۲۰۷۱۲۶۱۱۹۷۱۱۲۷۱۸۸۱۸۰۱۷۸	ایران	۲۷۱	ارسوف
۲۴۰۱۲۲۹۱۲۲۲۱۲۲۰۱۲۲۹۱۲۲۶۱۲۱۲۱۱		۲۴۸	ارمن
۷۶۱۷۳۱۲۴	ایشیا	۲۷۲	ارمینہ
۲۱۰	ایشیا کوچک	۲۱۲۱۱۹۲۱۱۹۱۷۷۶۱۷۳	اسپین
۲۷۱	ایلیہ	۲۷۰۱۲۶۹	آسٹریلیا
	(ب)	۱۲۱	اسفرائن
۹۶	باب البستان	۲۵۶۱۱۹۲	اسکندریہ
۱۹۲	بکایہ	۱۲۸	اصغیان
۲۲۵۱۲۱۲۱۷۵	بخارا	۱۹۲	اغمت
۹۷	برز	۲۳۸	افغانستان
۲۷۰	برگندی	۲۲۱۱۸۲۱۷۶۱۷۳۱۵۰	افریقہ
۱۰۷۱۱۰۵۱۸۷۱۸۶۱۹۷۷۱۶۵۱۵۷	بصرہ	۲۴۰	آقشہر

۳۲۳۱۳۱۳	زنگان	(خ)	خوارسان ۳۴۰۳۳۸۳۲۹۱۱۶۰۱۸۶۱۷۶۱۷۱۱۳۹
۸۶	(س)	م	خلیج عجم ۳۱۱
۲۲۱	مرخس	م	خوارزم ۳۱۳
۳۱۳۱۱۵	سارطا	(ب)	دائرة شاه علم اشرف ۱۶۱۰
۲۲۳	سمرقند	دشق	۳۲۱۲۹۱-۹۳۱۲۸۸۱۲۸۷۱۳۶۱۶۷
۲۲۳	سنجاس	سویز	۲۵۱۲۴۷۱۲۳۳۱۲۳۲۱۲۳۱
۲۱۷	سویٹن	دیپا	۳۰۶۱۲۵۶
۷۶	سویز	دوین	۲۶۱
۲۲۵	سیرادورا	(س) (ن)	رائے بریلی ۱۶۱۰
۳۱۱۲۷۷۱۲۷۱۲۵۸۱۲۵۲-۵۶۱۸۷۱۸۰	شام	الرحا	۲۵۵۱۲۵۳
۲۲۱۲۲۱۲۱۱۲۱۱۲۱۰۱۳۰۵۱۲۸۹۱۲۸۲-۸۶		رجستان	۷۹
۲۵۱۲۲۸۱۲۲۵	شیراز	رقہ	۱۰۰۱۹۶۱۹۵۱۷۱
۱۰۷	(ص)	رہ	۲۷۶۱۲۷۰
۲۷۲	صحرانوبہ	روس	۳۱۷
۱۳۶	صخرہ	روم	۲۵۳۱۲۵۱۲۳۸۱۲۳۳۱۲۳۲۱۲۳۰۵۱۹۱
۲۷۰۱۲۶۹	صقلیہ	رے	۳۱۶۱۳۱۲۱۸۸
۸۸	صغار		

۳۲۲، ۳۲۱	عین جالوت	۲۷۲	صور
	(ف)	۲۹۱	صیدا
۲۶۹-۷۱	فرانس		(ط)
۲۷۰	فلانڈرز	۱۸۹، ۱۱۳.	طابریان
۲۷۰-۱۲۶۳-۶۵۱۲۵۶، ۲۵۲-۵۳	فلسطین	۲۵۶، ۲۵۴، ۲۵۲	طرابلس الشرق
	(ق)	۹۵	طرس
۲۲۵، ۲۸۵	قاہرہ	۷۶	طنجہ
۲۵۳	قدس	۱۸۸، ۱۸۷، ۱۶۲، ۱۳۰	طوس
۲۱۳	قراقرم	۳۱۸	طهران
۲۱۳	قرزویں		(ع)
۲۷۲	قسطنطنیہ	۸۸، ۸۶، ۷۷، ۷۵، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	عالم اسلام
۲۹۰	قصیرہ	۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۴-۱۶، ۹۱	
۲۰۵، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۲۷-۲۹۱، ۲۲۰-۲۰۲	قزیرہ	۲۵۲، ۲۲۱، ۲۱۷، ۲۰۱-۱۱۹، ۹۲-۹۷، ۱۸۸، ۱۳۷	
۲۲۳	قیمرہ	۲۱۲، ۲۱۰، ۲۹۵، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۷۲، ۲۶۲، ۲۵۵	
	(ک) (ل)	۲۷۸، ۲۶۷، ۲۳۵-۲۷۰، ۲۲۲، ۲۱۹، ۲۱۴-۱۷	
۳۳۳، ۳۳۱	کاشغر	۳۹۸، ۳۹۷	
۳۳۳	کانشوا	۱۹۷، ۱۷۵	عمم
۲۷۲	کراچن	۲۷۱، ۲۳۳	عرب
۲۹۳	کرک	۲۸۱، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۵۲	کرک

متفرقات

قلعہ نہرودریا:

بیت المقدس۔ مسجد اقصیٰ ۱۳۶، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶

۲۶۲، ۲۸۶، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۷، ۲۶۲
۲۰۳

۳۲۱

قلعہ ایلین

۲۸۸

جامع اموی

۲۶۱، ۲۵۶

قلعہ بانپاس

۱۳۶

جامع مسجد دمشق

۲۶۱

قلعہ بعلبک

۲۵۱

جامع منصور بغداد

۲۶۱، ۲۵۶

قلعہ حارم

۲۵۳

مسجد عمر

۲۵۹

قلعہ حصن الاکراد

۱۲۶

باب کعبہ

۷۶

بحر احمر

۲۵۴

روضہ اہل

۳۱۰

بحر خوارزم (آرال)

۲۰۳

مطانت

۱۹۷

بحر قزوین

۲۲

چوچ

۲۴

بحر انکابل

۲۲

کلیسا

۲۴

بحر ہند

درس گاہیں، ادائے اور مطالعہ:

۳۱۰

خلیج عجم

۲۵

الفنن کالج بمبئی

۳۰۶

دجلہ

۱۶۸

جامعہ القاہرہ

۳۰۶، ۲۵۵

فرات

۳۱۸

طہران یونیورسٹی

۲۳۶

کوہ طور

۳۴۲

درسہ ملاویہ۔ حلب

مساجد و مقدس مقامات و مسجد:

۳۳۱

درسہ خداوندگار

۳۰۶، ۲۰۳، ۱۳۶

بیت الشہ شریف (کعبہ)

۱۲۶/۱۲۴	جنت	۳۲۹	نذیب شان
۹۱	جہاد	۳۲۳، ۲۰-۲۳، ۱۰	نذیب عیسائی - مسیحیت
۱۶۴، ۱۳۷، ۱۲۶، ۱۲۴، ۱۸۸، ۱۳۶	حج و زیارت	۲۶-۲۸	(عقیدہ) وحدۃ الوجود
۸۸، ۸۴، ۷۸-۸۱، ۷۳-۷۵، ۴۰، ۱۲۹	حدیث	۲۲-۲۵، ۱۰	ہندومت - ہندو نذیب
۱۸۴، ۱۸۳، ۱۷۰، ۱۳۹، ۱۳۳، ۱۲۵، ۱۸۹			نذیبی، اسلامی اور اصطلاحی الفاظ:
۱۵۹/۱۲۴	حرام	۱۳۳	اجماع
۱۵۷، ۱۲۴، ۱۹۰	حلال	۱۳۸، ۱۳۵، ۱۲۶	آخوت
۱۵۷، ۱۳۷، ۱۳۸	خراج	۴۳	اسلام
۱۲۷	ختم نبوت	۷۳، ۱۵۳	اسلامی معاشرہ
۱۵۳، ۱۳۱، ۷۷، ۵۱، ۴۰، ۳۹، ۳۵، ۲۹، ۱۸۹	خلافت	۱۵۵، ۱۵۴	بحث و مناظرہ
۱۲۷	دجال	۱۹۱، ۱۸۱	بیعت
۱۲۶، ۱۲۴	دوزخ - جہنم	۱۵۵	تذکرہ
۱۲۴	رسالت	۱۳۷، ۱۳۶	تزکیہ
۴۱	رسم طاعت - مخالفت	۲۲۴، ۱۹۱، ۱۶۳، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۸	تقویٰ
۱۵۷	رشوت	۸۵	تقدیر
۱۲۶، ۱۲۴	روزہ - صیام	۱۵۵، ۲۵	توحید
۱۵۱	ری	۴۱، ۳۲، ۳۱	جاہلیت
۸۵	رؤیت باری	۸۵	جبر و اختیار
۱۲۶، ۱۲۴، ۱۵۰	زکوٰۃ		
۱۵۱	سبق	۴۷، ۳۷	جزئیہ

حکومت امویہ۔ خلافت امویہ ۶۹، ۷۴، ۷۵، ۸۱، ۲۳	۸۲	فقہ اسلامی
خلافت راشدہ ۳۵، ۳۱	۱۶۷، ۱۱۳، ۷۸۲	فقہ شافعی
خلافت عباسیہ سلطنت عباسیہ ۱۸۸، ۸۵، ۶۹، ۶۷، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳-۷	۸۲	فقہ مالکی
خوارزمی سلطنت ۳-۸	۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۱۹-۲۱، ۱۱۱، ۱۸۴، ۲۹، ۲۵	فلسفہ ۲۵، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
دولت المغانیہ ۳۲۶	۲۹۷، ۳۳۵، ۱۸۲، ۱۵۶، ۱۴۴-۳۶، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	۳۹۸
دولت مغلیہ ۳۳۳، ۳۲۹	۱۶۸	فلسفہ اخلاق
خقانیہ سلطنت ۳۳۳، ۳۳۲	۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰-۲۲، ۱۸۴	فلسفہ الہیات۔ الہیات ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰
سلجوقی سلطنت ۳۱-۱۲۵، ۳۱، ۲۵۲	۷۶	فن اسرار الرجال
عبیدی سلطنت (فاطمی) ۲۸۳، ۲۸۲	۸۵	مسئلہ عدل
لاطینی سلطنت ۲۵۵	۱۳۵	معقولات
ولایت انطاکیہ ۲۵۳	۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۳	منطقیات
عہد وادوار:	۱۲۲، ۱۲۰-۱۸۵، ۱۸۴	یونانی فلسفہ
زمانہ صحابہ ۸۰		زبان:
عہد اموی ۸۶، ۳۱، ۳۱-۳۳	۱۲-۱۸۴	سریانی
عہد رسالت۔ عہد نبوت ۱۳۸، ۱۸-۱۶۵، ۶۴	۱۲-۱۲۶، ۲۵	سفرت
عہد صدیقی ۸۶	۱۲-۱۳۳	عربی
عہد عباسی ۳-۶، ۲-۶	۱۲۰	فارسی
سکے:	۱۲۰	یونانی
اشرفی	۳۳۳	سلطنتیں و حکومتیں:
		تاریخ سلطنت

۲۵۴	واقعہ ارتداد	۳۳۱	چاندی
۲۵۹	واقعہ حصن الکراد	۷۷۱۶۹۱۳۶	دینار
۶۸	واقعہ کربلا	۶۹	روپیہ
۲۶۴	جنگ حطین	۳۳۱۱۳۲	سونا
۳۲۷	جنگ خارا	۶۹	قنطار
۲۵۹	مورکہ بقیعہ	۷۷	گنی
دیگر مستقرقات:		تحریرات و سلاسل طرق:	
۲۴-۲۶	بت. مورت	۲۸۵۱۱۲۲۱۱۲۱	اخوان الصفا
۲۸۴	جوہر	۱۱	جامعت اصلاح و تبلیغ لکھنؤ
۱۸۱	چقمان	۱۲۱	فری مشن
۳۳	حجر اسود	۲۲۱	سلسلہ قادریہ
۱۷۷	زقوم	۲۲۳	طریقہ اسپروردیہ
۱۷۵	شطنج	اہم واقعات و معرکے:	
۲۸۸	صلاة الرغائب	۱۳۶	آتش نرود
۳۲-۳۳	صلیب	۱۳۶	ذبح ابراہیمؑ
۲۰۸	صنوبر	۱۳۶	طوفان نوحؑ
۷۰	عنبر	۱۳۶	عصائے موسیٰؑ
۷۵	فرسخ	۱۰۳	فقہ اعترال
۷۰	شک	۱۳۳	فقہ باطنیت
۲۸۲	ملوفا	۳۰۳۱۹	فقہ تاتار
۹۱	منجیق	۹۵۱۹۴۱۹۱۱۹۰۱۸۴	فقہ اخلق قرآن

